یازدہ رسائل
رموزِ معرفت اور عشقِ حقیقی سے متعلق شہکار رسائل
از تصنیفات وافادات
قطب الاقطاب حضرت سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ
مترجم
مولانا قاضی احمد عبد الصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ
سیرت فاؤنڈیشن
۸۵۵۔ این، سمن آباد، لاہور
www.maktabah.org
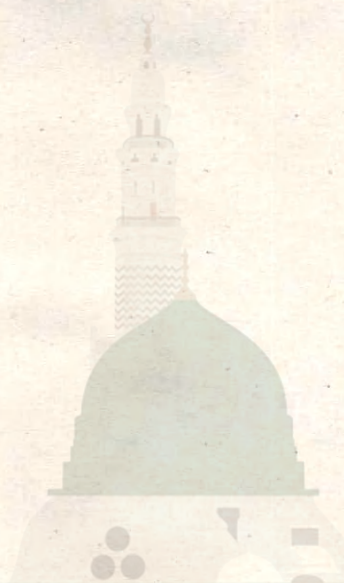
یازدہ رسائل

موزِ معرفت اور عشقِ حقیقی سے متعلق شہکار رسائل

پاکستان میں اسلام اور اسلامی تصوف

کے موضوع پر معیاری کتب کی اشاعت کے لیے

الحاج **محمد ارشد قریشی** رحمۃ اللہ علیہ

کا نام ہمیشہ محترم رہے گا۔

سیرت فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع کردہ یہ سلسلہ کتب

اُن کی یاد سے وابستہ ہے۔
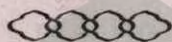
سیرت فاؤنڈیشن کی تمام مطبوعات کی اشاعت میں

خصوصی معاونت کے لیے ادارہ

محترم جناب سردار محمد فیصل خان چشتی صاحب

کا بے حد ممنون ہے۔

رموزِ معرفت اور عشقِ حقیقی سے متعلق شہکار رسائل

○

از تصنیفات وافادات

قطب الاقطاب حضرت سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ

○

مترجم

مولانا قاضی احمد عبدالصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ

سیرت فاؤنڈیشن

۸۵۵ این، سمن آباد - لاہور

فون: ۷۵۶۰۸۸۲

نام کتاب : یازدہ رسائل (اردو ترجمہ)

مصنف : حضرت خواجہ قطب الاقطاب سیّد محمد حسینی گیسودراز قدس سرہٗ

مترجم : حضرت مولانا قاضی احمد عبدالصمد فاروقی قادری چشتی ؒ

ناشر : سیرت فاؤنڈیشن ٥ لاہور

طابع : کارواں پریس ٥ لاہور

اشاعت : ربیع الاول ۱۴۲۴ھ بمطابق مئی ۲۰۰۳ء

تعداد : پانچ سو

قیمت : ۱۸۰/- روپے

❁

بسعی واہتمام

نصر اقبال قریشی

سیرت فاؤنڈیشن ۔ لاہور فون ۶۰۸۸۲ ۷۷

❁

تقسیم کار

○ دربار بک شاپ ـــــ دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ ـــــ لاہور

○ المعارف ـــــ گنج بخش روڈ ـــــ لاہور

○ ضیاء القرآن پبلی کیشنز ـــــ گنج بخش روڈ ـــــ لاہور

○ ضیاء القرآن پبلی کیشنز ـــــ اُردو بازار ـــــ لاہور . کراچی

○ نظامی کتب خانہ ـــــ دربار حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ ـــــ پاکپتن شریف

○ احمد بک کارپوریشن ـــــ اُردو بازار ـــــ راولپنڈی

فہرست

احوال و مقامات

حضرت سیّد محمد گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ

اسم گرامی و القاب اسم گرامی سید محمد، کنیت ابوالفتح، القاب صدرالدین، ولی الاکبر الصادق ہیں۔ عام طور پر خواجہ بندہ نواز اور خواجہ گیسو دراز کہلاتے ہیں۔ خواجہ گیسو دراز کے لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک بار اپنے مرشد حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی کی پالکی اور مریدوں کے ساتھ اٹھائی۔ ان کے بال بڑے بڑے تھے۔ پالکی کے پایہ میں الجھ گئے۔ پالکی کو کندھے پر لے کر دور نکل گئے۔ بالوں کے الجھ جانے سے تکلیف ہوتی رہی لیکن مرشد کے عشق و محبت میں خاموش رہے اور غایت تعظیم میں بالوں کو پالکی کے پایہ سے نہ نکال سکے۔ جب حضرت شیخ نصیرالدین کو اس کی خبر ہوئی تو اپنے مرید کی اس محبت اور عقیدت سے بہت خوش ہوئے اور اسی وقت یہ شعر پڑھا:

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد — واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

اسی کے بعد سے گیسو دراز مشہور ہوئے[1]

نسب نامہ خاندانی شجرہ یہ ہے: ولی الاکبر الصادق ابوالفتح محمد بن یوسف بن علی بن محمد بن یوسف بن حسن بن محمد بن علی بن حمزہ بن داؤد بن زید بن ابوالحسن الجنیدی بن حسین بن ابی عبداللہ بن محمد بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید المظلوم بن علی اصغر زین العابدین بن امام حسینؓ ابن سیدنا علی بن ابی طالبؓ۔[2]

---

[1] اخبار الاخیار ۱۲۳ و خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۸۱۔ [2] سیر محمدی مصنفہ مولانا شاہ محمد علی سامانی مرید حضرت سید گیسو دراز مطبوعہ یونانی دواخانہ پریس منڈی الہ آباد۔

خاندان حضرت گیسو دراز کے مورثِ اعلیٰ ہرات سے دہلی آئے تھے۔ یہیں ۷۲۱ھ میں ان کی ولادت باسعادت ہوئی[1]۔ ان کے والدِ بزرگوار سید یوسف حسینی عرف سید راجا کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیارؒ سے ارادت تھی۔ اپنے ملفوظات جوامع الکلم میں خود فرماتے ہیں:

" پدرمن زیارانِ خدمت شیخ نظام الدین بود[2] "

ان کے نانا بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیار کے مرید تھے[3]۔

قیام دیوگیر جب حضرت گیسو درازؒ کی عمر چار سال کی تھی تو ان کے والدِ بزرگوار سلطان محمد تغلق کے عہد میں دہلی سے دیوگیر منتقل ہوگئے۔ اس زمانہ میں دولت آباد کے صوبہ دار حضرت گیسو درازؒ کے ماموں ملک الامراء سید ابراہیم مستوفی تھے۔ یہاں ایک بزرگ شیخ بابو رہا کرتے تھے جن کی صحبت میں حضرت گیسو درازؒ کے والد ماجد برابر شریک رہتے۔ والدِ بزرگوار کے ساتھ حضرت گیسو درازؒ بھی ان کی خدمت میں تشریف لے جاتے۔ یہ بڑی شفقت سے پیش آتے۔ چنانچہ انھوں نے بچپن ہی میں ان کے لیے اچھے کلمات استعمال کیے[4]۔

طفلی آٹھ ہی سال کی عمر میں حضرت گیسو درازؒ سے دینی شغف کا اظہار ہونے لگا۔ وضو اور نماز میں خاص اہتمام کرتے۔ چھوٹے بچے ان کی خدمت میں جمع رہتے اور بہت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کے سامنے اٹھتے بیٹھتے اور وضو کے لیے پانی کا گھڑا بھر کر ان کے لیے رکھتے۔ حضرت گیسو درازؒ اس کم عمری میں بھی مشایخ کی طرح ان کو تبرک عنایت کرتے[5]۔

جب دس سال کے ہوئے تو ان کے والد ماجد کا انتقال ۷۳۱ھ میں دولت آباد میں ہوگیا اور یہیں سپرد خاک ہوئے۔ آج بھی ان کے مزار پر زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔

ابتدائی تعلیم ابتدائی تعلیم اپنے نانا سے پائی اور پھر دوسرے استاد سے مصباح اور قدوری پڑھی[6]۔ نانا اور والد ماجد کی صحبت میں حضرت نظام الدین اولیارؒ اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ

---

[1] سیر محمدی ص ۶ [2] جوامع الکلم ص ۳۸ - [3] سیر محمدی ص ۹ - [4] سیر محمدی ص ۹ -

[5] سیر محمدی ص ۹ - [6] تحفۂ احمدی ص ۹ - ۱۰ -

کا نام برابر سنتے تھے۔ چنانچہ ایامِ طفلی ہی میں خواجگانِ چشت سے عقیدت پیدا ہوگئی اور حضرت چراغ دہلیؒ کے دیدار اور ملاقات کے مشتاق ہوئے۔

مراجعت دہلی جب حضرت گیسو درازؒ کے والد ماجد کا انتقال ہوا تو کچھ دنوں کے بعد ان کی والدہ کو اپنے بھائی ملک الامراء سید ابراہیم مستوفی سے رنجش پیدا ہوگئی اور انھوں نے دل برداشتہ ہوکر دولت آباد کی سکونت چھوڑ دی اور بچوں کے ساتھ ۷۳۶ھ میں دہلی چلی آئیں۔ اس وقت حضرت گیسو درازؒ کی عمر پندرہ سال کی تھی۔

بیعت دہلی پہنچنے کے بعد حضرت گیسو درازؒ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے سلطان قطب الدین کی جامع مسجد میں گئے۔ وہاں حضرت چراغ دہلیؒ کو دور سے دیکھا تو ان کے چہرۂ مبارک کے جمال و انوار سے مسحور ہو گئے اور ۱۶ رجب ۷۳۶ھ کو اپنے بڑے بھائی سید چندن کے ساتھ حضرت چراغ دہلیؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔

تربیت بیعت کے بعد حضرت گیسو درازؒ کی خواہش ہوئی کہ مرشد کی جلد جلد قدم بوسی کریں لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے یہ آرزو پوری نہ ہوتی۔ پھر بھی مرشد ان سے بڑی شفقت سے پیش آتے۔ ایک مرتبہ مرشد نے ان سے فرمایا تم جب بھی میرے پاس آتے ہو تو بے وقت آتے ہو۔ میں اس وقت ملول رہا کرتا ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تم سے کچھ بات چیت کیا کروں۔ حضرت گیسو درازؒ اس شفقت کو اپنے لیے بڑی دولت تصور کرتے رہے۔[۱]

مرشد کی ہدایت کے مطابق عبادت و ریاضت میں تدریجی ترقی کی۔ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

> "ایک بار اشراق کے بعد پابوسی کے لیے حاضر ہوا۔ (حضرت خواجہ نے) فرمایا صبح کی نماز کے لیے جو وضو کرتے ہو۔ کیا وہ آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد تک باقی رہتا ہے"

---

[۱] جوامع الکلم، ملفوظات حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ مرتبہ سید حسن المعروف سید محمد اکبر حسینی، مطبوعہ انتظامی پریس عثمان گنج ص ۳۸۔

میں نے عرض کی جی ہاں۔ آپ کے صدقہ میں باقی رہتا ہے۔ فرمایا اچھا ہو جو اسی وضو سے دوگانہ اشراق بھی پڑھ لیا کرو۔ میں نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ آپ کے صدقہ میں پڑھوں گا۔ پھر فرمایا اسی کے ساتھ شکر النہار اور استخارہ بھی پڑھ لیا کرو۔ جب چند روز اس کی پابندی کر چکا تو ایک روز فرمایا دوگانۂ اشراق پڑھتے ہو۔ میں نے عرض کیا بلا ناغہ پڑھتا ہوں۔ ارشاد فرمایا اگر اس میں چاشت کی بھی چار رکعت ملا دیا کرو تو نماز چاشت بھی ہو جایا کرے گی۔ میں نہیں کہتا کہ اور کسی وقت پڑھو بلکہ بعد اشراق ہی وقت چاشت پڑھ لیا کرو تو چاشت بھی ہو جایا کرے گی۔

میں ہمیشہ رجب میں روزے رکھا کرتا تھا۔ ایک بار پوچھا کیا تم رجب میں روزے رکھا کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر پوچھا شعبان میں بھی۔ میں نے کہا شعبان میں تو روزے رکھتا ہوں۔ فرمایا اگر اکیس دن اور رکھ لیا کرو تو پورے تین مہینے کے روزے ہو جایا کریں گے۔ میں نے گزارش کی کہ آپ کے صدقہ میں رکھوں گا۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا۔ وہ اس وقت تک حضرتِ شیخ سے بیعت نہیں ہوئی تھیں۔ مجھ پر برہم ہوئیں، کچھ سخت و سُست بھی کہا۔ میں نے ان سے عرض کیا "آپ جو چاہیں کہیں لیکن شیخ نے جو کچھ فرمایا ہے اس پر عمل کرنے سے باز نہیں آؤں گا۔"

میں رمضان کے بعد شش عید کے چھ روزے بھی رکھا کرتا تھا۔ ان ہی ایام میں ایک دن قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ ارشاد فرمایا "ہمارے خواجگان صوم داؤدی نہیں رکھا کرتے بلکہ صوم دوام رکھتے تھے۔ تم بھی صوم دوام رکھا کرو۔"[1]

باطن کو آراستہ کرنے کے علاوہ علومِ ظاہری کی تعلیم کا بھی سلسلہ جاری رکھا۔ کچھ کتابیں مولانا سید شرف الدین کیتھلی، کچھ مولانا تاج الدین بہادر اور کچھ مولانا قاضی عبد المقتدر سے پڑھیں۔

---

[1] جوامع الکلم ص ۳۹-۳۸۔

ریاضت ذکر و فکر میں زیادہ لذت ملنے لگی تو گھر چھوڑ کر حظیرۂ شیر خاں جہاں پناہ کے ایک حجرہ میں آکر مراقبہ کرنے لگے اور یہاں دس برس تک ریاضت کی۔ یہیں سے مولانا قاضی عبدالمقتدر سے تعلیم حاصل کرنے جاتے اور وہاں سے مرشد کی پابوسی کے لیے پہنچتے۔ علوم باطن کے حاصل کرنے میں علوم ظاہر کی تحصیل سے دل برگشتہ رہنے لگا۔ اس لیے مرشد سے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو علم ظاہر کی تعلیم اب چھوڑ دوں اور علم باطن کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول رہوں، لیکن مرشد نے فرمایا، ہدایہ، بزودی، رسالہ شمسیہ، کشاف اور مصباح خوب غور سے پڑھ لو۔ تم سے ایک کام لینا ہے[1]۔ مرشد کے حکم کے مطابق تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور اُنیس ۱۹ سال کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور جب ان علوم سے فراغت ہوگئی تو ریاضتِ شاقہ کی طرف توجہ کی۔ پنجگانہ، دوگانہ، پانزدہ گانہ ادا فرماتے اور طی کے روزے رکھتے۔

حضرت چراغ دہلیؒ اپنے مرید کی ریاضت سے بہت متاثر ہوئے۔ ایک موقع پر فرمایا کہ ستر ۷۰ برس کے بعد ایک لڑکے نے پھر مجھ میں شوریدگی پیدا کر دی ہے اور پہلے زمانہ کے واقعات مجھے یاد دلا دیتے ہیں[2]۔ چنانچہ ان کی شفقت روز بروز بڑھتی گئی۔ ایک بار خود حظیرۂ شیر خاں تشریف لے گئے اور اپنے محبوب مرید کو کچھ روپے بھی نذرانے میں پیش کیے، جس کے بعد سے حضرت گیسو دراز کی بڑی شہرت ہوئی اور باکمال صوفیہ کہا کرتے تھے کہ اس شخص کو جوانی میں "مقام پیران واصل و مقتدایان کامل کا درجہ حاصل ہے"[3]۔

ریاضت کا ذوق اتنا بڑھ گیا کہ انسانی آبادی چھوڑ کر جنگلوں میں جا کر مجاہدہ کرنے لگے[4]۔

خدمتِ مرشد عزلت و خموں کی ریاضت کے بعد مرشد کی خدمت میں آکر ایک عرصہ تک رہے۔ اس زمانہ میں ان کے معمولات یہ تھے کہ علی الصباح اُٹھ کر مرشد کو وضو کراتے، پھر خود وضو کر کے نماز صبح باجماعت ادا کرتے اور جب تک مرشد اوراد و ظائف میں مشغول رہتے طالبانِ حق کو سلوک کی

---

[1] سیر محمدی ص ۱۶ "تم سے ایک کام لینا ہے" سے مراد تصنیف و تالیف کا کام ہے۔ [2] سیر محمدی ص ۱۶۔
[3] سیر محمدی ص ۱۶۔ [4] سیر محمدی ص ۱۷۔

تعلیم دیتے اور جب مرشد کی مجلس منعقد ہوتی تو اس میں شریک ہوتے اور جب برخاست ہوتی اور مرشد حجرہ میں عبادت میں مشغول ہوتے تو خود بھی ایک گوشہ میں بیٹھ کر یادِ حق میں مصروف رہتے، پھر چاشت کی نماز پڑھ کر تھوڑی دیر قیلولہ کرتے، اس کے بعد کلام پاک کی تلاوت فرماتے۔ ظہر کا وقت آتا تو پہلے خود وضو کرتے پھر مرشد کو وضو کراتے۔ ظہر کی نماز کے بعد مرشد حجرہ میں تشریف لے جاتے تو خود بھی اپنے حجرہ میں آکر اوراد و وظائف میں مشغول ہو جاتے، یہاں تک کہ سہ پہر کا وقت ہو جاتا۔ مرشد کی مجلس پھر منعقد ہوتی۔ اس مجلس میں وضو کر کے شرکت کرتے اور مرشد کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر مغرب تک تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے۔ مغرب کی نماز اور اوابین ادا کر کے عشاء تک طالبانِ سلوک کو تعلیم دیتے۔ پھر بقدر سدِ رمق کھانا تناول فرما کر سو جاتے اور نصف شب کو بیدار ہو کر پہلے خود وضو کرتے پھر مرشد کو وضو کراتے اور جب مرشد حجرہ میں داخل ہو کر حق کی یاد میں مشغول ہو جاتے تو خود بھی نمازِ تہجد ادا کر کے حجرہ کے باہر دروازہ سے پشت لگا کر ذکر و شغل میں مصروف ہو جاتے۔ اس وقت بھی پانی کا آفتابہ وغیرہ ساتھ رکھتے کہ جب مرشد صبح کی نماز کے لیے حجرہ سے باہر آئیں تو اس وقت وضو کے لیے سامان تیار ملے[۱]

شفقتِ مرشد پہلے ذکر آچکا ہے کہ ایک بار مرشد کی پالکی اور مریدوں کے ساتھ اٹھائی تو ان کے گیسو پالکی کے پایہ میں الجھ گئے۔ لیکن تکلیف کے باوجود مرشد کے عشق و محبت میں خاموش رہے اور غایتِ تعظیم میں بال پالکی کے پایہ سے نکالنا پسند نہ کیا۔ جب مرشد کو اس کی خبر ہوئی تو مرید کی اس محبت و عقیدت سے بہت خوش ہوئے اور ایک شعر پڑھا جس میں ان کو "گیسو دراز" کے خطاب سے مخاطب فرمایا تھا۔

مرشد کو بھی اپنے مرید سے ہمیشہ بڑی محبت رہی۔ چنانچہ جب وہ اپنی وفات سے ایک سال پہلے باسور بادی کے مرض میں مبتلا ہوئے تو غایتِ تکلیف میں حضرت گیسو دراز ہی سے اپنی صحت کے لیے دعا کرائی اور ان ہی کی دعاؤں کی برکت سے شفا پائی[۲]

حضرت گیسو دراز اپنی عمر کے سینتیسویں سال خلہ کے مرض میں مبتلا ہوئے اور خون تھوکنے لگے اور اسی کے ساتھ ہچکیاں بھی آتی تھیں۔ مرشد نے ان کے لیے دوا، طبیب اور تیمار دار بھیجے اور روزانہ ایک آدمی ان کی خیریت دریافت کرنے کے لیے روانہ فرماتے اور جب ان کو شفا ہوئی تو ان سے مل کر بے حد خوش ہوئے اور اپنا کمل عطا فرمایا۔ اس ملاقات کے بارہ میں سیر محمدی کے مؤلف رقمطراز ہیں:

"اپنا کمل اپنے سامنے سے اٹھا کر حضرت مخدوم رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا اور حضرت مخدوم کے ہاتھ مضبوط پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی کسی کے لیے محنت و مشقت کرتا ہے تو کسی چیز کے واسطے کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ سید محمد اس کام کو میری طرف سے قبول کرو یعنی لوگوں سے بیعت لیا کرو۔ حضرت مخدوم نے سر نیچا کر لیا اور خاموش رہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے قبول کر لیا؟ حضرت مخدوم نے عرض کیا۔ میں نے قبول کیا، پھر ارشاد فرمایا قبول کر لیا؟ حضرت مخدوم نے عرض کیا قبول کیا۔ اس کے بعد آپ نے دو وصیتیں ارشاد فرمائیں، ایک تو یہ کہ اپنے ظاہری اوراد ترک نہ کرنا، دوسرے یہ کہ میرے متعلقین کے ساتھ رعایت و مراعات کرنا۔"[۱]

سجادہ نشینی حضرت چراغ دہلیؒ کا وصال ہوا تو ان کی میت کو حضرت گیسو درازؒ ہی نے غسل دیا اور جس پلنگ پر غسل دیا تھا، اس کی ڈوریاں پلنگ سے جدا کر کے اپنی گردن میں ڈال لیں کہ یہ میرا خرقہ ہے۔[۲] حضرت چراغ دہلیؒ کے سوانح حیات کے سلسلہ میں ذکر آچکا ہے کہ انھوں نے کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنا پسند نہیں فرمایا۔ لیکن سیر محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ انھوں نے رحلت کے وقت حضرت سید گیسو درازؒ کو اپنی جانشینی کے لیے منتخب کیا۔[۳] چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہو کر سجادۂ ولایت پر جلوہ افروز ہوئے۔ سیر محمدی میں ہے:

"بعد زیارت سیوم بندگی شیخ رضی اللہ عنہ (یعنی حضرت چراغ دہلیؒ) سجادۂ ولایت پر جلوہ افروز

---

[۱] سیر محمدی ص ۲۲۔ [۲] سیر العارفین ص ۹۰۔ [۳] تفصیل کے لیے دیکھو سیر محمدی ص ۲۵-۲۴۔

ہوئے اور اپنا ہاتھ بیعت کے لیے بڑھا دیا۔ طالبانِ حق کو تلقین و ارشاد فرمانے لگے، جیسے
کہ حضرت بندگی شیخ نصیر الدین محمود رضی اللہ عنہ تلقین و ارشاد فرمایا کرتے تھے۔
زمانۂ شیخوخت میں بہت سے علماء، صلحاء، سلاطین، خواتین اور قسم قسم کی مخلوق آپ کی خدمت
میں حاضر ہوا کرتی تھی۔" [1]

علماء اور حضرت گیسو درازؒ دہلی کے علماء میں جب مولانا حسین گیسو درازؒ کے حلقۂ بیعت میں داخل
ہوئے تو مولانا حسین کی بہن کے ایک داماد نے حضرت گیسو درازؒ سے اپنی بد عقیدگی کا اظہار کیا اور
مولانا حسین سے کہا کہ آپ سید محمد کے کیا دیکھ کر مرید ہوئے۔ انھوں نے جواب دیا تم نے سید محمد
کو دیکھا ہی نہیں۔ اگر دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ وہ کیا چیز ہیں۔ دوسرے دن مولانا حسین بہن کے داماد کے
ساتھ حضرت گیسو درازؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ ایک تخت پر تشریف فرما تھے۔ سر پر عمامہ
تھا اور ہاتھ میں سرخ چمڑے کا پنکھا لیے ہوئے تھے۔ مولانا حسین کے داماد کے دل میں یہ
خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ صاحب نعمت ہوں گے تو پنکھا اور عمامہ مجھ کو عنایت فرمائیں گے۔
حضرت گیسو درازؒ کو کشف ہو گیا کہ مولانا حسین کے داماد کے دل میں کیا خیال پیدا ہو رہا ہے۔ اسی
وقت ان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ مولانا سنو! بغداد میں ایک بازیگر تھا۔ وہ مجمع میں ایک
گدھے کو لا کر کھڑا کر دیتا اور اس کی دونوں آنکھیں کپڑے سے باندھ دیتا اور مجمع سے مخاطب ہو کر
کہتا کہ تم میں سے کوئی کسی کی کوئی چیز چرا لے تو میں اس کو پکڑ لوں گا۔ اس تماشہ میں، ایک شخص کسی
کی کوئی چیز چرا لیتا اور وہ بازیگر گدھے کی آنکھ کھول کر اس سے کہتا کہ فلاں کی چیز کوئی چرا لے
گیا ہے، تو اس کو پکڑ لا۔ گدھا سب کو سونگھتا پھرتا اور جب چور کے پاس پہنچتا تو چور کے کپڑے
دانتوں سے پکڑ لیتا اور اس کو کھینچ کر بازی گر کے پاس لے آتا۔ اس قصہ کو بیان کر کے حضرت
سید گیسو درازؒ نے فرمایا بڑی مشکل ہے۔ اگر کوئی اظہارِ کرامت کرے تو اس گدھے کے مانند
ہے اور اگر اظہارِ کرامت نہ کرے تو لوگ اسے بے نعمت کہیں۔ یہ کہہ کر مولانا حسین کے داماد

---

[1] سیر محمدی ص ۲۶-۲۵

کو پنکھا اور عمامہ دیا اور فرمایا لیجئے اور لے جائیے۔ مولانا حسین کے داماد متحیر ہوئے اور اسی وقت بیعت میں داخل ہوکر ذکرِ حق میں مشغول رہنے لگے[1]۔

دہلی کے مولانا نصیر الدین قائم اپنے علم اور تقویٰ میں بہت مشہور تھے۔ ان کے استاد مولانا معین الدین کو ان پر فخر تھا۔ حضرت سید گیسو دراز کے بچے ان سے درسی کتابیں پڑھتے تھے۔ کبھی وہ مولانا نصیر الدین قائم ہی کے گھر پر چلے جاتے اور کبھی مولانا خود ہی خانقاہ میں آکر ان کو پڑھاتے۔ مولانا کو اپنی ابتدائی زندگی میں کسی سے اعتقاد نہ تھا۔ لیکن آخر میں حضرت گیسو دراز سے بیعت کرلی۔ مولانا معین الدین عمرانی کو بیعت کی خبر ہوئی تو مولانا نصیر الدین قائم کو بلاکر کہا تم تو خود عالم تھے پھر سید محمدؒ کے مرید کیوں ہوگئے؟ مولانا نصیر الدین نے عرض کیا کہ پہلے عالم تھا۔ اب حضرت مخدومؒ کے سامنے مسلمان ہوا ہوں[2]۔

ملک زادے بھی مذہبی اور روحانی استفادہ کے لیے برابر خدمت میں حاضر ہوتے رہتے۔ ایک بار ایک ملک زادہ آیا تو حضرت گیسو دراز کے ہاتھوں میں ان ہی کا لکھا ہوا ایک رسالہ تھا۔ ملک زادہ نے اس کو مانگ کر دیکھا تو اس میں ایک جگہ لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے ساتھ معیتِ ذاتی ہے۔ ملک زادہ کو یہ بات کھٹکی۔ وہ دہلی کے مولانا قاضی عبدالمقتدر کے پاس گیا اور ان سے عرض کیا کہ حضرت گیسو درازؒ نے لکھا ہے کہ مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت ذاتی ہے، حالانکہ کتابوں میں ہے کہ مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت علمی ہے۔ مولانا قاضی عبدالمقتدر ملک زادہ کو کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے تو اس نے یہ بات سلطان فیروز شاہ تغلق کے کان تک پہنچائی۔ سلطان فیروز شاہ نے ملک عماد الملک کو بلایا اور اس سے دریافت کرنے کو کہا کہ سید محمدؒ جادۂ شریعت سے ہٹ تو نہیں گئے۔ عماد الملک نے عرض کیا کہ میں حضرت مخدومؒ کو جانتا ہوں۔ میرے دو بچے میاں جیون اور میاں شاہین ان سے مرید بھی ہیں۔ پھر بھی حکم ہو تو تحقیق کروں۔ سلطان نے کہا کہ علماء کو جمع کرو اور مذکورۂ بالا مسئلہ کی تحقیق کراؤ۔

---

[1] سیر محمدی ص ۶۱-۶۰۔ [2] سیر محمدی ص ۶۲-۶۱۔

جمعہ کے روز عماد الملک پرانی دہلی کی اس مسجد میں علماء کے ساتھ گیا، جہاں حضرت گیسو دراز ؒ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے تشریف لاتے تھے۔ لیکن عماد الملک علماء کے ساتھ مسجد میں اس وقت پہنچا جب حضرت گیسو دراز نماز پڑھ کر واپس جا چکے تھے۔ عماد الملک نے دہلی کے مشہور عالم مولانا سید علاء الدین کو حضرت گیسو دراز ؒ کی خانقاہ میں بھیجا کہ مسئلہ مذکور کے متعلق ردّ و قدح کرلیں۔ چنانچہ مولانا علاء الدین خانقاہ آئے اور حضرت گیسو دراز ؒ سے بحث شروع کی کہ بعض اشخاص کہتے ہیں کہ آپ نے معیّت سے معیّتِ ذاتی مراد لی ہے۔ حضرت گیسو دراز ؒ نے فرمایا ہاں یہی مراد ہے۔ علماء نے معیّتِ صفتی کہا ہے۔ صفت ذات سے علیحدہ نہیں ہے اور نہ جدا ہو سکتی ہے تو اللہ کی جو معیّت از روئے صفت ہوئی وہ از روئے ذات بھی ہوئی۔ اس کے علاوہ یہ معیّت صفتی اعتباری ہے حقیقی نہیں۔ پس اعتبار ذات میں ہو یا صفات میں، اس میں کیا ہرج ہے۔ مولانا علاء الدین کو اس جواب سے تشفی ہو گئی اور ان کے ساتھی بھی اس دلیل کو ردّ نہ کر سکے[1]

فیروز تغلق اور حضرت گیسو دراز ؒ کی مجلس سماع | سیر محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ بعض لوگوں نے سلطان فیروز شاہ تغلق کو یہ بھی خبر پہنچائی کہ حضرت گیسو دراز ؒ کی مجلس سماع میں مریدین اپنا سر زمین پر رکھا کرتے ہیں اور بڑا شور مچاتے ہیں۔ سلطان نے یہ سن کر حضرت گیسو دراز ؒ کو یہ کہلا بھیجا کہ اپنی مجلس سماعت خلوت میں کیا کریں۔ اس کے بعد سے حضرت گیسو دراز ؒ اپنے حجرہ میں یہ مجلس منعقد کرانے لگے۔ بیچ میں ایک پردہ ڈال دیتے۔ پردہ کی دوسری طرف مریدین صف باندھ کر بیٹھتے اور جب حضرت گیسو دراز ؒ پر وجد طاری ہوتا تو خادم حجرے کا دروازہ بند کر دیتا۔[2]

سفرِ دکن | دہلی میں تقریباً چوالیس سال کے قیام کے بعد تیمور کے حملے کے زمانے یعنی ۸۰۱ھ میں گلبرگہ منتقل ہو گئے۔ دہلی سے گلبرگہ آتے ہوئے راستہ میں بہادر پور، گوالیار، بھاندیر، ایرچھ، چندیری، کھنبایت، بڑودہ، سلطان پور، دولت آباد اور اَلَند میں قیام فرمایا۔ دوران سفر میں ہر جگہ لوگ جوق در جوق استقبال کے لیے آتے۔ بھاندیر، کھنبایت اور دولت آباد کے

---

[1] سیر محمدی ص ۶۲ - ۶۲ - [2] سیر محمدی ص ۶۲ - ۶۱ -

کے ضابطوں یعنی حاکموں نے بھی پیشوائی کی۔ جہاں ٹھہرتے وہاں خواص و عوام دونوں حلقۂ بیعت میں داخل ہوتے اور آپ حسب مراتب ان کو تلقین فرماتے۔ چندیری پہنچے تو وہاں کے مفتی کے صاحبزادے قاضی خواجگی نے بھی جو بڑے ذی علم بزرگ تھے، بیعت کی۔ بیعت کے بعد ذکر کی تلقین کی خواہش ظاہر کی تو حضرت گیسو درازؒ نے فرمایا: ذکر کی تلقین میں میری ایک خاص روش ہے اور وہ یہ کہ طالب ذکر اپنے سر پر جنگل سے لکڑی لائے تو اس وقت میں ذکر کی تلقین کرتا ہوں۔ تم خود شیخ ہو، شیخ زادہ ہو، یہاں کے صدر ہو، جنگل سے لکڑی نہ لاسکو گے۔ جس شغل میں ہو اسی میں مشغول رہو۔[۱]

حضرت سید گیسو درازؒ اور فیروز شاہ بہمنی جب گلبرگہ کے قریب پہنچے تو سلطان فیروز اپنے خاندان، امراء اور دربار کے علماء و سادات اور شاہی لشکر کے ساتھ استقبال کے لیے آیا اور ادب واحترام کے ساتھ گلبرگہ لایا۔ تاریخ فرشتہ میں ہے:

"فیروز آباد میں سلطان (فیروز شاہ بہمنی) کو یہ خبر پہنچی کہ دہلی سے ایک سید عالی مقام عرش احترام میر سید محمد گیسو درازؒ دکن تشریف لائے ہیں اور حسن آباد گلبرگہ کے قریب پہنچ چکے ہیں۔

چراغش ز شمع نبی تافتہ   کہ خورشید و مہ نور از و یافتہ

سلطان فیروز شاہ ہمیشہ ایسے بزرگوں کا خواہاں رہتا تھا۔ اس خبر سے خوش ہوا اور فیروز آباد سے حسن آباد گلبرگہ آیا۔ اپنے امراء، ارکان دولت اور لڑکوں کو استقبال کے لیے بھیجا اور بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ شہر میں تشریف لائے۔ فیروز شاہ حکیمانہ مذاق رکھتا تھا، اس لیے جب سید محمد گیسو درازؒ کو علم ظاہری خصوصاً معقولات سے خالی پایا تو آپ کی طرف توجہ نہیں کی۔"[۲]

فرشتہ کا یہ بیان بالکل صحیح نہیں کہ حضرت گیسو درازؒ علوم ظاہری سے خالی تھے۔ کیونکہ ہم گزشتہ اوراق میں لکھ چکے ہیں کہ انھوں نے علم ظاہری میں بھی کمال حاصل کیا تھا۔ برہان مآثر میں

---

[۱] سیر محمدی ص ۶۹۔ [۲] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۳۱۶۔

جو سلاطین بہمنی کے متعلق مستند اور اہم معلومات فراہم کرتی ہے، ایسے صاف اور واضح بیانات ہیں جن سے فرشتہ کے بیان کی مطلق تصدیق نہیں ہوتی۔ ملاحظہ ہو:

"اسی سال حضرت سید محمد گیسو دراز مریدوں اور باکمال درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ دہلی سے دکن تشریف لائے اور گلبرگہ کو بھی اپنے قدم مبارک سے سرفراز کیا۔ سلطان (فیروز شاہ) کو بھی اس کی خبر پہنچی۔ اس کو سادات عظام اور مشایخ عالی مقام کی محبت سے بڑی رغبت تھی اور اہم معاملات میں اس گروہ کی رائے سے استفادہ کیا کرتا تھا۔ اسی اخلاص کی بنا پر وہ حضرت سید گیسو دراز کی تشریف آوری سے بہت خوش ہوا، اور فضلا کی ایک جماعت کو ان کی خدمت میں بھیجا تاکہ ان کے حالات معلوم کر کے ان کی حقیقت سے اس کو مطلع کریں۔ وہ جماعت سلطان کی ہدایت کے مطابق ان کی خدمت میں گئی اور ان کو تمام علوم ظاہری و باطنی کشف و کرامات اور مقامات میں مرتبۂ کمال پر پایا اور جو کچھ دیکھا سلطان کی خدمت میں آکر عرض کیا۔ اس کی وجہ سے سلطان کی عقیدت میں اور بھی اضافہ ہوا اور اس کو ان کی صحبت کی بہت زیادہ خواہش پیدا ہوئی اور تعظیم و تکریم میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی۔ چند آبادگاؤں ان کے آستانے کے خدام کے لیے عنایت کیے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلی ہی ملاقات میں سلطان کو حضرت سید محمد گیسو دراز سے ایسے تعلقات پیدا ہوگئے کہ روز بروز بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ سلطان گردش زمانہ سے تخت سے معزول ہوگیا اور ان کی عدم توجہ سے جو کچھ اس کو دیکھنا پڑا، اس کا ذکر آگے آئے گا۔" (ملخصاً)[1]

برہان مآثر کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت سید گیسو دراز کو فیروز شاہ بہمنی سے "کلفت" ہوئی اور ان کی نظر توجہ اس کی طرف سے ہٹ گئی۔ چنانچہ جب وہ حصار پانگل کی تسخیر کے لیے گیا تو اس کو شکست ہوئی۔ عام لوگوں کا خیال تھا کہ سلطان کو یہ شکست محض اس لیے

---

[1] برہان مآثر مؤلفہ سید علی طباطبا، شائع کردہ مجلس مخطوطات فارسیہ حیدرآباد دکن ص ۴۴ - ۴۳۔

ہوئی کہ حضرت سید گیسو دراز کی توجہ اس کی طرف نہیں رہی تھی۔ خود سلطان فیروز شاہ بہمنی کا بھی یہی خیال تھا، برہان مآثر میں ہے:

"مردم ایں شکست را از اثر کلفت سلطان الاولیاء والمحققین، زبدۂ آل طٰہٰ و یٰسین شہباز بلند پرواز سید محمد گیسو دراز دانستند و بسبب ایں شکست ضعف قوائے سلطان مضاعف گشتہ۔ بارہا بزبان الہام بیان می گزرانید کہ موجب شکست لشکر تغیر خاطر آں فخر الاولادِ سید البشر بود۔"[1]

سیر محمدی میں حضرت سید گیسو دراز اور فیروز شاہ بہمنی کے تعلقات کے سلسلہ میں صرف اتنا ذکر ہے کہ جب حضرت گیسو دراز گلبرگہ کی طرف روانہ ہوئے تو سلطان فیروز شاہ نے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر آکر استقبال کیا۔ گلبرگہ پہنچ کر حضرت گیسو دراز نے اس کی درازیٔ عمر کے لیے دعا کی۔ حضرت سید گیسو دراز کے وصال اور اس کی موت میں صرف چند دن کا فرق تھا۔[2]

احمد شاہ بہمنی اور حضرت سید گیسو دراز

سلطان فیروز شاہ بہمنی کا جانشین سلطان احمد شاہ حضرت سید گیسو دراز کا برابر معتقد رہا۔ اپنی تخت نشینی سے پہلے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ان کے لیے ایک خانقاہ بھی بنوائی تھی اور خانقاہ کے درویشوں پر طرح طرح کی نوازشیں کیا کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت گیسو دراز کی دعاؤں کی بدولت وہ تخت و تاج کا مالک ہوا تھا اس لیے تخت پر بیٹھنے کے بعد حضرت سید گیسو دراز کا ادنیٰ غلام بن گیا۔ تاریخ فرشتہ میں ہے:

"سلطان احمد شاہ بہمنی سادات علماء اور مشایخ کی تعظیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا تھا۔ اس کے حق میں حضرت سید گیسو دراز کی جو کرامت ظاہر ہوئی اس کی بنا پر وہ ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ عوام اپنے بادشاہ کے دین کی تقلید کرتے ہیں۔ دکن کے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور تمام لوگ ان کے آستانے کا طواف کیا کرتے تھے سلطان نے اپنے اسلاف کی روش کے خلاف شیخ محمد سراج کے خاندان سے ترکِ ارادت

---

[1] برہان مآثر ص ۴۷۔ [2] سیر محمدی ص ۳۵ - ۳۴۔

گیا اور حضرت سید محمد گیسو درازؒ کا مرید ہوا۔ حسن آباد گلبرگہ کی سرکار میں ان کے لیے چند گاؤں اور قصبے وقف کئے اور ان کے قیام کے لیے ایک عالی شان عمارت شہر کے متصل بنوائی۔ اس وقت بھی جب کہ حسن آباد گلبرگہ کی حکومت خاندانِ بہمینہ سے عادل شاہی خاندان میں منتقل ہوگئی ہے، احمد شاہ کے وقف کردہ قصبات حضرت سید گیسو درازؒ کی اولاد کے تصرف میں ہیں[1]۔

گو حضرت سید گیسو درازؒ کا وصال سلطان احمد شاہ بہمنی کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال میں ہوگیا لیکن تخت نشین ہونے سے پہلے تقریباً اکیس[۲۱] بائیس[۲۲] برس تک وہ ان کی صحبت میں رہ چکا تھا۔

حضرت سید گیسو درازؒ کو شریعت کی پابندی کا بڑا خیال تھا۔ سیر محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ اگر کبھی بمقتضائے بشریت آپ کے دل میں کسی نامشروع کام کے کرنے کا خطرہ پیدا ہوتا تو غیبی طاقت مانع ہوجاتی[2]۔ احمد شاہ بہمنی کو بھی حضرت سید گیسو درازؒ کی صحبت میں شریعت کی پابندی کا خیال پیدا ہوگیا تھا۔ چنانچہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں شریعت کی ترویج پر بڑا زور دیا۔ برہان مآثر میں ہے:

"ہمگی ہمتِ والا نہمت بر ترویج شرع سید المرسلین و اعلاء اعلام اسلام گماشتہ در لوازم احکام شرعیہ و امر و نواہی دین مبین مصطفویہ مبالغہ و احتیاط بے نہایت فرمودی و بمراسم امر معروف و نہی منکر بنوعی قیام و اقدام نمودی کہ در تمام ممالکِ دکن احدی ارتکاب منہیات بل تخیل آں نتوانستی نمود"۔[3]

مقبولیت دکن کے خواص و عوام دونوں حضرت سید گیسو درازؒ کے فیوض و برکات کے سرچشمہ سے سیراب ہوتے رہے اور ان کو اس دیار میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ تاریخ فرشتہ میں ہے:

"دکن کے باشندے حضرت سید گیسو درازؒ کے بہت زیادہ معتقد تھے۔ اس حد تک کہ

---

[1] تاریخ فرشتہ ج اص ۲۰-۳۱۹۔ [2] سیر محمدی ص ۳۸-۳۷۔ [3] برہان مآثر ص ۷۳۔

ایک شخص نے ایک دکنی سے پوچھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں یا سید محمد گیسو دراز۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت محمد رسول اللہؐ اگرچہ پیغمبر خدا ہیں، لیکن مخدوم سید محمد گیسو دراز چیزے دیگر ہیں۔ اس سے حضرت سید کی ذات سے اہلِ دکن کے حسنِ عقیدت اور اخلاص کا قیاس کیا جاتا ہے[1]۔"

اگرچہ نقلِ کفر کفر نہ باشد، لیکن یہ اقتباس اس لیے دیا گیا ہے کہ اس سے حضرت سید گیسو درازؒ کی غیر معمولی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا عبدالحق اخبار الاخیار میں حضرت سید گیسو درازؒ کے ذکر کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

"......... بدیارِ دکن رفت و قبولِ عظیم یافت۔ اہل ایں دیار ہمہ منقاد و مطیع او گشتند[2]۔"

خزینۃ الاصفیاء میں ہے:

"......... در دیارِ دکن تشریف برد و قبولِ عظیم یافت و اہلِ آں دیار از خورد و کبار ہمہ مطیع و منقادِ وے گشتند، و ہزار در ہزار طلبائے صداقت شعار بتوجہ موجہ آں سیدنا مدار بقربِ حق رسیدند و سلسلۂ عالیہ وے در مقامِ دکن رائج و شائع شد[3]۔"

مرآۃ الاسرار کے مؤلف لکھتے ہیں:

"......... بدیارِ دکن تشریف برد، و در شہرِ گلبرگہ سکونت اختیار نمود، و آنجا قبولیتے عظیم یافت۔ جمیع اہلِ آں دیار از خاص و عام مطیع و منقاد او گشتند چنانکہ تا امروز سلاطین آنجا دختران خود بفرزندان میر سید محمدؒ می دہند۔"

طریقۂ بیعت | حضرت گیسو درازؒ کے پاس جب کوئی مرید ہونے کے لیے آتا تو اس کے ہاتھ پر اپنا دستِ مبارک رکھ دیتے اور فرماتے تم نے اس ضعیف، اس ضعیف کے خواجہ اور اس ضعیف کے خواجہ کے خواجہ اور اسی سلسلہ کے دوسرے مشائخ کے ساتھ عہد کیا کہ اپنی نگاہ اور

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۳۲۔ [2] اخبار الاخیار ص ۱۳۳۔ [3] خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۸۱۔

اپنی زبان کی حفاظت کرو گے اور جادۂ شریعت پر قائم رہو گے ۔ کیا تم نے یہ قبول کیا؟ مرید عرض کرتا جی ہاں میں نے قبول کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرماتے "الحمد للہ" پھر دستِ مبارک میں قینچی لیتے اور تکبیر کہتے ہوئے داہنی طرف سے کان کے قریب تھوڑے سے بال کاٹ لیتے۔ اسی طرح بائیں طرف کے چند بال کاٹتے پھر تکبیر کہتے ہوئے اس کو ایک ٹوپی پہناتے۔ اس کے بعد مرید کو دو رکعت نماز پڑھنے کے لیے کہتے اور جب نماز پڑھنے کے لیے جاتا تو فرماتے اگر اس شخص نے صدقِ دل سے توبہ کی ہوگی تو اس کا نام توبہ کرنے والوں کی فہرست میں لکھا جائے گا اور قیامت کے روز توبہ کرنے والوں کے ساتھ اس کو جزا ملے گی۔ اور جب مرید دو رکعت نماز پڑھ کر آتا تو اس کو پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرنے کی تاکید فرماتے۔ جمعہ کو غسل اور جمعہ کی نماز کی پابندی کی بڑی سختی سے تلقین کرتے۔ پھر مختلف اوقات کے لیے نمازیں اور اوراد وظائف بتاتے۔ ہر مہینہ ایام بیض کے روزے رکھنے کے لیے بھی ہدایت کرتے۔ ان ہدایتوں کے دینے کے بعد فرماتے کہ جس طرح ایک سپاہی کے لیے کمان، تیغ و سپر وغیرہ ضروری ہے، اسی طرح ایک صوفی کے لیے ان باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے، ورنہ پھر اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے۔[1]

اگر کسی عورت کو مرید کرتے تو ایک بڑے پیالہ میں پانی لایا جاتا۔ اپنی شہادت کی انگلی پیالہ میں ڈالتے۔ عورت بھی انگشتِ شہادت پانی میں ڈالتی۔ اس کے بعد بیعت کرتے۔ وہ عورت پانی کے پیالے کو پی جاتی۔ پھر رومال یا دامن اس کے سر پر رکھ دیتے۔ اگر عورت پردہ والی ہوتی تو اس کے سامنے ایک چادر ڈال دی جاتی۔ پانی کا پیالہ درمیان میں رکھتے یا اس کے کسی محرم کو وکیل بناتے وہ بیعت کرا دیتا۔

لڑکے اور مریض کو مرید نہ کرتے۔

استفتاح اور عرفہ کے دن تمام مرید حاضر ہوتے۔ ان سے تجدید بیعت کرتے اور پہلی بیعت سے زیادہ عبادت و ریاضت کرنے کے لیے حکم دیتے اور زندگی بسر کرنے کے طریقے بتاتے۔[2]

---

[1] جوامع الکلم ص ۳۷ - ۳۶ - [2] سیر محمدی ص ۴۰ - ۷۰ -

معمولات | گلبرگہ شریف کے قیام کے زمانے میں حضرت سید گیسو دراز کے معمولات حسب ذیل تھے:
پانچوں وقت کی نماز باجماعت کے ساتھ ادا فرماتے۔ کسی وقت تنہا یا ایک آدمی کے ساتھ نماز ادا نہیں فرمائی۔ آخر عمر میں جب کھڑے ہونے کی قوت باقی نہیں رہ گئی تھی تو فرض، سنت اور نفل بیٹھے بیٹھے ادا فرماتے۔ ہر روز ان اوراد کو پڑھتے جو حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی پڑھا کرتے۔ مریدوں کو بھی ان کی مداومت کرنے کو ارشاد فرماتے۔ فجر کی نماز کے بعد تینتیس ۳۳ آیتیں اور چہل اسم پڑھا کرتے۔ آخر عمر میں ان کو اپنے ایک صاحبزادے سے بآواز بلند پڑھوا کر سنتے۔ اشراق کی نماز کے بعد اپنے صاحبزادوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ جوانی میں ہمیشہ روزے رکھتے تھے لیکن آخر عمر میں صرف ایام بیض کے روزوں پر اکتفا کر لیا تھا۔ چاشت کی نماز کے بعد درس دیا کرتے۔ درس زیادہ تر تفسیر، حدیث اور سلوک کا ہوتا۔ کبھی کبھی علم کلام اور علم فقہ بھی پڑھاتے۔ درس میں علماء اور شاہی حکام کے لڑکے بھی شریک ہوتے۔ دوپہر کو قیلولہ کرتے اور فرماتے جو صوفی قیلولہ نہیں کرتا ہے وہ رات کو اٹھنے کی نیت نہیں رکھتا ہے، ساری رات چاہتا ہے کہ پڑا سویا رہے۔ اگر کوئی کتاب یا رسالہ تصنیف فرماتے تو زوال کے بعد کسی سے لکھواتے۔ ظہر کی نماز کے بعد تلاوتِ کلام پاک کرتے۔ تلاوت کے ساتھ مراقبہ بھی کرتے جاتے۔ آخر عمر میں جب خود تلاوت نہیں کر سکتے تھے تو مولانا بہاء الدین امام سے پڑھوا کر سنتے۔ تلاوت کے بعد پھر درس ہوتا۔ عصر کی نماز کے بعد بلا ناغہ دعائے استفتاح پڑھتے۔ نمازِ مغرب کے بعد اوابین کی نماز ادا فرماتے۔ مغرب اور عشاء کے درمیان سالکوں کو خاص خاص تعلیم دیتے۔ پھر عشاء کی نماز پڑھ کر مریدوں اور صوفیوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے۔ داہنے طرف رشتہ دار اور بائیں طرف دوسرے لوگ بیٹھتے اور شرکائے دسترخوان کے سامنے روٹیاں اور سالن ہوتا۔ لیکن خود آش کے ایک پیالہ پر اکتفا فرماتے۔ اس میں سے تھوڑا نوش فرما کر جس پر کچھ نظرِ عنایت ہوتی اس کو مرحمت کر دیتے۔ کھانے کے بعد مریدوں سے تھوڑی دیر گفتگو کرتے۔ اس کے بعد آرام کرتے۔ پھر تہجد کے لیے اٹھتے۔ تہجد کے بعد ذکر و مراقبہ کرتے اور فرماتے

کہ ذکر و مراقبہ سے بہت سی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ بعض لوگ برسوں روزہ، نماز اور تلاوت میں گزار دیتے ہیں، لیکن پھر بھی ان کو کوئی راہ نہیں ملتی اور یہ اس لیے کہ وہ ذکر اور مراقبہ نہیں کرتے۔ تہجد ہی کے وقت اپنے مرشد کے خاص خاص اوراد و وظائف کی بھی مداومت کرتے تھے۔

جمعہ کے دن غسل فرماتے اور بلاناغہ جمعہ کی نماز کے لیے جامع مسجد تشریف لے جاتے۔ مسجد میں پہنچ کر تین سلام کے ساتھ چھ رکعتیں نماز ادا کرتے اور پھر بیٹھ کر مراقبہ فرماتے۔ ہمیشہ نہالچہ پر بیٹھا کرتے تھے۔ کسی کے لیے تعظیماً کھڑے نہ ہوتے لیکن بادشاہ یعنی سلطان فیروز بہمنی آتا تو کھڑے ہو جاتے اور اس کو مخاطب کر کے فرماتے تم اولی الامر ہو، اس لیے تمھارے واسطے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ جب بادشاہ آنا چاہتا تو ایک دن پہلے کہلا دیا کرتا۔ جواب جاتا کہ فلاں دن آؤ۔ اس کے آنے سے پہلے زیادہ کھانا پکانے کا حکم دیتے اور جب دسترخوان بچھا دیا جاتا، دسترخوان پر اور لوگ بھی شریک ہوتے۔ بادشاہ کھانا کھاتا اور کچھ تبرک بھی ساتھ لے جاتا۔ اس موقع پر دسترخوان پر ہر شخص کے سامنے چار روٹیاں رکھی جاتی تھیں۔ ایک گہری رکابی میں سالن ہوتا۔ دو دو آدمی ساتھ کھاتے۔ ہر شخص کے سامنے آش کا بھی ایک ایک پیالہ ہوتا۔ کھانے کے درمیان پانی نہیں دیا جاتا۔ جب لوگ کھا کر فارغ ہو جاتے تو ہر شخص اپنا بچا ہوا حصہ اور آش کا پیالہ اٹھا کر ساتھ لے جاتا۔[1]

سماع خواجگان چشت کی طرح سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے۔ فرماتے:

"فتح کارِ من بیشتر در تلاوت و سماع بود۔"

راہِ سلوک کے ابتدائی زمانے میں ایک بار اپنے خاص خاص یارانِ طریقت کے ساتھ ایک ایسی مجلس کرائی جس میں ہر قسم کے مزامیر تھے۔ تین دن تک یہ مجلس جاری رہی، گو مکان کا دروازہ بند رہتا تھا لیکن اس کے ارد گرد لوگ جمع رہتے تھے۔ مجلس کے بعد اپنے مرشد حضرت چراغ دہلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا سید محمد اس طرح کا سماع نہ سنا کرو۔ حضرت سید گیسو درازؒ کا بیان ہے کہ

---

[1] سیر محمدی ص ۶۳-۶۴۔

"من ازآں وقت باز مزامیر نشنیدم"

"مجلس سماع میں عود بہت جلایا جاتا تھا۔ اگر رات ہوتی تو بکثرت روشنی کی جاتی۔ دورانِ سماع میں وجد کی حالت میں کوئی گر پڑتا تو مجلس روک دی جاتی۔ اکثر فارسی کی غزلیں گائی جاتیں۔ فرماتے ہندی کی چیزیں نرم، لوچ دار اور دل کو رقیق کرنے والی ضرور ہوتی ہیں اور اس کا رنگ بھی نرم ہوتا ہے اور عاجزی و انکساری کی طرف مائل کرتا ہے۔ عام طور سے صوفیہ ہندی رنگ ہی پسند کرتے ہیں۔ لیکن سرود کے ہنر اور موسیقار کے جذبات کا اظہار فارسی ہی میں بہتر طریقہ پر ہوتا ہے، اس میں کچھ اور ہی ذوق اور لذت ملتی ہے۔[1]

سماع کے وقت مریدوں کو غیر معمولی کیفیت کے اظہار سے منع فرماتے لیکن خود بعض اوقات بے حد مضطرب اور بے چین ہو جاتے اور غایتِ اضطراب میں رقص کرنے لگتے۔[2]

ازدواجی زندگی چالیس سال کی عمر میں سید احمد بن مولانا جمال الدین مغربیؒ کی صاحبزادی بی بی رضا خاتون حبالۂ عقد میں آئیں۔ ان کے بطن سے دو صاحبزادے حضرت سید حسین عرف سید محمد اکبر حسینی اور حضرت سید یوسف عرف سید محمد اصغر حسینی اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ دونوں صاحبزادے جید عالم تھے۔ معقولات و منقولات کی تعلیم دہلی کے اساتذہ قاضی عبد المقتدر، مولانا خواجگی نحوی، مولانا محمد لغرا اور مولانا نصیر الدین قاسم سے پائی۔ سید حضرت گیسو درازؒ اپنے بڑے صاحبزادے کے ظاہری و روحانی کمالات سے متاثر تھے۔ چنانچہ فرماتے کہ اگر محمد اکبر میرا لڑکا نہ ہوتا تو میں اس کے لیے لوٹے میں پانی بھر کر لاتا۔

حضرت سید محمد اکبر نے بہت سی کتابیں عربی اور فارسی زبان میں لکھیں مثلاً (۱) معارف: علم نحو پر عربی زبان میں ایک رسالہ ہے۔ (۲) شرح ملتقط: اس میں اپنے والد بزرگوار کی تفسیر کلام پاک کی شرح لکھی ہے۔ (۳) عقیدہ (بزبان فارسی) (۴) اباحت سماع۔ (۵) رسالہ اباحت پوشیدن کفش در مسجد فارسی۔ (۶) مقامات صوفیان (عربی)۔ (۷) تصریف مالکی۔

---

[1] سیر محمدی ص ۷۱ - ۷۰۔ [2] جوامع الکلم ص ۱۰۹۔

(۸) شرح سوانح۔ (۹) رسالہ مسئلہ فارسی زبان۔ (۱۰) رسالہ علم صرف۔ اپنے والد بزرگوار کے ملفوظات کے دو مجموعے بھی مرتب کیے جن میں جوامع الکلم زیادہ مقبول و مشہور ہوا۔ ۸۱۱ھ میں والد بزرگوار سے خلافت پائی لیکن سات مہینے کے بعد ہی رحلت فرما گئے۔ حضرت سید گیسو دراز نے محبوب فرزند کی میت کو اپنے ہاتھوں سے غسل دیا۔ ان کا مزار ایک علیحدہ گنبد میں گلبرگہ شریف میں ہے۔

حضرت سید گیسو دراز نے اپنے دوسرے صاحبزادے سید یوسف کو بھی خلافت دی تھی اور وہ اپنے والد کے جانشین ہو کر سجادۂ ارشاد پر متمکن ہوئے اور بعد وفات اپنے والد بزرگوار کے مزار شریف کے پائیں میں دفن ہوئے۔[۱]

وصال گلبرگہ شریف میں بائیس ۲۲ سال تک رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب عمر شریف ایک سو چار سال کی ہوئی تو فیوض و برکات کا یہ سرچشمہ بند ہو گیا۔ وصال ۱۶ ذیقعدہ ۸۲۵ھ میں اشراق و چاشت کے درمیان ہوا۔ وفات کے موقع پر ان کے خلیفہ حضرت شیخ ابو الفتح نے فرمایا:

"ایں معیبتِ دین است"

"مخدوم دین و دنیا" سے تاریخِ وفات نکلتی ہے۔[۲]

ذکر آچکا ہے کہ سلطان فیروز بہمنی کے جانشین سلطان احمد شاہ بہمنی کو حضرت سید گیسو دراز سے بڑی عقیدت تھی۔ اس نے گلبرگہ شریف میں ان کے مزار مبارک پر نہایت عالیشان گنبد تعمیر کرایا اور اس کو طلائی نقش و نگار سے آراستہ کیا۔ دیواروں پر طلائی حروف میں کلام پاک کی آیتیں بھی لکھوائیں۔[۳]

رتبۂ بلند صوفیۂ کرام میں قطب الاقطاب عالم، قامع بیخ کفر و بدعت، مقصودِ خلقت عالم

[۱] حضرت سید گیسو دراز کی اولاد کی مزید تفصیلات کے لیے دیکھو سیر محمدی ص ۱۳۰-۱۱۹۔ [۲] سیر محمدی: دیباچہ۔

[۳] مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین ذکر حضرت گیسو دراز۔

معدنِ عشق، ہمدمِ وصال، کلیدِ مخازنِ حضرت ذوالجلال، مستِ الستِ نغمات بے ساز، محبوبِ حق وغیرہ کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

حضرت سید گیسو درازؒ کے عظیم المرتبت بزرگ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ جیسے جلیل القدر بزرگ بھی ان کی خدمت میں روحانی استفادہ کے لیے تشریف لائے۔ وہ ان کی ملاقات کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"چوں بشرفِ ملازمت حضرت میر سید محمد گیسو درازؒ مشرف شدم آں مقدار حقائق و معارف کہ از خدمت وے بحصول پیوست اندر ہیچ مشائخ دیگر نبود۔ سبحان اللہ چہ جذبۂ قوی داشتہ اند۔"

حضرت سید اشرف جہانگیرؒ اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"در سیر نختیں کہ بجانب دیارِ دکن واقع شد ملازمت حضرت میر سید محمد گیسو درازؒ کردیم، بغایت عالی شان یافتم و تصنیفاتِ بسیار از آنحضرت سر برزدہ در آخر مصنفات حضرت میر است کہ در وحدت وجود مطلق ایمائے نسبت صاحب نصوص کردہ اند۔ ایں فقیر تغیر مزاج کردہ بانواع دلائل عقلی و نقلی نشانِ خاطر آنحضرت نمودہ، اما نرجہ نیاف کہ در تصنیف اصلاح کردہ آید۔"[۱]

برہان مآثر کے مؤلف نے حضرت سید گیسو درازؒ کو قدوۂ اربابِ حال، سرِ دفتر اصحاب کمال، قطبِ سپہر سیادت و معرفت، مرکز دائرۂ حقیقت و طریقت، شاہباز بلند پرواز لکھا ہے۔[۲]

مولانا عبد الحقؒ اخبار الاخیار میں حضرت سید گیسو درازؒ کے ذکر میں لکھتے ہیں:

"جامع است میان سیادت و علم و ولایت شانے رفیع و درجہ منیع و کلامِ عالی وار دادر در میان مشایخ چشت مشربے خاص و در بیان اسرارِ حقیقت طریقے مخصوص است۔"[۳]

خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف رقمطراز ہیں:

"از عظمائے اولیائے حق ہیں و کبرائے مشائخ متقدمین و خلیفہ راستین شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ است۔"[۴]

۱۔ بحوالہ مرآۃ الاسرار ذکر حضرت سید گیسو درازؒ۔ ۲۔ برہان مآثر ص ۴۳۔ ۳۔ اخبار الاخیار ص ۱۳۳۔ ۴۔ خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۳۸۱۔

مرأۃ الاسرار میں ہے:

"مقبول عالم وعالمیان گشت وعالمے از حسنِ معاملات وے فیض گردید۔ وصیتِ کمالاتش از شرق تا غرب فرار رسید"

تصنیف پہلے ذکر آچکا ہے کہ جب حضرت سید گیسو درازؒ علم باطن کی طرف مائل ہوئے تو علوم ظاہری کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ لیکن ان کے مرشد حضرت چراغ دہلیؒ نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھا۔ مرشد کی جوہر شناس نگاہوں نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ حضرت سید گیسو درازؒ اپنی تصنیف وتالیف کے ذریعے سے بھی منبعِ فیوض وبرکات بن سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سید گیسو درازؒ نے عربی اور فارسی میں چھوٹی بڑی کتابیں بکثرت لکھیں۔ سیر محمدی کے مؤلف نے حسبِ ذیل تصانیف کے نام لکھے ہیں:

۱۔ ملتقط: یہ صوفیانہ رنگ میں کلام پاک کی تفسیر ہے۔

۲۔ تفسیر کلام پاک: یہ تفسیر کشاف کے طرز پر لکھنی شروع کی تھی لیکن صرف پانچ پاروں تک ہی تحریر فرما سکے۔

۳۔ حواشی کشاف: تفسیر کشاف پر حواشی ہیں۔

۴۔ شرح مشارق: حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار کی شرح ہے۔

۵۔ ترجمہ مشارق: یہ مشارق الانوار کا فارسی ترجمہ ہے۔

۶۔ معارف: پیر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی مشہور کتاب عوارف المعارف کی شرح ہے۔ عربی میں لکھی گئی۔

۷۔ ترجمہ عوارف: یہ عوارف کی فارسی شرح ہے لیکن ترجمہ عوارف کے نام سے مشہور ہے۔

۸۔ شرح تعرف: یہ شیخ ابو بکر محمد بن ابراہیم بخاری کی کتاب تعرف کی شرح ہے۔

۹۔ شرح آداب المریدین (عربی): یہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر سہروردیؒ کی مشہور تصنیف آداب المریدین کی عربی شرح ہے۔

۱۰۔ شرح آداب المریدین (فارسی) آداب المریدین کی ایک فارسی شرح بھی لکھی تھی جس

کو مولوی سید حافظ عطا حسین نے ایڈٹ کر کے حیدر آباد سے شائع کیا ہے۔

۱۱۔ شرح فصوص الحکم: یہ شیخ محی الدین بن عربی کی مشہور تصنیف کی شرح ہے۔

۱۲۔ شرح تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی: یہ حضرت ابو المعانی عبداللہ المعروف بعین القضاۃ کی مشہور صوفیانہ تصنیف تمہیدات کی شرح ہے۔

۱۳۔ ترجمہ رسالہ قشیریہ: یہ امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری کے رسالہ کا فارسی ترجمہ ہے۔

۱۴۔ حظائر القدس: اس کو عشق نامہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں بھی ہے۔ (دیکھو فہرست مخطوطات فارسی مرتبہ ڈبلو ایوانو ص ۵۶۶)

۱۵۔ رسالہ استقامۃ الشریعت بطریق الحقیقت: اس میں شریعت، طریقت اور حقیقت کی بحث ہے۔ اس کا ذکر انڈیا آفس کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں بھی ہے۔ (دیکھو ص ۲۴۷)

۱۶۔ ترجمہ رسالہ شیخ محی الدین ابن عربی۔

۱۷۔ رسالہ سیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۸۔ شرح فقہ اکبر: عربی و فارسی دونوں میں ہے۔

۱۹۔ حواشی قوت القلوب: یہ حضرت طالب محمد بن ابی الحسن بن علیؒ کی مشہور کتاب قوت القلوب پر حواشی ہیں۔

۲۰۔ اسمار الاسرار: اس کتاب کو جناب مولوی سید عطا حسین صاحب نے حیدر آباد سے شائع کیا ہے۔ اس کے متعلق خود حضرت سید گیسو درازؒ تحریر فرماتے ہیں:

"میری کتاب اسمار الاسرار میں باطل کو آگے سے آنے کا موقع ہے نہ پیچھے سے۔ کوئی اس سے اختلاف نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں توحید کی تجرید اور تفرید کے افراد کے سوا کچھ نہیں۔"

مولانا عبد الحق اپنی کتاب اخبار الاخیار میں رقمطراز ہیں:

"یکے از تصنیفات مشہور میر سید گیسو درازؒ کتاب اسمار است کہ حقایق و معارف

بزبان برمز و ایما و الفاظ و اشارات بیان کردہ۔"[1]

اس کے بارہ میں مولوی سید عطا حسین لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے متعلق بعض بزرگوں کا خیال بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ فن تصوّف و سلوک و معارف میں ہندوستان میں اس سے بہتر اور اعلیٰ تر کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ مبتدی، متوسط اور منتہی سب کے لیے مفید ہے۔ اس میں ذکر ہے، شغل ہے، مراقبہ ہے، مراتبِ سلوک کا بیان ہے، عشق ہے، توحید ہے، حقائق ہیں، معارف ہیں، غرض سب ہی کچھ ہے۔[2]

۲۱۔ حدائق الانس: اس میں معرفت کے کچھ اسرار بیان کئے گئے ہیں۔

حسب ذیل کتابوں کے موضوع ان کے نام سے ظاہر ہیں:۔

(۲۲) ضرب الامثال (۲۳) شرح قصیدۂ امالی (۲۴) شرح عقیدہ حافظیہ۔ (۲۵) عقیدۂ چند ورق۔ (۲۶) رسالہ در بیان آدابِ سلوک۔ (۲۷) رسالہ در بیان اشارتِ محبان۔ (۲۸) رسالہ بیان ذکر۔ (۲۹) رسالہ بیان رأیت ربی فی احسن صورۃ" (۳۰) رسالہ در بیان معرفت۔ (۳۱) رسالہ در بیان بود و ہست و باشد:

سیر محمدی کے مؤلف نے ان خلافت ناموں کو بھی تصانیف میں شمار کیا ہے جو حضرت سید گیسو درازؒ نے اپنے خلفاء کو لکھ کر دیئے تھے۔ ان تحریری خلافت ناموں کی تعداد چار ہے۔[3]

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے مخطوطات میں حضرت سید گیسو درازؒ کے کچھ رسائل کے یہ بھی نام ہیں: رسالہ در تصوف، شرح بیت امیر خسرو دہلوی، رسالہ اذکار خانوادۂ چشتیہ، وجود العاشقین۔[4]

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے مخطوطات میں حضرت سید گیسو درازؒ کی ایک تصنیف "خاتمہ" کا بھی ذکر ہے۔ یہ بظاہر تو شروع آداب المریدین کا تکملہ یا ضمیمہ ہے لیکن اب خود ایک مستقل

---

[1] اخبار الاخیار ص ۱۲۷۔ [2] اسمار الاسرار دیباچہ ص ۲۔ [3] سیر محمدی باب پنجم۔

[4] فہرست مخطوطات فارسی، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۸۵ - ۵۸۲۔ وجود العاشقین کا ذکر انڈیا آفس کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں بھی ہے۔ دیکھو ص ۱۰۲۹۔

کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں حضرت گیسو درازؒ نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ایک سالک کے عبادات و معاملات کا لائحۂ عمل پیش کیا ہے جو آج بھی ذوق و شوق کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہے۔ اس کو بھی حافظ سید عطا حسین صاحب نے بڑی محنت سے ایڈٹ کر کے ایک پُرمغز مقدمہ کے ساتھ حیدرآباد سے شائع کیا ہے۔

مکتوبات حضرت سید گیسو درازؒ کے مکتوبات کا ایک مجموعہ بھی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے جس میں ان کے اکسٹھ مکتوبات ہیں۔ ان کے خلیفہ شیخ ابو الفتح علاء الدین نے اس کو مرتب کیا ہے۔

ملفوظات تذکروں میں حضرت سید گیسو درازؒ کے ملفوظات کے چار مجموعوں کا ذکر آتا ہے۔ سیر محمدی میں ہے کہ حضرت سید گیسو درازؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید محمد اکبرؒ نے دو مجموعے مرتب کئے تھے۔ ایک دہلی میں اور ایک سفر گجرات میں۔ اخبار الاخیار میں ہے:

"خدمت میر را ملفوظات است مسمی بجوامع الکلم کہ بعضے از مریدان او کہ نیز محمد نام دارد جمع کردہ"[1]

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی (ص ۷، ۸ د) انڈیا آفس (ص ۱۰۲۵) اور برٹش میوزیم (ص ۷، ۳۴۴) کے فارسی مخطوطات کی فہرستوں میں جوامع الکلم کے مرتب کا نام محمد اکبر حسینی بتایا گیا ہے جو فہرست نگاروں کی رائے کے مطابق حضرت گیسو درازؒ کے مرید تھے۔ لیکن جوامع الکلم کا جو مطبوعہ اڈیشن حیدرآباد سے شائع ہوا ہے اس میں حافظ محمد حامد صدیقی صاحب نے مرتب کا نام حضرت گیسو درازؒ کے بڑے صاحبزادے سید حسین المعروف بہ سید محمد اکبر حسینیؒ نے لکھا ہے۔ جوامع الکلم کے اس مطبوعہ اڈیشن کے مقدمہ میں ایک جگہ یہ لکھا ہے:

"مؤلف ایں جواہر ثمین و درخوش آب بندہ بندگان حضرت علیا محمد اکبر حسینیؒ"[2]

بہر حال جوامع الکلم نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ اس کے متعلق خود حضرت سید گیسو درازؒ نے فرمایا:

---

[1] اخبار الاخیار ص ۱۳۳۔ [2] جوامع الکلم مقدمہ ص ۵۔

"کار ایں ملفوظ بجائے است از جہت تحقیق و تدقیق گویا کہ گفتار خود را خود می نویسم و ملفوظِ خود را خود جمع کنم۔"[1]

اس میں ۱۸ رجب ۸۰۲ھ سے ۲۳ ربیع الثانی ۸۰۳ھ تک کے ملفوظات ہیں۔

حافظ مولوی سید عطا حسین نے خاتمہ کے دیباچہ (ص ۱۸) میں لکھا ہے کہ حضرت سید گیسو دراز کے مرید قاضی علم الدین بہروچی نے بھی گلبرگہ میں ۸۱۱ھ کے بعد ملفوظات کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

دیوان کبھی کبھی بے ساختہ غزلیں اور رباعیاں بھی کہہ دیتے تھے۔ ان کی غزلوں اور رباعیوں کو ان کے پوتے سید ید اللہ عرف سید قبول اللہ نے ایک دیوان کی شکل میں مرتب کیا تھا۔[2]

تعلیمات حضرت سید گیسو دراز کی تصنیف اسمار الاسرار اور ان کے ملفوظات جوامع الکلم میں تصوف کے بعض دقائق اور غوامض پر مبسوط اور مفصل عالمانہ بحثیں ہیں لیکن ان مباحث کا اجمالی ذکر خواجگانِ چشت اور دوسرے صوفیۂ کرام کی تعلیمات کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔ اس لیے ان کے اعادہ کے بجائے حضرت سید گیسو دراز کی تصنیف چاہیئے ان ضوابط و قوانین کو پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کو حضرت سید گیسو دراز کے نزدیک سالکوں کی زندگی کا لائحہ عمل ہونا چاہیئے۔ خاتمہ ایک سو پچانوے ۱۹۵ صفحوں پر مشتمل ہے اور اس کی ہر سطر لائق مطالعہ ہے۔ لیکن ان اوراق میں ان سب کو نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے صرف اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

وضو سالکوں کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہیئے۔ ہر فرض نماز کے لیے تازہ وضو کرنا بہتر ہے۔ وضو کے بعد تحیۃ الوضو ادا کریں۔ بے وضو نہ سوئیں۔ اگر رات کے وقت بیدار ہو جائیں تو وضو کر لیں اور دوگانہ ادا کریں۔ وضو کرنے میں کسی سے بات چیت نہ کریں اور اس کا خیال رکھیں کہ ان کا ہر عضو

---

[1] جوامع الکلم ص ۶۔ [2] حضرت سید گیسو دراز نے اپنی تعلیمات کو عام لوگوں کے سمجھانے کے لیے بعض رسالے دکھنی اردو میں بھی تصنیف کئے۔ ان میں سے ایک رسالہ معراج العاشقین کو بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے ۱۳۴۳ھ میں اورنگ آباد سے شائع کیا تھا۔

دوسرے سے علیحدہ بھی ہے اور ملا ہوا بھی۔[1]

نمازِ فجر | صبح ہونے سے پہلے اگر رات کی تاریکی باقی ہے تو رات کی باقی ماندہ نفلوں کو پورا کرلیں۔ فجر کی نماز اوّل وقت ادا کریں۔ فجر، عشا اور مغرب کی نمازوں میں قرأت لمبی نہ ہو۔ نماز میں حضورِ قلب مقدّم ہے[2]۔ فجر کی سنت پڑھنے کے وقت سے اشراق کی نماز پڑھنے تک حتیٰ الوسع کسی سے نہ بولیں[3]۔

اشراق | اشراق سے ہلکی سی نیند لے کر آرام کریں تاکہ بیداریٔ شب کی تکان دور ہو جائے اور دوسرے وقت اوراد وظائف میں گرانی پیدا نہ ہو اور مضمحل نہ رہیں۔ کچھ آرام کے بعد اشراق کی نماز ادا کریں۔

چاشت | اشراق کے بعد چاشت سے پہلے اوراد وظائف میں مشغول رہیں۔ تلاوت کلام پاک بھی کریں۔ تلاوت کے بعد سلوک کی کتابیں پڑھیں۔ پھر چاشت کی نماز اس طرح ادا کریں کہ چار رکعتیں تو اشراق سے متصل پڑھی جائیں۔ چار چاشت پر وقت گزر جانے کے بعد اور چار چاشت کے زوال پر ادا کی جائیں[4]۔

قیلولہ | زوال کے وقت قیلولہ کریں تاکہ شب بیداری میں سہولت ہو[5]۔

نمازِ فی زوال | زوال کے وقت دو رکعتیں ادا کر کے اوراد میں مشغول ہوں۔ اس کے بعد تلاوت یا مراقبہ کریں۔ مراقبہ بہتر ہے[6]۔

ظہر، عصر، مغرب | ان میں سے ہر نماز اوّل وقت ادا کریں۔ طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروبِ آفتاب کے بعد مخصوص وظائف پڑھیں[7]۔ عصر کی نماز سے اوّابین کے ادا کرنے تک کسی سے نہ بولنا بہتر ہے[8]۔

عشاء | مغرب کی نماز کے بعد اور نمازوں کے پڑھنے سے اگر طبیعت میں کچھ گرانی محسوس ہو تو تھوڑی

---

[1] خاتمہ ص ۲، ۳، ۴۔ [2] خاتمہ ص ۳۔ [3] خاتمہ ص ۱۲۔ [4] خاتمہ ص ۶۔ [5] خاتمہ ص ۶۔ [6] خاتمہ ص ۶۔ [7] خاتمہ ص ۶۔ [8] خاتمہ ص ۱۱۳۔

دیر آرام کرلیں۔ پھر عشار کی نماز پڑھیں۔ بعض صوفیہ کے نزدیک عشار کی نماز کے لیے آدھی رات مستحب وقت ہے۔ آرام کے بعد عشار کی نماز پڑھنے میں نشاط پیدا ہوتا ہے اور بقیہ تمام رات نفل پڑھنے، ذکر اور فکر کرنے میں ذوق حاصل ہوتا ہے۔[1]

معمولاتِ شب رات کو تین حصوں میں تقسیم کریں۔ پہلے حصہ میں اوراد و وظائف میں مشغول رہیں۔ دوسرے حصہ میں سوئیں۔ تیسرے حصہ میں ذکر اور مراقبہ کریں۔[2]

بعض صوفیہ مغرب کے وقت صرف پانی سے روزہ کھول لیتے ہیں۔ پھر عشار تک نوافل میں مشغول رہتے ہیں۔ عشار کے بعد کچھ کھاتے ہیں پھر سو رہتے ہیں۔[3]

سالکوں کی نیند بھی ایک خاص قسم کی ہوتی ہے۔ وہ سوئیں تو اپنے وجود سے باخبر رہیں اور سوتے وقت یہ سوچیں کہ نیند اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے، اور اللہ ہی کی جانب سے ہے۔ جو نیند اللہ کو بھلا دے وہ قابلِ مذمت ہے۔ بعض صوفیہ کو نیند میں ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن سے وہ بیداری میں مطلع نہیں ہوتے۔[4]

کم سونے کے لیے کھانے اور پینے میں تقلیل ضروری ہے۔[5]

رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر تہجد پڑھیں۔ تہجد کے بعد اوراد و وظائف اور تلاوت کلام پاک، ذکر اور مراقبہ میں مشغول رہیں۔ لیکن ان میں مراقبہ عزیز ترین مشغلہ ہے۔[6]

اگر کوئی سالک شہرت کی خاطر عبادت و ریاضت کرتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اور اگر شہرت کے ڈر سے عبادت و ریاضت کو ترک کرتا ہے تو وہ ریاکار اور منافق ہے۔[7]

اگر ایک سالک کمالات کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جائے تو بھی اپنے اوراد و وظائف کے معمولات کو ترک نہ کرے۔[8]

روزے روزہ ارکانِ تصوّف میں ہے۔ اس لیے صوفی کے لیے روزہ رکھنا ضروری ہے۔ روزے

---

[1] خاتمہ ص ۸۔ [2] خاتمہ ص ۵۔ [3] خاتمہ ص ۸۔ [4] خاتمہ ص ۱۰-۱۴۔ [5] خاتمہ ص ۱۴۔ [6] خاتمہ ص ۹-۸۔
[7] خاتمہ ص ۸۔ [8] خاتمہ ص ۱۹۔

سے نفس مغلوب رہتا ہے اور اس میں غرور اور عُجب پیدا نہیں ہوتا۔ صوم دوام بہترین قسم کا روزہ ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ایک روز کے وقفہ سے روزے رکھا کرتے تھے کیونکہ صوم دوام ایک عادت بن جاتی ہے جس سے پھر کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے۔ بعض ہفتے میں تین روز یعنی دوشنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ اور بعض صرف دو روز یعنی پنجشنبہ اور جمعہ، بعض مہینے کے شروع اور آخر میں بعض مہینے کی بیسویں تاریخ اور بعض سال میں تین مہینے، بعض شوال کے پہلے چھ روز اور بعض ایام بیض یعنی مہینے کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ میں روزے رکھتے ہیں۔[1]

طے کے روزے جب ایک طالب حقیقی پر عشقِ الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے، تو وہ طے کے روزے رکھتا ہے۔ اس میں وہ افطار کے وقت پانی تو پی لیتا ہے لیکن کبھی متواتر تین دن، کبھی دس دن، کبھی ایک مہینہ، کبھی چھ مہینے اور کبھی ایک سال تک کچھ نہیں کھاتا۔[2]

اعتکاف اعتکاف رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتا ہے لیکن صوفیہ کبھی چالیس دن، کبھی اسّی دن اور کبھی ایک سو بیس دن اعتکاف میں بیٹھتے ہیں۔ چالیس دن کا اعتکاف شعبان کی آخری دسویں تاریخ اور پورے رمضان پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کو اربعین محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں۔ اسّی دن کا اعتکاف رجب سے شروع کیا جاتا ہے اس کو اربعین عیسٰی علیہ السلام کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک سو بیس دن کا اعتکاف اور بھی پہلے سے شروع ہوتا ہے۔ اعتکاف میں ذکر اور مراقبہ برابر کرتے رہنا چاہیئے۔

آدابِ طعام سالکوں کے لیے تقلیل طعام ضروری ہے اور جب وہ کھائیں تو ہر لقمہ کے ساتھ بسم اللہ کہیں، بلکہ سورہ فاتحہ پڑھیں۔[3] جو چیز کھائیں وہ بالکل حلال ہو۔ اپنی روزی کو حلال ثابت کرنے کے لیے کوئی تاویل نہ کریں۔[4] اگر کسی جگہ دعوت ہو اور اس میں وہ شرکت کریں، لیکن کھانے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں یا تھوڑا ہی کھانا چاہتے ہوں تو اس کو اپنے بیٹھنے کے انداز سے ظاہر نہ ہونے دیں۔ اس سے تکبر کا اظہار ہوتا ہے۔ کھانے کے وقت بائیں پاؤں پر بیٹھیں اور دائیں پاؤں کو

---

[1] خاتمہ ص ۱۵۔ [2] خاتمہ ص ۱۳۔ [3] خاتمہ ص ۹۔ [4] خاتمہ ص ۵۲۔

اٹھائے رکھیں۔ یہ مسنون طریقہ ہے۔ کھانا شروع ہو تو پہلے خود لقمہ نہ اٹھائیں۔ بڑے لقمے سے پرہیز کریں۔ لقمے کو تین انگلیوں سے اٹھائیں اور جب تک دوسرے لوگ بھی کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں اپنے ہاتھ اور منہ کو حرکت دیتے رہیں۔ ہاتھ کی انگلیوں اور منہ کو کھانے کی چیزوں سے آلودہ نہ کریں۔ پہلے روٹی اور گوشت کھائیں۔ اس کے ساتھ ترشی ملالیں۔ پھر میٹھی چیز کھائیں۔ آش ہو تو شروع یا آخر میں پئیں۔ روٹی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دسترخوان پر نہ چھوڑیں یا تو پوری کھائیں یا آدھی۔ زیادہ سیر ہو کر کھانے کی بجائے کچھ بھوک باقی رہے تو کھانا چھوڑ دیں۔ دعوت کے کھانے کی نہ زیادہ تعریف کریں اور نہ برائی بیان کریں۔ کھانے کے بعد مسلسل پانی نہ پئیں۔ لوگوں کے سامنے کھانے کے درمیان یا کھانے کے بعد ڈکار نہ لیں۔ مجلس میں خلال نہ کریں[1]۔

میزبانوں کو اپنے مہمانوں کے سامنے زود ہضم کھانے پیش کرنے چاہئیں لیکن مہمانوں کے سامنے جیسا بھی کھانا آئے اس کو دیکھ کر خوش ہوں۔ اگر میزبان صاحبِ احتیاج ہو تو مہمان اس کی خدمت میں کچھ زرِ نقد پیش کریں[2]۔

آدابِ سماع مجلسِ سماع کے لیے ایک علیحدہ مکان ہو۔ اربابِ دنیا، امراء کے لڑکے اور بچے اور عورتیں اس میں شریک نہ ہوں۔ اس میں سالکوں اور مریدوں کو غسل کر کے طاہر اور باوضو ہو کر اور سفید کپڑے پہن کر شریک ہونا چاہیے۔ وقار کے ساتھ بیٹھیں اور مراقبہ میں رہیں۔ گانے والوں پر نظر نہ رکھیں اور نہ ان کی موسیقی پر دھیان دیں۔ اشعار کی ترکیب کو بھی خیال میں نہ لائیں، نہ ہر لمحہ واہ واہ کریں اور نہ آہ آہ۔ گریہ طاری ہو تو ضبط کریں۔ زبان سے کچھ کہنا چاہیں تو اس سے پرہیز کریں۔ اضطراب میں پیاس معلوم ہو تو پانی نہ پئیں۔ حتی الوسع اپنے اعضا میں جنبش پیدا نہ ہونے دیں۔

مزامیر کے متعلق فرمایا کہ فقہا کے نزدیک یہ حرام ہیں۔ اس لیے ان سے سختی کے ساتھ احتراز کرنا چاہیے[3]۔

---

[1] خاتمہ ص ۵۱-۴۸۔ [2] خاتمہ ص ۵۲۔ [3] خاتمہ ص ۳۲۔

سماع کو پیشہ نہیں بنانا چاہیئے۔ سماع کے بعد دل کو سماع کے مقصد کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے۔ اسی کے بعد بہت سے راز معلوم ہوتے ہیں[1]

احترامِ شیخ ایک مرید جب اپنے پیر کی مجلس میں حاضر ہو تو اس کو اس طرح دیکھے جیسے کوئی اپنے محبوب کو دیکھتا ہو۔ پیر کے سامنے کسی قسم کی بے ادبی نہ کرے۔ پشت اس کی طرف نہ ہونے دے۔ اس کے روبرو کھڑا ہو تو نظریں اپنے پاؤں پر رکھے۔ بیٹھا ہو تو دائیں بائیں نہ دیکھے۔ زور سے نہ بولے اور نہ کسی کو زور سے پکارے۔ پان نہ کھائے ہاں اگر پیر کی طرف سے عطا ہو تو کھالے۔ اگر کھانا کھانے کا اتفاق ہو تو لقمہ چھوٹا اٹھائے اور کھاتے وقت ایک دانہ بھی نیچے نہ گرنے دے۔ اپنی انگلیوں کو کھانے سے آلودہ نہ کرے۔

ایک مرید دنیاوی کاموں میں اپنے پیر کو اپنی ہی طرح یا اپنے سے بھی کمتر سمجھے لیکن امورِ الٰہی میں اس کو پیغمبروں اور احمد خاتم رسل صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام سمجھنا چاہیئے۔

پیر کی مجلس کو مجلسِ حق تصور کرنا چاہیئے۔ ایک مرید اپنے پیر کی باتوں کو شریعت کی میزان پر تولے۔ اگر اس کے مطابق ہوں تو ان پر عمل کرنا ضروری ہے اور اگر کوئی بات بظاہر شرع کے خلاف ہو تو اس پر غور و تامل کرے اور اگر اس میں کوئی خاص عذر یا راز معلوم ہو تو اس پر عمل کرے کیونکہ پیر بعض ایسے حقائق سے واقف ہوتا ہے جن سے ایک مرید بالکل ناواقف ہوتا ہے۔

ایک مرید پیر کے سامنے مراقبہ یا ذکر میں مشغول نہ ہو لیکن کسی حال میں بھی پیر سے غافل نہ رہے۔ پیر سے غافل رہنا بڑی محرومی ہے۔ ایک مرید جہاں بھی ہو اس کا دل پیر کے تصور سے خالی نہ ہو۔ پیر کا نام ہر وقت زبان پر ہو اور رفتار، گفتار، وضع قطع میں اس کا اتباع ضروری ہے۔ اس کا ایک حکم بجالانے سے مرید ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ سو سال کی عبادت سے نہیں پہنچ سکتا ہے۔ پیر جس کام کا حکم دے مرید سمجھے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی اجازت سے صادر کیا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی گفتگو میں اشارۃً و کنایۃً بھی کسی کے پیر کی اہانت کرتا ہو تو اس کے سے

---

[1] خاتمہ ص ۴۸-۲۰۔ حضرت سید گیسو دراز نے صوفیہ کرام کے خاص قسم کے رقص کی بھی کچھ تفصیل بتائی ہے۔

مرید اسی طرح دور رہے جس طرح کہ ایک زاہد شیطان سے دور رہتا ہے۔

اگر پیر کی طرف سے کوئی لباس یا کپڑا ملے تو اس کو بڑے احترام سے رکھے۔ پیر کے بیٹھنے کی جگہ کا بھی پورا احترام کرے۔

پیر کی زندگی میں کوئی مرید کسی دوسرے پیر کی تلاش نہ کرے۔ اگر پیر مرید کو نامشروع کاموں کی دعوت دیتا ہو تو مرید ایسے پیر کو چھوڑ دے لیکن اس طرح کہ پیر کو معلوم نہ ہو کہ اس نے بداعتقادی کی وجہ سے علیحدگی اختیار کی ہے [1]

احترام شریعت | ایک مرید حقیقت وطریقت کو شریعت کی ضد نہ سمجھے بلکہ ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کا خلاصہ تصور کرے۔ جس طرح اخروٹ کا مغز اخروٹ کے چھلکے سے بظاہر مختلف معلوم ہوتا ہے، پھر بھی مغز کا جز چھلکے میں اس طرح ملا ہوتا ہے کہ اس سے بھی تیل نکلا جاتا ہے۔ اسی طرح حقیقت، طریقت اور شریعت تینوں ایک ہی ہیں [2]

تزکیۂ اخلاق | جب تک ایک شخص تمام دنیاوی چیزوں سے فارغ نہ ہو جائے راہ سلوک میں گامزن نہ ہو [3]

جب وہ کسی کا مرید ہو کر خلوت میں بیٹھے تو اپنے اور دوسروں کے تمام حقوق ادا کرے۔ اس کے پاس عورتیں اور بیویاں اور کنیزیں زیادہ نہ ہوں۔ اس میں مطلق ریا اور غصہ نہ ہو۔ دنیاداروں کی مجلسوں اور محفلوں سے دور رہے۔ وراثت میں جو مال اور دولت ملنے والی ہو اس سے بھی باز آئے۔ اگر کوئی اس کا مال بھی لے لے تو اس کے لیے شور وغوغا نہ کرے [4]

وہ کسی دوسرے کے خیر وشر سے واسطہ نہ رکھے [5]

اس کے دل میں جتنی ہوس ہو اس کو دور کر دے۔ اگر دور نہ ہو تو مجاہدہ وریاضت کرتا رہے [6]

---

[1] خاتمہ ص ۸۶ - ۵۶۔ اسی طرح پیر اور مرید کے تعلقات کے سلسلہ میں اور بھی ہدایات ہیں جن کو ہم اختصار کی خاطر لکھنے سے قاصر ہو رہے ہیں۔ [2] خاتمہ ص ۸۴ - [3] خاتمہ ص ۹۶۔ [4] خاتمہ ص ۱۱۰۔ [5] خاتمہ ص ۱۰۳۔

اس کو ہمیشہ اپنی موت کا منتظر رہنا چاہیے۔[1]

ایسی تفریح سے جو جائز بھی ہو پرہیز کرے۔[2]

آج کا کام کل پر نہ اٹھائے رکھے۔[3]

کسی حال میں اپنے نام کی شہرت نہ دے۔[4]

بازار صرف شدید ضرورت کے وقت جائے۔[5]

فقہار نے طہارت و لطافت کی جو باتیں بتائی ہیں اُن پر عمل کرے۔ ان سے زیادہ پر عمل کرنا بے کار ہے۔[6]

گرسنگی، تشنگی اور شب بیداری کو دوست رکھے۔ غلاموں اور کنیزوں سے سختی سے پیش نہ آئے۔[7]

لوگوں کی آمد و رفت اپنے یہاں زیادہ نہ ہونے دے۔[8]

امیروں کی صحبت سے گریز کرے۔[9]

اگر کوئی دو وقت مسلسل اس کو کھانا لا کر دے تو تیسرے وقت اس کی صحبت سے احتراز کرے کیونکہ فاقہ نفس کی شکستگی کے لیے ضروری ہے۔[10]

مصیبت کے وقت مضطر اور مضطرب نہ ہو۔ کسی حال میں نہ روئے۔ روئے تو اس کے لیے کہ کہیں منزلِ مقصود تک پہنچنے سے پہلے اس کو موت نہ آجائے۔[11]

اپنی درازی عمر کے لیے خداوند تعالیٰ سے دعا کرے تاکہ راہِ سلوک میں اس کو ترقی درجات حاصل ہو۔[12]

سخت ضرورت کے وقت مثلاً مہمان کے آنے یا حقوق ادا کرنے یا صلۂ رحمی کے لیے یا غایت گرسنگی کی حالت میں قرض لے سکتا ہے۔ لیکن قرض ادا کرنے کی کوشش میں لگا رہے۔[13]

پند و نصائح کا فرض انجام نہ دے کیونکہ یہ کام کاملوں کا ہے۔ سلوک پر کوئی کتاب لکھنے

---

[1] خاتمہ ص ۱۱۱۔ [2] خاتمہ ص ۱۱۵۔ [3] خاتمہ ص ۱۱۶۔ [4] خاتمہ ص ۱۲۱۔ [5] خاتمہ ص ۱۲۴۔ [6] خاتمہ ص ۱۲۴۔ [7] خاتمہ ص ۱۲۶۔

[8] خاتمہ ص ۱۲۷۔ [9] خاتمہ ص ۱۲۹۔ [10] خاتمہ ص ۱۴۵۔ [11] خاتمہ ص ۱۳۶۔ [12] خاتمہ ص ۱۳۶۔ [13] خاتمہ ص ۱۴۳۔

کی بھی کوشش نہ کرے کیونکہ یہ کام عارفوں کا ہے[1]

زیادہ تر خاموش رہے[2]

شرکتِ جہاد | ضرورت کے وقت ایک سالک جہاد میں بھی شرکت کر سکتا ہے لیکن اس نیت سے شریک نہ ہو کہ اس کو درجۂ شہادت ملے گا اور زندہ رہ گیا تو ثواب ملے گا۔ یہ نیت مستحسن ضرور ہے لیکن ایک سالک کی نیت اس سے ماورا ہونی چاہیئے۔ وہ جہاد میں صرف خداوند تعالیٰ کی خاطر شریک ہو۔ وہ جہاد میں اپنی تلوار کو سیف اللہ، اپنے سہم کو سہم اللہ اور اپنے سنان کو سنان اللہ سمجھے[3]

شاہی ملازموں کا اخلاق | اگر کوئی سالک بادشاہ کا ملازم ہے اور اس کو کوئی نامشروع کام کرنے کو کہا جائے تو ایسی ملازمت اس کے لیے حرام ہے۔ سالک اگر ملازمت میں رہے تو رعایا کے ساتھ معاملات میں اسی طرح پیش آئے جیسے ماں باپ کے ساتھ پیش آتا ہو۔ رات کو ذکر و فکر میں مشغول رہے لیکن دن کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا کوئی کام نہ چھوڑے۔ اپنی ملازمت کو اس لیے برقرار رکھے کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں خصوصاً کمزوروں اور عاجزوں کو نجات دلا سکے گا۔ مال و دولت کی ہوس نہ کرے۔ نامشروع کپڑے مثلاً ریشمی قبا، ریشمی موبند اور کلاہِ زر نہ پہنے۔ اگر بادشاہ نامشروع کپڑے عطا کرے تو اس کے سامنے پہن لے پھر باہر آکر اتار دے۔ اگر تیسرے روز بادشاہ کے سامنے ایسے کپڑے پہن کر جانے کی رسم ہو تو پہن لے لیکن فقہا کے نزدیک یہ بھی مجروح ہے[4]

بادشاہ کا اخلاق | اگر کوئی بادشاہ راہِ سلوک میں گامزن ہو تو وہ سلطان ابراہیم ادہمؒ، معاویہ ثانیؒ اور عبداللہ ابن زبیرؓ بن سکتا ہے لیکن اگر وہ بادشاہی کے لیے موزوں ہو تو پھر اسی فرض کو انجام دے۔ سلوک کی طرف مائل نہ ہو۔ اور حکومت میں ایسے متدین اور صالح لوگوں کو عہدہ دار مقرر کرے جو شرعی احکام کو نافذ کرا سکیں اور اس کو باخبر رکھیں کہ احکام شرعی پر عمل ہو رہا ہے اگر اس کی حکومت میں کوئی مسلمان زکوٰۃ نہ دیتا ہو تو سختی سے وصول کرے اگر زکوٰۃ دینے میں حیلہ کرتا ہو تو چند تازیانے بھی لگائے۔ وہ اس پر نظر رکھے کہ اس کی سلطنت میں کوئی شراب یا دوسری

---

[1] خاتمہ ص ۱۴۹-۱۴۸۔ [2] خاتمہ ص ۱۵۱۔ [3] خاتمہ ص ۱۸۷-۱۸۱۔ [4] خاتمہ ص ۱۸۷-۱۸۵۔

نشہ آور چیزیں نہ پی سکے۔ اگر کوئی پیتا ہو تو اس کو اسّی کوڑے لگائے۔ فقیروں، کمزوروں، یتیموں اور عاجزوں، لنگڑوں، گونگوں اور بیواؤں کی پوری خبر گیری کرے۔ ان کو برباد ہونے سے بچا لینے سے زیادہ کوئی مشکل کام نہیں۔

بادشاہ اگر راہِ سلوک میں گامزن ہے تو اپنے نفس اور جسم کو اعلائی کلمۃ الدّین کے لیے وقف کر دے اور دل کو خداوند تعالیٰ کے جلال و عظمت اور قہر کے تصوّر میں مشغول رکھے۔ وہ اپنے کو جتنا ہی زیادہ ذلیل سمجھے گا اتنا ہی زیادہ خداوند تعالیٰ سے قریب تر رہے گا۔[1]

خلفاء حضرت گیسو درازؒ کے بعض خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ مولانا علاء الدّین گوالیریؒ (ابتدا میں سلطان محمد تغلق کو پڑھایا کرتے تھے، گوالیر میں فتویٰ نویس کے عہدہ پر مامور تھے، آخر میں کالپی چلے آئے تھے اور یہیں رحلت فرمائی) شیخ صدر الدّین خوندمیرؒ (ان کے والد بزرگوار اور دادا ایرچ کے شیخ الاسلام تھے)، قاضی اسحٰق محمدؒ (چھترہ کے مفتی تھے)، قاضی محمد سلیمان، قاضی علیم الدّین بن شرفؒ (مزار پاک پٹن میں ہے)، حضرت سیّد محمد اکبرؒ (حضرت سیّد گیسو درازؒ کے بڑے صاحبزادے)، حضرت ابو المعالی بن سید احمدؒ (حضرت سیّد گیسو درازؒ کے سالے اور خادم تھے) (مزار گلبرگہ شریف میں ہے)، خواجہ احمد دبیرؒ (سلطان فیروز بہمنی کے دبیر تھے)، مولانا ابو الفتح بن مولانا علاء الدّین گوالیریؒ خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ صاحبِ تصنیف تھے۔ ان کی کتابوں کے نام یہ ہیں: عوارف المعارف، تکملہ در نحو و مشاہدہ در تصوف۔[2] (مزار کالپی میں ہے)، حضرت سیّد یوسفؒ (حضرت سیّد گیسو درازؒ کے صاحبزادے تھے)، حضرت سیّد سدید اللہؒ (حضرت سید گیسو درازؒ کے پوتے تھے) قاضی راجاؒ (گلبرگہ کے صدر جہاں تھے)، شیخ زادہ شہاب الدّینؒ، مولانا بہاء الدّین دہلویؒ (حضرت سیّد گیسو درازؒ کی نمازوں کی امامت کرتے تھے)، ملک زادہ عز الدّینؒ اور ملک شہاب الدّین[3]

---

[1] خاتمہ ص ۱۹۰-۱۸۷۔ [2] خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۹۷۔ [3] ان خلفاء کے حالات کی تفصیل کے لیے دیکھو سیرِ محمدی باب ساتواں۔

ترجمہ یازدہ رسائل

رسالۂ اول

تفسیر سورہ فاتحہ

از تصنیفات

حضرت قطب الاقطاب سیدّ محمد حسینی خواجہ گیسودراز بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ

مترجمہ

حضرت مولانا مولوی قاضی احمد عبدالصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ العزیز

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم۔

بِسْمِ اللّٰہ : حقیقت الحقائق (ساری حقیقتوں کی حقیقت) کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ وہی مستحق عبادت ہے اور ساری قابلیات وکمالات اسمائی (ناسوتی و ملکوتی) اور صفاتی (جبروتی) کا جامع (جمع کرنے والا' ملانے والا' مجمع) ہے۔ قرآنی اسرار (رموز و نکات) فرقانی لطائف (نزاکتیں' باریکیاں' خوبیاں) دنیا اور دنیا والوں کا قرار و قیام' ان کا باقی رکھنا' رکھا جانا اُسی سے' اُسی کے لئے ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ : وجود کا فیضان (خیر کا عام ہونا) اس کی مظہریت (ظاہر ہونے کی جگہ) جس کی بقا تجلیات کی امداد سے اسی کی عطا کی ہوئی ایک نعمت ہے۔

اَلْحَمْدُ : ازل سے ابد تک یعنی ابتداء کی ابتداء سے انتہاء کی انتہاء تک اول سے آخر تک ہر طرح کی ہر قسم کی جو بھی تعریف ہو سکتی ہے یا جو بھی توصیف کی جا سکتی ہے وہ اسی کے لائق و سزاوار ہے۔ سب موجودات اور ساری کائنات سے جو تعریف و توصیف منسوب کی گئی ہو یا کی جائے' ہوتی ہو یا ہو' وہ سب اللہ ہی کے لئے' اسی کے شایان شان' اسی کے لائق و سزاوار ہے۔

لِلّٰہِ : خاص اسی ذات کے لئے مخصوص ہے جو ہر صفت اور ہر خوبی سے موصوف و معروف ہے جو سب اسماء (نام) سے مسمّی (پکارا گیا۔ نام والا) اور موسوم ہے (نام دیا گیا ہے۔) جس قدر اور جتنے بھی موجودات پائے جاتے ہیں اور نہیں پائے جاتے' وہ سب کے سب اسماء الٰہی (اللہ کے ناموں) کے مظاہر (ظاہر ہونے کی جگہ) ہیں۔ جو تعریف یا توصیف ان کی کی جائے یا جو نسبت بھی انہیں دی جائے۔ کسی تاویل

(ہیر پھیر) کے بغیر حقیقتاً وہ اسی کی تعریف ہے کیونکہ اس کے سوائے کسی کا وجود ہی نہیں۔ کوئی موجود ہی نہیں، کسی کی نمود ہی نہیں، کوئی نمود ہی نہیں۔ سب کچھ اسی کا وجود اور اسی کی نمود ہے۔ وہی وہ ہے اور اسی کے لئے ہے۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ : اپنے آپ کو تمثلات وتعینات کے لباس میں ظاہر کرنے والا عالم اعیان (باطنی) عالم اجسام (ظاہری) کا محبوب (محبت کیا گیا، پیارا، معشوق) اور مُحِب (محبت کرنے والا، پیار کرنے والا، عاشق) کا اشارہ وکنایہ اسی کی طرف سے ثابت ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ہے، جو بھی ہے، وہ، وہی وہ ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ وَمَنْ یَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور کو پروردگار ٹھہرا کر بلاتا ہے) لَا بُرْهَانَ لَهٗ (اس کے پاس اس کی کوئی دلیل وسند نہیں) یہ جو فرمایا گیا یہ خود ایک کافی شہادت، کھلی گواہی ہے۔ سچ ہے اللہ کے سوا کسی کی خدائی کا اقرار جھوٹ، من گھڑت بات ہے۔ اَلوان مختلفہ (قسم قسم کے، ایک سے ایک جدا رنگ) اشکال متضادہ (طرح طرح کی، مختلف، ایک دوسرے سے جدا شکل وصورت) کے باوجود خدائے تعالیٰ احد ہے۔ (ایک ہے اور ایسا ایک ہے جو گنتی کا ایک نہیں، ایسے ایک کا دو نہیں) چنانچہ فرمان ہوتا ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے) سب کو یہ بھی بتلا دیجئے کہ وہ وحدہ لاشریك له۔ (ایک ہے کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں) ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں سچ ہے ہمارا ایمان ہے، وہ خود بھی فرماتا ہے کہ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (تمہارا پروردگار ایک ہے) یاد رہے کہ وہ ایسا یکتا ہے ایک ہے کہ جس کا دو نہیں یعنی ایک ہی ایک ہے دوسرے کا وجود ہی نہیں، وہ اپنے آپ میں اپنے ساتھ آپ ہی مشغول ہے اپنے ساتھ آپ ہی عشق کرتا ہے۔ کسی اور سے مشغول نہیں وہی ہے وہی اپنے بارے میں فرماتا ہے کہ هو الاول هو الاخر هو الظاهر هو الباطن وہی اگلا، وہی پچھلا، وہی کھلا، وہی چھپا (پہلے کا پہلا، پچھلے کا پچھلا۔ کھلے کا کھلا۔ چھپے کا چھپا) ہے۔ وهو بكل شئى عليم (وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے) کسی نے خوب کہا اور سچ کہا۔

عشق است آنکہ در دو جہاں جلوہ میکند　　گاہ از لباس شاہ وگہ از کسوت گدا
(عشق ہی ہے جو دونوں جہاں میں جلوہ کر رہا ہے　　کبھی بادشاہ کے لباس میں کبھی فقیر کی گدڑی میں)

الرَّحْمٰنِ : وہی وہ ہے۔ جو دوسرے مرتبہ میں وجود متوہم کی فنا کے بعد تجلی ملکوتی سے وجود بخشی کیا کرتا ہے۔ بقا باللہ (اللہ کے ساتھ بقا پانے' باقی رہنے) کے شامل ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اسی تجلی کا مذکور اپنے فرمان کذلك نری ابراھیم ملکوت السمٰوات والارض ولیکون من الموقنین (اسی طرح ہم نے ابراہیم کو ملکوت اعلیٰ وملکوت اسفل دکھلایا یعنی آسمان وزمین کی حقیقت بتلائی) میں فرمایا۔ سب کچھ اور ان کی حقیقت اس لئے انہیں بتلائی کہ وہ اہل یقین سے ہو جائیں ذرا سا بھی شک وشبہ ان میں باقی نہ رہے۔

الرَّحِیْمِ : جبروت کی تجلی کی بخشش کرنے والا۔ انتہائی مہربان' فیض باطن کا بخشنے والا کہ جس فیض بخشی سے باطن (دل) کی آنکھوں میں انوار معانی کشف ہوئے یعنی کھل جانے سے مشاہدہ (سامنے دیکھنے) میں آ جاتے ہیں۔ دکھائی دے جاتے ہیں۔ کسی کے ہمراہ کسی جگہ حاضر ہوتا' ہاتھ آ جاتا ہے' میسر ہو جاتا ہے۔ اذا اتم الفقر ھو اللہ (جب فقر پورا ہو جاتا ہے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ ہی اللہ ہے) جو کہا گیا وہ یہی رمز یہی راز یعنی بھید چھپی ہوئی بات ہے۔ ھُوَ اللّٰہُ فِیْ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (وہ اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے) کا اشارہ بھی اسی طرف ہے۔ وہ یہ مشاہدہ ہے کہ وقت کے ہاتھ آ جانے یعنی تنزل یعنی اس میں اتر آنے سے ہمیشہ کے لئے اس کا شہود ہی شہود رہتا ہے۔ یعنی ہمیشہ اسکا سامان اس کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔ یہ وہ مرتبہ' وہ مقام ہے کہ جہاں وہم وگمان' شک وشبہ کا پتہ نہیں بلکہ مفقود (گم) ہے اس تجلی اور اس مرتبہ میں غیر' غیریت کا وجود سالک کی نظر میں نہیں رہتا یعنی اس کو غیر دکھلائی نہیں دیتا۔ وہ غیر وغیریت کو نہیں پاتا سب کو عین دیکھتا اور جانتا ہے۔ اس سے پہلے جو تجلی سالک پر ہوئی تھی اگرچہ اس میں بھی مشاہدہ وجمال ذی جلال شامل حال تھا لیکن شہود کا آفتاب غروب ہو جاتا تو ایک قسم کی تیرگی یعنی دھندلاپن اور اندھیری' وہم وگمان یعنی تزلزل

سالک کے دل کے کنارے سے ظاہر ہوا کرتا تھا وہ اس دوسری تجلی مرتبہ ومقام میں پیش نہیں آتا۔ اس مرتبہ میں آفتاب شہود کے لئے طلوع وغروب نہیں وہ ہمیشہ اپنی جلوہ نمائی میں ہوتا ہے۔

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ : روز جزا یعنی بدلہ کے دن کا مالک، یعنی خداوند، آقا، متصرف اور صاحب وہی ہے۔ جزا سے سالک کی فنا کا وقت اور اس کی بے خودی مراد ہے جو عالم کثرت سے ہو جاتی ہے۔ یعنی جب سالک کو پہلی فنا سے فانی یعنی پہلی بار جب ''کچھ نہیں'' کر دیا جاتا ہے تو یوم تبدل الارض غیر الارض (اس دن یعنی اس تجلی میں زمین اور ہی زمین سے بدل جائے گی) کی اقتضا اور بلحاظ اشرقت الارض بنور ربها (چمک گئی روشن ہو گئی زمین اپنے پروردگار کے نور سے) سالک کے وجود کونی (دنیاوی جسم) کو اپنی جلوہ گاہ بنا کر اس کی ہستی یعنی اِنیّت کو بَرَزُ اللّٰه یعنی اللہ ظاہر ہوا (باہر آیا، برآمد ہوا) کی تلوار سے کاٹ کر پھینک دیتا ہے۔ بَرِ اوقاتِ عزت (بزرگی وحرمت کے پردوں) کے پیچھے سے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (آج کا دن کس کے لئے، آج کس کی حکومت، آج کس کی تجلی ہے) کی ندا دی جاتی ہے۔ جس سے سالک الا كلّ شئى ما خلا اللّٰه باطلا (اللہ کے سوائے جو کچھ ہے جو کہا کرتے ہیں وہ باطل یعنی سراسر جھوٹ ہے) کی شراب سے مست ہو کر جاء الحق و زهق الباطل (حق آ گیا۔ باطل چل دیا) میں آ جاتا ہے تو حق ہی حق رہ جاتا ہے باطل روانہ ہو جاتا ہے۔ اس حال میں لباس حق پہن کر زبان حال سے لِلّٰه الواحد القهار (اللہ ہی کے لئے جو یکتا ویگانہ ضابط اور صاحب غلبہ وزور ہے) کہنے لگ جاتا ہے اور جزا کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہی وہ ہے جو متصرف باطن ہے۔ بعض اوقات فنا فی اللہ میں بقا باللہ عطا فرماتا ہے جس کی بناء پر سالک اللہ تعالیٰ کی بقا سے باقی رہتا ہے۔ لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقتٌ (اللہ کے ساتھ میرا ایک وقت ہے) کی عبارت کا منشاء بھی یہی ہے۔ کبھی وہ تنزل میں لا کر فنائے دوام (ہمیشہ کی نفی، کچھ نہ ہونے) کے شہود کی عطا سے سالک کو مستغنی (لاپرواہ) بنا دیتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ روز جزا کے متصرف کا مطلب یہ ہو کہ وقتیہ مشاہدہ بعض کے لئے تھوڑا اور بعض کے لئے بہت نصیب ہوتا ہے۔ وقت کے تو اصل و توالی (آ ملنے پے در پے ایک کے بعد یک تجلی ہونے) سے مشاہدہ کے ایک جذبہ میں (ایک کشش میں) رکھ کر ایک گروہ کو سلوب العقل (عقل سے بے بہرہ) کر کے مجذوب و دیوانہ بنا دیتا ہے۔ عقل سے محروم کر دیتا ہے۔ الا انّ اولیاء اللّٰه لا یموتون (اللہ کے دوست نہیں مرتے) سے جس کی خبر ملتی، اطلاع ہوتی ہے یا یہ ہو کہ بدلہ کے دن سے مراد تجلی شہودی ہو۔ جیسا کہ تجلی شہودی سے بعض کو فنائے ناسوتی کے بعد بقائے ملکوتی عنایت فرماتا ہے۔

یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے وہ سالک کے سلوک کے لحاظ و مناسبت سے درجہ و تفاوت کے موافق ہوتا ہے۔ اسی سے اس کے ہونے سے وحدت کا کثرت میں تماشا یعنی ہر چیز میں، جب دیکھ لیتا ہے تو ما رایت شی الا رایت اللّٰه قبلهٗ (نہیں دیکھی میں نے کوئی چیز مگر دیکھا میں نے اللہ کو اس سے پہلے یعنی پہلے اللہ کو دیکھا پھر وہ چیز دیکھی) کا نعرہ مارتا ہے۔ جب اس تعین کی تجلی ہوتی ہے تو تعین کے اعتبار میں، جذبہ تجلی کے لحاظ سے اَنَا اللّٰه (میں ہوں اللہ) اور انا الحق (میں حق ہوں) کہنے لگ جاتا ہے۔ اسی قسم اور اسی طرح کے اور بھی نعرے لگاتا ہے۔ بعض وہ ہوتے ہیں جن کو ایسے وقت ایسی تجلی اس تعین میں بقائے جبروتی عطا ہوتی ہے۔ جو مختلف طریقوں سے ثابت و محقق ہے یعنی کئی کئی طرح سے اور کئی کئی قسم سے ثبوت و تحقیق میں آ جاتی ہے۔ یہ وہ مرتبہ ہے کہ جس میں سالک کے وقت کا عروج اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے پہچانا اپنے آپ کو اس نے پہچانا اپنے رب کو) کہنا پڑتا ہے۔ جب کوئی سالک کسی مقام کو طے کر لیتا ہے تو عَرَفْتُ رَبِّی بِرَبِّیْ (پہچانا میں نے اپنے پروردگار کو اپنے پروردگار سے) اور ایسی ہی اور باتیں کہہ جاتا ہے۔ بعض سالک ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کو بقائے لاہوتی سے سرفراز کر کے حیرت کے مقام میں رکھا جاتا ہے تو وہ اس مرتبہ و مقام میں ربّ زدنی تحیراً (اے میرے

پروردگار میری حیرانی اور زیادہ کر) کہنے لگ جاتا ہے۔ جب کوئی سالک بقا باللہ کی خلعت میں معشوقی کا لباس پہن لیتا ہے تو غیر بینی یعنی غیر کا دیکھنا اس کی نظروں سے نکل جاتا ہے غیبت (دوری) حضوری (نزدیکی) سے بدل جاتی ہے غیبیت (آنکھ سے اوجھل ہونے) کی پستی (ذلت کوتاہ بینی) سے نکل کر حلقہ گفتگو کے دائرہ میں آجاتے ہی اس کی مخاطبت میں بے اختیار اِیَّاکَ نَعْبُدُ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) کہنے لگ جاتا اور عبادت ہی میں رہتا ہے۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ : ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں یعنی جو کچھ خدمت، بندگی عبادت ہم سے وجود میں آتی ہے، ظاہر ہوتی ہے۔ وہ بظاہر اگرچہ ہماری طرف منسوب ہوتی ہے۔ ہماری کہی جاتی ہے فی الحقیقت وہ تیری ہی ہے تیرے ہی لئے ہے تجھ ہی سے منسوب ہے۔ تیرے غیر کا وجود ہی نہیں تو ہی تو ہے چنانچہ شیخ عراقی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کسی کو بھی تو دوست رکھے، اپنا دوست بنائے، دوست جانے، سمجھ کہ تو نے اسی کو دوست رکھا، اسی کو دوست بنایا۔ جس طرف بھی تیری توجہ ہو جاتی ہے یا تو متوجہ ہوتا ہے سمجھ کہ اسی کی طرف تیری توجہ ہے اور اسی کی طرف تو متوجہ ہے۔ اگرچہ تو یہ نہ جانے۔ حقیقت یہ ہے کہ سب کے ساتھ جو دوستی ہوتی ہے یا کی جاتی ہے۔ سب پر جو توجہ ہوتی ہے یا کی جاتی ہے وہ حقیقتاً اسی کے ساتھ اسی کے طرف ہوتی ہے۔

میل جملہ خلق عالم تا ابد — گر شناسندت وگرنہ سوئے تست

(ساری مخلوق کی توجہ ابد تک) — (چاہے تجھ کو پہچانیں یا نہ پہچانیں تیری ہی طرف ہے)

جُز ترا چوں دوست نتواں داشتن — دوستی دیگراں بر بوئے تست

(جب تیرے سوائے کسی کو دوست نہیں رکھا جا سکتا تو) — (دوسروں کے ساتھ جو دوستی کی جاتی ہے وہ تیری خوشبو سے ہے)

و اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ : اثبات یگانگی میں ہم خاص طور سے تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اثبات یگانگی یعنی دوستی و یکتائی کے ثابت و محقق ہونے سے، ثبوت و تحقیق پا جانے سے ذرا بھی شائبہ شرک جلی و خفی کا نہ ہونے سے ہم خصوصیت کے ساتھ تجھ ہی سے اعانت (یاری) کے طالب ہیں، مدد مانگتے ہیں۔ شرک جلی یہ ہے کہ غیر کا نام زبان

پر لائیں یا عالم کو اس کا غیر جانیں۔ شرک خفی یہ ہے کہ خطرہ غیر کو دل میں گزرنے آنے دیں۔ تاثیرات کو اشیاء کا اثر جانیں۔ مؤثر حقیقی سے غافل ہو جائیں، سبب و علت میں رہ جائیں، مسبب کو فراموش کر دیں (بھول جائیں)۔ اس بارے میں ایک حکایت کہی جاتی ہے کہ جب سلطان العارفین یعنی خواجہ بایزید بسطامی قدس سرہٗ کی روح عالم فانی سے عالم باقی کی طرف رجوع ہو کر ریاض قدس یعنی جنت کے باغوں میں پہنچی اور داخل ہو گئی تو ندا آئی کہ ہمارے لئے کیا تحفہ لے آئے۔ آپ نے عرض کیا کہ خداوند تیری بارگاہ کے لائق کیا لا سکتا ہوں۔ کچھ بھی نہیں لایا۔ اس قدر عرض کر سکتا ہوں کہ میں نے کبھی شرک نہیں کیا تو خطاب ہوا کہ بات ایسی نہیں ذرا یاد کرو۔ ایک رات تم نے دودھ پیا تھا تمہارے پیٹ میں درد ہوا، تم نے یہ کہا تھا کہ دودھ پینے سے درد ہوا۔ تم نے درد کی نسبت دودھ سے دی...... ہائے رے ہائے کیا کیا جا سکتا ہے۔؎

از در خویش مرا بر در غیرے بردی — باز گوئی کہ چرا بر در غیرے گزری

(اپنے دروازے سے خود مجھ کو دوسرے کے دروازہ پر لے گیا — اور پھر یہ کہتا ہے کہ تو کیوں دوسرے کے دروازہ پر گیا)

کجا غیر کو غیر کو نقش غیر — سوی اللہ واللہ ما فی الوجود

(غیر کہاں۔ کون غیر۔ غیر کا اثر کیا — قسم اللہ کی اللہ کے سوائے کوئی وجود میں نہیں)

اللہ ہی اللہ ہے۔ سب کا پیدا کرنے والا۔ سب میں تصرف دینے والا اللہ ہی ہے۔ سب کچھ اسی کا ہے بلکہ وہی وہ ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ التصوف شركٌ لانه صيانة القلب عن الغير ولا غيره (تصوف شرک ہے یعنی غیر ٹھہرانا دو کی قرارداد کرنا ہے۔ غیر کا وجود ہی نہیں) جس کو تم غیر کہتے یا سمجھتے ہو وہ اسی کا نور ظہور ہے۔ چنانچہ ایک محقق کہتا ہے۔؎

یک عین متفق کہ جز اُو ذرہٗ نبود — چون گشت ظاہر ایں ہمہ اغیار آمدہ

(سب کا مانا ہوا ایک ہے جس کے سوائے کوئی اور نہیں — جب وہ ظاہر ہو گیا تو یہ سب غیر کی صورت میں نکل آئے)

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۤ اَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ (اے پروردگار میں تیری پناہ تجھ سے چاہتا ہوں تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیری مدد تجھ سے ہی چاہتا ہوں۔ تیرا ہی سہارا لینا چاہتا ہوں

تیری پناہ میں آنا چاہتا ہوں۔ تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں) ہوش میں آؤ سمجھ جاؤ کہ جہان یعنی یہ ساری کائنات یعنی اس دنیا میں جو کچھ ہے وہ غیر نما ہے دنیا غیر کے جیسی دکھلائی دیتی تو ہے لیکن وہ غیر نہیں۔ وہی وہ ہے اس کے سوائے کوئی اور نہیں۔

رہنمایم باش دیوانم بشوے وز دو عالم تختۂ جانم بشوے

(میرا راستہ بتلانے والا ہو جا میری عقل کو دھو ڈال میری جان سے دونوں عالم کا نقش دھو ڈال)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ : ہمیں سیدھی راہ دکھلا۔ سیدھی راہ کی رہبری کر۔ سیدھی راہ پر سیدھی طرح سے چلا۔ ہیر پھیر میں نہ ڈال۔ سیدھی راہ کون سی ہوسکتی ہے۔ وہ یہی کہ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ الْمُسْتَقِيْمَ (میرا پروردگار ہی سیدھی راہ پر ہے) خوب سمجھ جاؤ کہ یہ سارے مظاہر (جائے ظہور) ہیں چاہے وہ جالی ہوں یا جمالی۔ سب اسی کے مظہر (ظاہر ہونے کی جگہ) ہیں سب مظاہر میں وہی ظاہر اور ظہور کیا ہوا ہے۔ ہادی و مضل (راستہ بتلانے والا۔ ہدایت کرنے والا۔ راستے سے بھٹکانے والا۔ گمراہ کرنے والا) وہی ہے البتہ ان ناموں میں اسی کی فعالیت سے وہ فاعل ہے۔ متصرف حقیقی وہی ہونے سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ فاعل حقیقی ایک ہے۔ ایک کے سوائے کوئی اور نہ ہونے سے لامحالہ یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ فعل میں بھی اس کے سوائے کوئی اور نہیں چنانچہ فرمان ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْلَمُوْنَ (اللہ نے پیدا کیا تم کو اور جو کچھ کہ تم کرتے ہو یعنی تمہارے افعال کو تم کو) وہ اسی راز کو کھولتا ہے۔

ہیچ جا نیست کہ عکس رخ او پیدا نیست جرم آئینہ بود گر نبود عکس پذیر

(کوئی جگہ ایسی نہیں کہ جہاں اس کے چہرہ کا سایہ ظاہر نہ ہو) (آئینہ کا قصور ہے اگر وہ عکس نہ لے یعنی اپنے میں نہ دکھائے)

استغفر اللّٰہ۔ استغفر اللّٰہ۔ واتوب الیہ (اللہ کی پناہ میں آتا ہوں اللہ کی مغفرت میں آتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف لوٹتا ہوں)

اٰمنت باللّٰہ (ایمان لایا میں اللہ پر) ایسی ذات اور مطلق حقیقی پر ایمان لایا کہ وہ لوث کثرت (بہت ہونے کے داغ دھبہ) سے منزہ (پاک و مبرا) ہے یعنی زیادہ تعداد میں ہونے کے میل کچیل سے پاک صاف بے داغ دھبہ ہے۔ مطلب یہ کہ

تقیدات وتعینات کے باوجود یعنی قیود و اعتبارات کے ہوتے ہوئے بھی وہ الآن کما کان (جیسا کہ تھا ویسا ہی ہے۔ ویسا ہی رہے گا) ہے۔ اپنے اطلاق کی صرافت (قید کی پاکیزگی) میں نرالا ہے۔ یہ پاکیزگی اس کی ایسی بے قید ہے کہ وہ اپنی پاکیزگی میں اپنے حال میں آپ ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ ان اللّٰہ غنیٌ عن العٰلمین (اللہ دونوں جہان سے لاپرواہ ہے) خاص صفت مخصوص تعریف وتوصیف اسی کے لئے سزاوار ہے۔

ملآئکة وکتبه ورسله اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لے آیا۔ اس پر بھی ایمان لایا کہ یہ سارے تعینات وتکثرات یہ ساری صورتیں سب اسی کے مظاہر ہیں، وہی وہ ہے کہ اس لباس میں ملتبس (لباس لے کر) ہو کر بہت سارے لباس میں تجلی فرما ہے۔

خوب یاد رہے کہ اس کا غیر "عدم محض" یعنی "ہے ہی نہیں" اس کے سوائے کوئی وجود ونمود نہیں رکھتا۔ وجود ونمود میں نہیں ھُوَ ھُوَ لَیسَ ھُوَ اِلَّا ھُوَ (وہی وہ ہے کوئی اور نہیں وہی وہ ہے) اس کو غور سے سمجھو اچھی طرح سے پاؤ کہ یہ سب اسی کی بود و نمود ہے۔

تا بہ بینی ہمیں زماں روشن	اندر آئینہ جہاں بنگر
تاکہ اس کو اسی وقت کھلا دیکھو)	(دنیا کے آئینہ میں دیکھ
جان جاناں و دلبر دل و دین	کہ ہمہ اوست ہر چہ ہست یقین
معشوق کا معشوق ایسا معشوق جو دل و دین لے جاتا ہے)	(وہی وہ ہے جو کچھ بھی ہے یقیناً وہی ہے

ذرا غور کرو۔ ہمیشہ مشاہدہ کے طوفان میں ہوتے ہوئے بھی یہ کیسی اچھی حیرت وحیرانی ہے کہ جس میں یہ کہتا ہے کہ تیری بھویں میرا قبلہ ہے۔ میں کھویا ہوا سجدہ کروں تو کہاں کروں۔ جلالی، جمالی مظاہر سالک کی نظر میں، یعنی نظر وحدت میں ایک کے سوائے منظور نظر نہیں رہتے۔ سب کو ایک دیکھتا ہے۔ اس مرتبہ میں شریعت کی رعایت، مراتب کی پاسداری اور اس کی حفاظت بڑی کٹھن چیز ہے۔ انتہائی جوانمردی کا کام ہے۔ اس شہود کے ہاتھ آنے سے پہلے سالک کے لئے ساری چیزیں حق کا حجاب

تھیں۔ اس شہود کے نصیب ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ سب چیزوں کا حجاب بن گیا ہے ہائے رے ہائے۔ کیا کر سکتے ہیں کیا کیا جا سکتا ہے۔ کرنا ہی پڑتا ہے اور کرتے ہی رہتے ہیں۔ شریعت کی رعایت' مراتب کی حفاظت اولیائے محفوظ کا طرۂ امتیاز اور طغرائے خاص ہے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ : ان کا راستہ جنہیں تو نے اپنے انعام اور اپنی نعمت دیدار سے مشرف و سرفراز اور مشاہدہ سے بانصیب فرمایا۔ ہمیں ان میں شامل کر کہ جنہوں نے دیدار کی نعمت مشاہدہ و مکاشفہ کی دولت نصیب ہونے کے باوجود شریعت کی پاسداری و رعایت' مراتب کی نگہبانی و حفاظت کی۔ جنہیں تو نے طریقت باطن کی فضیلت' ارادت علمی کی بزرگی کے سارے احوال عطا کر کے وجہ کمال (انتہائی خوبی) کے ساتھ فرائض کی ادائیگی احکام کی بجا آوری کی قوت عطا فرمائی۔ وہ ہمیں بھی عطا فرما۔ وہ ایسے تھے کہ جن کے دلوں پر مشاہدات کے فیضان۔ انتہائی عنایت کی گھٹائیں پے در پے پہنچتے رہنے کے باوجود امتثالاً لِاَوَامِرِ اللّٰہِ وَاجْتِنَاباً لِنَواھی یعنی قبول حکم و تعمیل حکم میں تھے۔ بلحاظ حکم کام کرتے تھے۔ کام کرنے کا حکم کرتے تھے' اس کام میں رہتے تھے' منع کئے ہوئے سے اپنے آپ کو بچائے رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی بچاتے تھے۔ بچنے کا حکم کرتے تھے۔ سارے احکام شریعت' فرائض' واجبات' آداب و سنن کو اچھی طرح سے ادا کیا کرتے تھے۔ کبھی مغلوب الحال نہ ہوتے تھے۔ حال کے دباؤ میں نہ آتے تھے۔

تُكَلِّمُ النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ (بات کرو لوگوں سے ان کی سمجھ کے لحاظ سے) کے فرمان کے مطابق ہمیشہ نصیحت و فہمائش کیا کرتے تھے۔

یہ یاد رہے کہ جو بزرگ ہستیاں بلند مرتبہ کی ہوتی ہیں وہ اسی طرح بجا آوری کیا کرتی ہیں۔ جنہیں اصحا (بہترین) کہتے ہیں۔ یہ وہ کمال ہے جس کو "مرتبہ تمکین" "رتبہ تابع نبوت" کہا جاتا ہے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ : ان لوگوں کے راستے پر ہمیں نہ چلا جو ہمیشہ جلالی تجلی میں رکھ چھوڑے گئے ہیں اور رہا کرتے ہیں۔ یہ تجلی عقل کو زائل کر دیتی ہے'

ہستی کو توڑ دیتی ہے۔ ہمیں ایسا بھی نہ کر کہ جنہیں تو نے جذبہ میں رکھ کر مجذوب بنا کر تمکین کے حظوظ (مزوں) اور ان کے فائدوں سے محروم کر رکھا ہے۔ یہ سچ ہے اور سب کی مانی ہوئی بات ہے کہ سالک اس مرتبہ میں سب سے لاپرواہ رہتا ہے۔ تجلی جلالی میں ڈوبا ہوا اپنے آپ میں مگن رہتا ہے۔ زکوٰۃ (اپنی کمائی میں سے کسی کو کچھ دینا) کی ادائیگی برکات الوہیت (خدائی کی برکتیں) اور ایصال خیر (بہتری کا پہنچانا) طالبین کو نفع پہنچانے کا موقع نہیں پاتا۔ ہر بات ہر چیز سے لاپرواہ رہتا ہے۔ اپنے آپ ہی میں ڈوبے ہوئے ہوتا ہے۔

وَلَا الضَّالِّيْن : نہ ایسے لوگوں کا راستہ جنہوں نے راستہ کھو دیا۔ بھٹک گئے۔ وقتیہ لاپرواہی نے جنہیں گھیر لیا۔ ترقی و طلب سے روک رکھا۔ اس شعر کو ان کی رٹ بنا دیا۔

نہ انتظار لقایش بود چنیں کہ مرا ۔۔۔ کہ در مقابل چشم ہمیشہ صورت اوست

(اس کے دیکھنے کا انتظار مجھ کو اس لئے نہیں ہے کہ ہمیشہ اس کی صورت میری آنکھوں کے سامنے ہے)

لیکن محققین کا کہنا یہ ہے کہ۔

نہ حسنش آخریں دارو نہ سعدی راسخن پایاں ۔۔۔ بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

(نہ تو اس کے حسن کی انتہا ہے نہ سعدی کے بیان کی کوئی مقررہ حد ہے پیاس کی بیماری سے پیاسا مر جاتا ہے اور دریا اسی طرح رہتا ہے)

اہل تمکین یہ کہتے ہیں۔

ہزار ساغر دریا اگر بہ بادہ کشم ۔۔۔ ہنوز ہمت ما بادہ دگر خواہد

(اگر لاکھوں دریا شراب کے پیالہ میں پی جائیں پھر بھی ہماری ہمت اور شراب مانگتی ہے)

آمین آمین۔ ایسا ہی ہمارے ساتھ ہو۔ ہمیں یہ نصیب ہو۔ بحرمت النبی وآلہ (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل کے صدقہ و طفیل میں) وصل علیٰ خیر خلقہ (درود و سلام بہترین مخلوق پر) فقط۔

تمت الترجمہ ۷ رجب ۱۳۶۷ھ ہجری

ترجمہ یازدہ رسائل

رسالۂ دوم

استقامتہ فی الشریعتہ

بطریق الحقیقت

تصنیف

حضرت سلطان العارفین امام الواصلین سیدّ محمد حسینی خواجہ بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبدالصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ
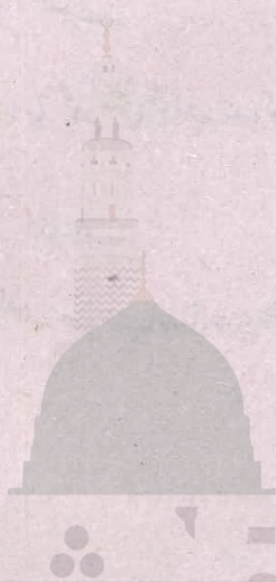
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

(شروع نام سے اللہ کے جو بڑا مہربان بخشنے والا ہے۔

من اللّٰه العناية به نستعين

(عنایت اللہ ہی کی طرف سے ہے اسی سے ہم مدد مانگتے اور چاہتے ہیں)

الحمد للّٰه المتجلی علی المطیع والعاصی القریب من الدانی والقاضی الواحد لا بحساب الثالث والثانی الظاهر علی التانی والباطن علی الدانی لیس ظهوره خلاف بطونه ولا بطونه ضد ظهوره حضوره غیبه غیبه حضوره ظهوره بطونه بطونه ظهوره وجوده شهوده کونه وجوده اللهم انت انت لست انت الا انت والمدح بالاطراء والصلوٰة و الثناء بالربا والنما علیٰ محمد ن المصطفیٰ المختص المجتبیٰ بالقرب والدنیٰ الذی ربه تعالیٰ عنه حکی فکان قاب قوسین او ادنیٰ وعلیٰ آله اهل الزهد والتقیٰ وصحبه منازلة الظلام و مصابیح الدجیٰ وعترته الّذین طهر هو اللّٰه تطهیرا۔

(سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو جلوہ فرما ہے' فرماں بردار' نافرمانبردار' نیک' گنہگار پر۔ وہ قریب ہے نزدیک والے اور دور والے سے۔ وہ ایسا ایک ہے جو دوسرے تیسرے کی گنتی میں نہیں آتا۔ وہ ظاہر ہے دور والے پر اور باطن ہے نزدیک والے پر۔ اس کا ظہور اس کے بطون کے خلاف نہیں۔ اس کا بطون اس کے ظہور کا ضد نہیں۔ اس کا حضور اس کا غیب ہے اس کا غیب اس کا حضور ہے اس کا ظہور اس کا بطون ہے۔ اس کا بطون اس کا ظہور ہے اس کا وجود اس کا شہود ہے۔ اس کا ہونا' ہو جانا' ہست ہونا ہی اس کا وجود ہے۔ اے اللہ تو تو ہے تیرے سوا کوئی نہیں تو ہی تو ہے۔ انتہائی

تعریف طراء کے ساتھ' مبالغہ کے ساتھ اور مدح وثناء (توصیف وخوبی) درود وسلام' زبا ونما کے ساتھ بہت ہی بلند فائدہ مند (فوائد عطا فرمانے والے) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر کہ آپ مخصوص ہیں' برگزیدگی' نزدیکی اور تقرب خاص سے کہ آپ کی شان میں پروردگار تعالیٰ و تبارک فرماتا ہے کہ قاب قوسین الخ ''مل گئیں دونوں کمانیں بلکہ قریب تر سے بھی قریب ہو گئیں۔'' آپ پر آپ کی آل پر جو صاحبان زہد وتقویٰ ہیں اور آپ کے اصحاب پر کہ دور کرنے والے ضلالت (گمراہی) کے اور روشن ستارے ہیں ہدایت (صحیح راستہ پانے) کے۔ آپ کی عترت پر جن کو اللہ تعالیٰ نے پوری طرح سے پاک کیا' پاکی کے ساتھ پاک ومطہر ہیں۔

لہٰذا بعد (مدح وثنا کے بعد) کہنا یہ ہے کہ اس زمانے میں جب کہ ہجرت سے سات سو بیانوے (۷۹۲ ہجری) سال گزر چکے ہیں۔ سمجھو کہ آٹھ سو ۸۰۰ کے قریب پہنچ گئے ہیں آفات (دکھ۔ مصیبت) بلیات (بلائیں) فتن (فتنے۔ آزمائشیں) مصائب (تکالیف) گناہ (بدکاریاں) ملکوں شہروں میں ہر طرف سے امڈ آئے ہیں۔ چھوٹے بڑے' لکھے پڑھے' ان پڑھ' عالم جاہل سب کو جھوٹ سے مالا مال (بھرپور) پاؤ گے۔ جنہیں کچھ بھی نہیں آتا' انہوں نے بھی اہل تحقیق کی طرح زبان کھول رکھی ہے۔ ثابت و استوار قدم گمراہی میں ڈالے ہوئے ہیں یعنی گمراہی کو ہدایت سمجھے ہوئے ہیں اور اسی پر ایقان بھی رکھتے ہیں۔ نعوذ باللّٰہ من شرور زماننا نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سئیات اعمالنا (پناہ مانگتا ہوں اللہ کی اپنے زمانے کی برائیوں سے اور اس زمانے والوں سے پناہ مانگتا ہوں اللہ کی اپنے نفوس کی برائیوں اور عمل کی خرابیوں سے) جتنا دیکھتے جائیں اور زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ اس زمانے میں بہت کم آدمی ایسے ہیں جو گھاٹے میں نہ ہوں۔ دشمن کے شکار نہ ہو گئے ہوں۔ شاید ہی کوئی ایسا دل ہو جو دنیا میں مبتلا نہ ہو۔ اس لئے سلوک میں گفتگو کرتے ہوئے اس کے بارے میں کچھ کہنے سے شرم آتی ہے۔ حیا روکتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ کس طالب نے شریعت کی داد دی (جیسا کہ بجالانا ہے' کہاں بجالایا) کہ تم زاہدوں عابدوں کے رمز (راز) محبت و

طلب والوں کے معاملات و اسرار بیان کرنے بیٹھ گئے ہو۔ ثابت کرنے ثبوت دینے، سندیں، دلیلیں پیش کرنے ایسی باتیں سنانے لگے۔ سچ ہے، ارے بھائی ذھب العلم واھلہ (علم چل دیا۔ اس کے اہل گزر گئے۔)

''عجیب تر بات یہ ہے کہ انسان کے وجود میں آنے کا موقع ہی نہیں آیا۔ انسانیت میں نہ آیا۔ ابھی نطفہ باپ کی پیٹھ تک نہیں آیا۔ ماں کے رحم میں اس کے ٹھہرنے کی جگہ ابھی بنائی نہیں گئی کہ آپس میں جمع ہو جائیں۔ دونوں کی صلاحیت آپس میں مل کر ضم ہو کر باہر کی طرف رخ کرے۔ ماں کا رحم اس خلقت و قابلیت کو اپنے میں لینے کے بعد جذب کر کے نطفہ کو ٹھہرا لے۔) بندۂ خدا۔ اتنا تو ہو کہ الیٰ ان یبلغ المرء حد الاربعین (کم از کم مرد چالیس سال کو تو پہنچ جائے) شاید اس عمر میں اس جہاں کا شعور اس کا نقد وقت ہو سکے (ہاتھ آ جائے) وہ خالی خولی حکایتیں جو صرف سنی ہوئی، اہل تحقیق کی کتابوں میں لکھی ہوئی دیکھی جاتی ہیں ان کو خدا کی قسم خدا ہی جانے۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ جو تم نے سنا یا دیکھا وہ سمجھ نہ سکے اور جو تم نے پڑھا اس کو جان نہ سکے۔ ذرا غور کرو کہ تم ایسے ہوتے ہوئے بھی، تمہاری یہ حالت ہے کہ تم معارف و حقائق میں، جو سب بیانات میں نازک تر ہے، بلکہ باریک تر ہے زبان چلاتے ہو۔ زبان درازی کرتے ہو۔ تم یہ تو اچھی طرح سے جانتے ہو کہ ناجائز کا جائز رکھنا کھلی گمراہی ہے، بے دینی ہے، گناہ کبیرہ ہے۔ ان صورتوں، ان حالات کو دیکھ کر میں نے ارادہ کیا کہ چند باتیں اشارتاً اقصاف صفات، تعزز ذات میں لکھوا دوں تا کہ وفادار دوستوں، سچے بھائیوں کو قیاس صحیح کے ساتھ، حق کی ٹھیک سوچ اور راہ حق کا صحیح طریقہ آ جائے اور ان ملاحدہ، الحاد میں پھنسے ہوئے بے دینوں کی گفتگو جو اپنی تحریر و تقریر و بیان میں نزاکت خیال، باریکیٔ بیان کی شہرت رکھتے ہیں، اس میں جو بدعت (نئی بات خلاف سلف) کدورت (گدلا پن) اندھیر، راستہ سے بھٹکے ہوئے ہونا اور گمراہی انحراف و انکار ہے، جس سے وہ بے خبر ہیں، اپنی ہوا میں آپ ہی بہہ گئے ہیں، پوری طرح سے سمجھ میں آ جائے۔ سب کچھ سمجھ جائیں۔ اسی کو ہم اچھی طرح سے تفصیل کے ساتھ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ تا کہ

سالک ایسے دینداروں کی اقتداء (پیروی) کریں جن کی شان میں، جن کے بارے میں المرد علیٰ دین خلیله (مرد اپنے دوست کے راستے پر ہوتا ہے) کہا گیا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ ساتھیوں کو سیدھے راستہ پر لے جانے منزل تک پہنچنے کا راستہ بتلانے کے لئے شرائط موافقت (برابری و یکسانیت کی شرطیں) ومصادقت (دلی دوستی) کا جاننا ضروری ہے۔ دین کی حمیّت اور اس کا اقتضا بھی یہی ہے کہ حق چھپا نہ رہے۔ دین اسلام کی راہ ٹیڑھی نہ ہو جائے۔ جو خدا رسیدہ حضرات ہوتے ہیں وہ کسی کے لئے یہ روا نہیں رکھتے کہ وہ حرمان (دوری، محرومی) میں پڑ جائے یا رہ جائے۔ دستگیری (مدد دینا۔ ہاتھ پکڑنا) ثابت قدم حضرات ہی کا کام ہے۔ مردان حق کام کی حقیقت کی تحقیق رکھتے ہیں۔ انہی کا یہ حوصلہ ہے۔ ہم نے اس رسالہ کا نام استقامت فی الشریعت بطریق الحقیقت رکھا ہے تا کہ یہ اسم با مسمّیٰ ہو جائے (جیسا کہ اس کا نام ہے یہ ویسا ہی نامزد ہو جائے) وباللّٰہ التوفیق (راستہ دکھلانا اللہ کا کام ہے)۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم منه استعانة

(شروع کرتا ہوں نام سے اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ اس کی مدد و یاوری ہے)

قال اللہ تعالیٰ: قُلِ ادۡعُوا اللّٰهَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ اَیًّامَّا تَدۡعُوۡا فَلَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی۔ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن، جو بھی نام سے پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں)

قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ان لله تسعة تسعین اسماً مائة غیر واحد (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نام ننانوے ہیں۔ سواں نام ایک اور بھی ہے) بعضوں نے اسم کو عین مسمّٰی کہا اور بعضوں نے غیر مسمّٰی دونوں نے جو کچھ کہا وہ ایک اعتبار اور اس کی نسبت سے کہا۔ مثلاً ایک شخص ہے جس کا نام زید ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ زید کا نام اس کا عین نہیں، نام ہی نام ہے تو یہ بات بھی درست ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ زید آیا، زید گیا، تو زید جو نام ہے، اس سے زید ہی مراد ہوتا ہے۔ یعنی اسم ہی عین مسمّٰی ہے۔ اس لحاظ سے جس کو تم نے زید کہا وہی شخص اس اسم کا مسمّٰی ہوا۔ یہ سب جانتے ہیں کہ ہر نام کا ایک منشاء ایک صفت ہوا کرتی ہے۔ اللہ جل شانہ الوہیت صفات کے ساتھ ہے اس لئے اس کا نام اللہ ہوا۔ اس کی صفت رحمت ہونے سے وہ رحمٰن سے موسوم ہوا، اور جس قدر صفات ہیں ان کو اسی پر سے قیاس کر لو۔ بعض صفات کو عین ذات کہتے ہیں اور بعض صفات کی نفی کر کے یہ کہتے ہیں کہ رحمت کا ظہور اس سے ہوا اس لئے اس کو رحمٰن و رحیم کہتے ہیں۔ قہر ظاہر ہونے سے اس کو قہار کہا گیا ہے۔ صفات کو عین ذات ماننے والوں میں سے بعض وہ ہیں جو صفات کو اضافی کہتے ہیں۔ اضافی کہنے والوں کے لئے صفت حیات صفت علم کی نفی کو ثابت کرنا دشوار ہو جاتا ہے، لیکن تاویل و تحمیل (ٹال مٹول) کر کے باتیں بنانے لگتے ہیں۔ وہ جو

صفات کو غیر ذات کہتے ہیں ان کے لئے حیات اور وجود کو غیر کہنا مشکل تر ہو جاتا ہے۔ اس طرح کہنے سے قدیمات ثابت ہو جاتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ صفات عین ذات ہیں نہ غیر ذات بلکہ ایک لحاظ سے عین ذات ایک اعتبار سے غیر ذات ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ بعض صفات عین ذات ہیں جیسے کہ وجود' حیات' بقا' بعض غیر ذات جیسے کہ خلق' رزق' احیاء' سب اسی کو پکڑے ہوئے ہیں۔ اسی کے ایک ایک طرف کو کہ حق ہی حق ہے' جو گرمی و نرمی کرتا ہے' پنجہ مارتا ہے قابو میں کر لیتا' چھوڑ دیتا ہے رحم کرتا ہے۔ بنیادی خوبیوں (امہات صفات) کو بعض نے نو بعض نے سات بعض نے چار کہا ہے۔ ابوالحسن اشعری رحمتہ اللہ علیہ وہ ہیں جو متکلمین کے امام و پیشوا ہیں ہاتھ' منہ استواء کو بھی ثابت کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ حقیقی ہیں۔ ہاتھ قدرت کے معنی میں نہیں ہے۔ وجہ ذات کے معنی میں نہیں۔ استویٰ بمعنی استیلا نہیں۔

اللّٰھم (اے ہمارے پروردگار) یہ مرد متکلم' دلیل و برہان (حجت و سند) کے ساتھ ہے لیکن وہ عین عیان (کھلی حقیقت) کی خبر نہیں رکھتا۔ اگر ہاتھ منہ استویٰ کو از قبیل تمثل کہہ جاتا تو وہ ایک توجیہ کی صورت ہو سکتی تھی کیونکہ صورت جیسی کہ ہے' ہے۔ تمثل' تشکل میں جو کچھ دکھلائی دیتا ہے وہ ایسا نہیں ہوتا۔ لیکن ویسا ضرور دکھلائی دیتا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس وحیہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام کی صورت نہ تو وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت کے جیسی ہے نہ جبرئیل علیہ السلام نے وحیہ کلبی کی صورت لی مطلب یہ کہ وہ ویسے ان کے جیسے ضرور دکھلائی دیتے تھے۔ لیکن وہ ویسے نہ تھے نہ ہیں۔ اگر یہ کہیں کہ ذات کے ہاتھ ہیں تو کیا وہ ہاتھ ویسے ہی ہیں جیسے کہ محبوب کے ہوتے ہیں۔ محبوب کے ہاتھ میں اعصاب (رگ پٹھے) ہڈیاں گوشت پوست خون چمڑا ہوتے ہیں۔ گھٹتے بڑھتے کھلتے بند ہوتے ہیں۔ ایسی باتوں سے جو کہی گئی ہیں ہم اللہ کی پناہ میں آتے اور استغفار کرتے ہیں اور سختی کے ساتھ انکار کرتے ہیں کہ یہ سب اس کو جیسا کہ سمجھنا چاہیئے نہ سمجھے۔ کچھ کا کچھ کہہ گئے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ قاضی عین القضاۃ ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ نے لمس (چھونا)

شم (سونگھنا) ذوق (چکھنا' ذائقہ) کا اس میں ہونا ثابت کیا ہے۔ اس بارہ میں ہم یہ کہتے ہیں کہ ان کی مراد یہ ہے کہ جب میٹھا کھاتے اور اس کو چباتے ہیں' منہ میں گھولتے پھراتے اور نگل جاتے ہیں تو وہ حلاوت جو حلق میں محسوس ہوتی ہے وہی اس کو بھی ہوتی ہے مگر بغیر آلات کے۔ فاللّٰہُ الکبیر المتعالِ عن هذه المقال (اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ایسی باتوں سے پاک ومنزہ ہے) قربت ومعیت کے اعتبار کرتے وھو معکم اینما کنتم (وہ تمہارے ساتھ ہے۔ جہاں کہیں بھی تم ہو) و نحن اقرب الیه من حبل الورید (ہم شہ رگ سے بھی نزدیک تر ہیں) و نحن اقرب الیه منکم ولکن لا تبصرون (ہم تم سے بھی تمہارے نزدیک تر ہیں لیکن تم نہیں دیکھ پاتے) کا اشارہ تمہارے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو ذرہ بھی ذرات وجود سے ہے وہ اس کے ساتھ ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ وہ علم وقدرت کے ساتھ ہے تو علم وقدرت صفات ذات ہیں۔ صفات غیر ذات نہیں اسی صورت میں وہ ذات ہی کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ نحن (ہم) اور انا (میں) کے بارے میں گفتگو کرنے والوں کی بے تکی باتیں ان کی پہنچ اور سمجھ کی حکایت کرتی ہیں۔ اس کے سوائے جو معنی بھی کرو گے یا کہو گے وہ کوئی تاویل ہوگی یا تحمیل (کسی چیز کو ظاہر معنی سے پھیرنا اور ہی معنی بیان کرنا مگر مناسبت کے ساتھ) خیالی گدے لگانا ہوگا۔

جب تم یہ جان گئے' سمجھ چکے تو اس کو یہی سمجھ لو کہ لمس' ذوق' شم' ظاہری حواس اجزائے انسانی سے متعلق و منسوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ''جز'' کے ساتھ ضرور ہے۔ اگر وہ کسی جز کے ساتھ نہ ہو تو وہ ''جز'' جز ہی نہیں۔ میٹھی' کڑوی' بدمزہ جس کا احساس بلحاظ حس ہر انسان کرتا ہے وہ ہرگز نہ کر سکے گا کیونکہ سب کی حیات' سب کا قیام اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ہی سے ہے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ تم ان اجزا کا تجزیہ کرتے چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ ایسا حصہ رہ جائے جو قابل تقسیم قابل تجزیہ نہ ہو۔ اس سے تم اس نتیجہ پر پہنچ جاؤ گے کہ وہ جز لا یتجزیٰ ہی ہے جو لذت پائی ہوئی' سونگھی ہوئی' چھوئی ہوئی' چکھی ہوئی کا احساس کرتا ہے اس لئے یہ اسی سے ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا۔

احساس اس کے جزو نہیں کرتے بلکہ وہی کیا کرتا ہے جس سے یہ اجزاء قائم ہیں۔ کیونکہ دراصل حیٔ (زندہ) متحرک (حرکت کرنے والا) واجد (مزہ لینے پانے والا) وہی ہے۔ اسی سے اس نے یہ وجدان (یافت) پایا ہے۔ اس سے یہ سمجھ میں آ جاتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ چھونے، سونگھنے، مزہ پانے، لینے کی تعریف و حکایت، کسی درمیانی واسطہ کے بغیر اسی کے لئے ہے۔ اگر کسی قسم کی تشویش کسی کے دل و جان میں آئے الحاد و اباحت کی صورت کا نقش بنائے اور یہ دکھلائے کہ جب لذت لینے پانے والا، چھونے والا، سونگھنے والا وہی ہے تو پھر حلال کیا اور حرام کیا۔ سب ایک ہی درجہ میں آ جاتے ہیں، ایک ہی تار میں بندھ جاتے، منسلک ہو جاتے ہیں۔

نعوذ باللّٰہ من شرّ الشیطان و من شر ھذا الظان (پناہ میں آتا ہوں اللہ کی شیطان کے برائی ڈالنے سے اور ایسے برے وہم وگمان کے آ جانے سے) وہی اشکال جو کہ قضا و قدر میں رونما ہوئے تھے وہی اس وجہ میں روشن تر زیادہ کھلے) دیکھے گئے۔ قدری، سنی، اشعری، جبری، سب یہی کہتے ہیں کہ اِنَّ اللّٰہَ لَیۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ (اللہ اپنے بندوں پر ظالم نہیں، ظلم نہیں کرتا۔)

اس نے ایک تقدیر ٹھہرا دی، ایک قضا جاری کی، افعال و حرکات کو پیدا کیا۔ وہی اپنے پیدا کئے ہوئے پر عذاب کرتا ہے۔ اس سوال کا جواب، اس مشکل مسئلہ کا حل ان اشکال کی صورت پذیری، صورت نمائی ان کا سمجھنا لوگوں کے لئے ایک پہاڑ ساسخت اور مشکل کام بلکہ محال کے مرتبہ کو پہنچ گیا ہے۔ اگرچہ ان میں بیان کرنے کی طاقت، کہنے کی قوت کافی ہے لیکن اس کے بیان کرنے، ان گتھیوں کو سلجھانے میں سب کا منہ بند ہے۔ زبان خشک ہو کر رہ گئی ہے۔ ان کا جو کچھ بیان ہوتا ہے وہ مٹکے (مٹی کا برتن) اور مٹکے کے بنانے والے کی تعریف کا سا ہو کر رہ گیا ہے۔ صاحب شرع علیہ السلام نے فرما دیا کہ اذا ذکر القدر فاسکتوا (جب مسئلہ قدر کا ذکر آ جائے تو خاموش ہو جاؤ) بعض یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ خوب جانتے ہیں کہ ہر چیز کو خود پیدا کیا، ہر کام خود کیا، خود ہی عذاب کرتا ہے۔ یہ ظلم نہیں تو کیا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ تم اس بھید سے واقف نہیں ہو۔

چاہے تم ''جبر'' پر اعتقاد رکھو یا ''قدر'' پر۔ یہ دونوں معتقدات جان کا جنجال اور وبال ہیں۔ عذاب و مصیبت ہیں۔

محمد حسینی جو شیخ الاسلام نصیر الدین محمود اودھی رحمتہ اللہ علیہ کے مریدوں میں سب سے کم درجہ کا مرید اور آپ کے شاگردوں میں بہت کم مرتبہ کا شاگرد' پردہ میں چھپی ہوئی کو باہر لایا۔ منہ ڈھانکی ہوئی کو بے نقاب کر دیا ہے۔ علمائے باللہ کی جوانمردی ان کی انتہائی جستجو نے ہر ایک معنی کو کھول دیا ہے ہر ایک بات ان کے قابو و اختیار و بیان میں آ گئی ہے انہوں نے ہر چیز کو اچھی طرح سے ظاہر کر دیا ہے۔ لیکن اس گفتگو' اس بارہ میں خود کام (اپنے کو کچھ سمجھے ہوؤں) کے جگر خون اور سر نیچے ہو گئے۔ کوئی جواب ہاتھ نہ آیا۔ جواب دینے پر قادر نہ ہو سکے۔ اگر تم مرد ہو' تم میں جوانمردی ہو تو ذرا دل کی گہرائیوں سے اچھی طرح سے کان لگا کر سنو۔ جب تک ہمہ تن جان (پورے طور سے روح) اور سراپا بصر (سر سے پاؤں تک آنکھ) بالکلیہ فواد (دل کا مخصوص اندرونی حصہ) یعنی تہہ دل سے نہ سنو گے اس چھپی ہوئی بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکو گے۔ ہماری بات کو پا نہ سکو گے تمہارے لئے عزت و حیا والے معشوق کا خوبصورت حسن دیکھنا مشکل ہو گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم باللّٰهِ التَّوفیق

(شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' انتہائی بخشش کرنے والا ہے۔

اللہ ہی کا کام راستہ بتانا' ہدایت دینا ہے۔)

اللہ جل شانہ' عناصر کو عالم غیب سے عالم جسم و جسمانیت میں لے آیا' ان کو نہ تو مادہ سے نہ اس کے جیسے سے لے آیا۔ فلسفہ کے ماہر جنہیں ہم شیطان کہتے ہیں وہ ہیولیٰ (مادہ اصلی) کو قدیم کہتے ہیں۔ صورت کو حادث (نو پیدا) بتاتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا نہ ہو تو تقدر و استحالہ (پلید رہنا' محال کی طلب) رونما ہو کر ایک دور تسلسل (گردش سلسلہ بندی) کا مرحلہ پیش آ جاتا ہے۔ بخلاف اس کے محققین یہ کہتے ہیں کہ اللّٰہ مصدر الموجودات ای مبدھا و مرجعھا لا شاحته فی الالفاظ (اللہ پیدا و ظاہر کرنے والا ہے کائنات کا بلکہ اس کی ابتداء و انتہاء اور اس کا لوٹنا۔ کوئی کسر الفاظ میں نہیں) وہ اس مشکل کے دور ہونے کے لئے کہا کرتے ہیں کہ یہی ہیولیٰ ہے۔ یہ سب کچھ جو کہا جاتا ہے وہ بطور انکار کہا جاتا ہے۔ اذا اراد اللّٰه شیئا ان یقول له کن فیکون (اللہ جب ارادہ کرتا ہے کسی چیز کا تو کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے) کن۔ کو ہیولیٰ تصور کر لو' قدیم سمجھ لو۔ فیکون کو صورت تصور کر لو' حادث جان لو۔ اللہ تعالیٰ نے چاروں عناصر کو ایک دوسرے کی ضد بنایا۔ ہر ایک کی ایک طبیعت ٹھہرائی۔ ان کی خاصیتوں میں ایک نسبت خاصہ رکھ کر ان کو ظاہر کیا تاکہ ان کا آپس میں میل ہو جائے وہ یکساں ہو کر آپس میں مل جائیں ان میں امتزاج طبعی حاصل و پیدا ہو جائے۔ خود اس نے ان کو آپس میں ملا دیا۔ اسی نے آگ کو گرم و خشک' مٹی کو سرد و خشک' خشکی کی وجہ سے مٹی اور آگ میں ایک مناسبت و نسبت ہو گئی۔ پانی سرد و تر ہے۔ مٹی و پانی میں سردی ہونے سے ایک مناسبت' نسبت ان میں پیدا ہو گئی' ہوا

گرم وتر پانی اور ہوا میں تری ہونے سے' پانی اور ہوا میں ایک مناسبت ونسبت پیدا ہو گئی اور گرمی کی نسبت سے آگ سے مناسبت ونسبت ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آپس میں جوڑ دیا ان کو آپس میں ملا کر نتائج کو ظاہر کر دیا۔ بعض لوگ عناصر کو امہات یعنی اصل و ماہیت کہتے ہیں اور نتائج کو موالید (پیدا شدہ) کہتے ہیں۔ ان ہی پیدا کئے گئے ہوؤں میں سے ایک آدم علیہ السلام کا ہونا بھی بتلاتے ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ صفرا آگ سے' سودا مٹی سے' بلغم پانی سے' خون ہوا سے نسبت رکھتا ہے۔ غور سے سنو۔ اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے آدمی پیدا کئے ہیں۔ (۱) موحد (خدا کو ایک جاننے ماننے والا) (۲) مشرک (خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے والا) مشرک کو اور اس کے شرک کو پیدا کیا' شرک میں رہنے کو پیدا کیا۔ مشرک کو شرک پر ثبوت دیا' یعنی قیام و ثبات دیا الیٰ ان یتم امرہ علیہ (اس وقت تک جب تک کہ اس کا حکم پورا ہو گیا) یعنی موت آ گئی۔ پانی مٹی آگ ہوا کے جو اجزاء ان کے ساتھ تھے' وہ متفرق ہو گئے۔ ہر چیز نے اپنے کل کے ساتھ میل کلی کیا' پورا میل کھایا۔ پھر ان کے اجزائے متعینہ (ٹھہرائے ہوئے حصے) متشخصہ (تشخص شخصیت دی ہوئی صورتوں) کو اس نفس معین (ٹھہرائی ہوئی جنس میں وقت میں) کہ صفت تعین (اعتبار ایک قسم کا) لے لیا تھا پھر جمع و یکجا کر دیا کہ وہ ایک ترکیب ایک صفت لے چکی تھی۔ چونکہ اس سے پہلے بھی اس کی غیر تھی اس لئے اس کو کلیت کے ساتھ بازگشت میسر نہ ہوئی کیونکہ وہ تعین و تشخص ایک اعتبار سے زیادہ نہ تھا۔ اس کا غیر ہو گیا تھا' اس لئے اس کے لئے بس طرف سے وہ گیا تھا اس کے سوائے اس کے لئے کوئی اور راستہ واپسی کا نہ رہا۔ یہ اس لئے کہ ہر ایک کی رجوع (واپسی) بلحاظ نسبت اسی کے ساتھ ہے۔ اس کو جب دوبارہ پیدا کیا تو اسی شرک کے ساتھ پیدا کیا۔ یہ دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ جو اس کے شرک کے ساتھ ہے جس کے بارے میں کما تعیشون تموتون کما تموتون تبعثون (جیسے جئیں گے ویسے مریں گے جیسے مریں گے ویسے ہی دوبارہ زندہ کئے جائیں گے) فرمایا گیا۔ دوزخ کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ دوزخ میں جو دکھ تکلیف رنج دینے والے امور ہیں یا چیزیں ہیں

ان سب کو اسی نے پیدا کیا۔ آگ کے قبول کرنے کے لئے مشرک کے جسم کو اسی نے پیدا کیا۔ مشرک میں تکلیف رنج کے پانے کو بھی اس نے پیدا کیا۔ مشرک کے چلانے' پکارنے' فریاد کرنے' تکلیف دکھ درد اٹھانے' رونے چلانے کو بھی اسی نے پیدا کیا' ایسی تکالیف اٹھانے کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ اب کہو کہ تمہارے کون سے سوال کا جواب باقی رہا ہمارے کہے ہوئے میں غور کرو گے تو ظاہر ہو جائے گا کہ ظلم ہوا ہی نہیں ...... ہوتا ہی نہیں جب یہ بات ہو تو تم ہی کہو کہ جبر (دباؤ) کہاں ہے۔ کون سی کھڑکی سے سر نکالا ہے' کیسے ہوا' اس کو جبر کیسے کہہ سکتے ہیں۔ وہ اپنے ساتھ آپ ہی کھیل رہا ہے۔ اپنے آپ سے آپ ہی مشغول ہے۔ غیر کے ساتھ وہ مشغول ہی نہیں۔ ظلم اس وقت ہوتا جبکہ ہماری خدا کے ساتھ وہی نسبت ہوتی جو بادشاہ کے ساتھ رعایا کو۔ مالک کے ساتھ غلام کو کہ ایک آقا' ایک بندہ' ایک مالک ایک مملوک ہوتا ہے۔ ہم ہم اور سلطان سلطان۔ جو کچھ وہ کہے ویسا کریں۔ مامور و مفعول اس کے کہے ہوئے کے مطابق کرنے پر بھی عذاب ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ ظلم ہوا۔ اللہ تعالیٰ۔ خود بنایا۔ خود کیا۔ خود فرمایا۔ خود عذاب کیا تو اس کو ظلم کیسے کہہ سکتے ہیں۔ ظلم کا گزر کیسے ہو سکتا ہے۔ ہمارے اس بیان سے قضا و قدر کے اشکال کمزور ہو گئے۔ وہم و خیال قدری جبری ناتواں ہو گیا۔ ہماری بحث سے جیسا کہ چاہئے مقصد و مطلب مل گیا ثابت ہو گیا۔

حکماء و فلاسفہ نے ہیولیٰ و صورت میں جو بحث کی ہے وہ بیان ہی بیان ہے' اس کے سوا کچھ نہیں۔ اس حقیقت کو وہ جان نہ سکے پراگندہ و پریشان ہو گئے۔ ذرات کی طرح ہوا میں اڑ گئے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر غلبہ پا گئے' تحقیق کے میدان میں بازی لے گئے۔ مر کر اٹھنا سچ ہے' دوزخ کا ہونا سچ ہے اللہ تعالیٰ کو ظلم و ستم کے ساتھ نسبت نہیں دی جا سکتی اللہ جب چاہتا ہے کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے تمہارے لئے اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا۔ تمہارے افعال کو بھی پیدا کیا۔ یعنی جو تم کرتے ہو اس کو بھی پیدا کیا۔ اللہ ہی کے لئے بہترین دلیل ہے۔ اب ہم ابتدائی کلام کی طرف لوٹتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ کہا وہ تم سمجھ گئے ہو گے۔ لذت' راحت' نفرت'

کراہیت کا پانے والا اس سے مزے لینے والا وہی ہے۔ جنت، حور، باغ، جنگل، میدان، دوزخ، آگ، جلنا، بھوک وہی ہے۔ یہ سمجھ لو کہ مطیع و فرمانبردار کے لئے جنت، حور، تعریف، شاباشی واہ واہ ہے۔ کافر، مشرک، گنہگار، حکم نہ ماننے والے کے لئے دوزخ، آگ میں جلنا، تھوتھو تھوتڑلہ، لعنت ملامت۔ مومن، مطیع لطف سے نسبت رکھتا ہے۔ مشرک بدبخت قہر سے نسبت رکھتا ہے۔ جنت کو صفت لطف۔ دوزخ کو صفت قہر سے پیدا کیا۔ جس کی جو نسبت یا مناسبت ہوتی ہے وہ اسی طرف جاتا ہے نہ جائے تو لے جایا جاتا ہے۔ جنسیت کا رابطہ (ایک قسم میں سے ہونے کا لگاؤ) اس کو کھینچ کھانچ کر اسی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ یہ جو فرمایا گیا کہ بعض خدا کے دوستوں کے گلے میں نور کی زنجیریں ڈال کر انہیں کھینچ کر جنت میں لے جائیں گے۔ یہ زنجیریں وہی رابطہ ہے۔ اللہ کے دشمنوں کو جنہوں نے اس کے ساتھ دوسرے کو شریک کیا اس کے غیر کی پرستش کی اس سے غفلت برتی۔ ان کی حالت کو یوخذ بالنواصی والاقدام (پیشانی کے بال اور چوٹی سے ان کو پکڑتا ہے) سے بیان کرتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ دوزخ میں دوزخی اسی طرح رہیں گے جیسے کہ آگ کا کیڑا آگ میں رہا کرتا ہے اور پانی میں مچھلی۔ بعض وقت ہیر پیچ کی باتیں بکٹ (ہٹ دھرمی) کے سوال پیدا ہو جاتے ہیں۔ جہاں سب کی زبانیں گونگی اور خاموش ہو جاتی ہیں۔ راہ تحقیق میں چلنے والوں کے قدم کٹ جاتے ہیں۔ جب شرک کو آگ سے بنایا گیا وہ دوزخی ہے تو اس کو دوزخ میں وہی راحت ملنی چاہئے جو آگ کے کیڑے کو آگ میں، مچھلی کو پانی میں ملتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آگ کا کیڑا آگ میں اور مچھلی پانی میں پیدا ہوئی۔ یہ آگ و پانی سے نکلے، اسی میں رہتے ہیں ان کا قوام (اصلی بناوٹ) اسی سے ہے بخلاف اس کے مشرک صرف آگ ہی سے بنا ہوا نہیں ہے۔ اس لئے اس کو دوزخ میں راحت نہیں مل سکتی۔ دوزخی کے متعلق ایسا قیاس انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ، ان کے اقوال و تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ انبیاء علیہم السلام سب کو خدا کی طرف بلانے، اس کا پیغام پہنچانے کے لئے آئے۔ سب نے یہ خبر دی کہ دوزخ میں دکھ ہوگا۔ دوزخی کو عذاب پہنچائے جانے کا ذکر

کیا اور تکرار کے ساتھ فرمایا کہ دوزخ میں عذاب دیا جائے گا' دکھ پہنچایا جائے گا۔ ہر نبی علیہ السلام کے فرمائے ہوئے کو لکھوں تو طوالت ہو جائے گی۔ جتنے بھی اہل کتاب ہیں' انہیں یہ معلوم ہے۔ سب کا متفقہ اعتقاد یہ ہے کہ دوزخ تکلیف دہ مقام ہے۔ محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ دفع اعتراض قرآنی کے لئے کہتے ہیں کہ عذاب مشتق ہے۔ عذابة الماء سے یعنی تکلیف نہ ہوگی رنج نہ ہوگا لیکن قرآن شریف میں عذاب جس معنی میں آیا ہے وہ اس معنی میں نہیں' ہرگز ایسا نہیں۔ ایسی تاویل لائق بھروسہ نہیں۔ اعتبار کے لائق نہیں۔ کیونکہ جتنے دین حق آئے جو کچھ اس میں بتلایا گیا' وہ اس کے خلاف ہے اور سچی خبر جو انبیاء علیہم السلام نے دی اور سچے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی خبر کے بھی بالکل خلاف' اس سے ہٹی ہوئی اور علیحدہ ہے۔

قرآن شریف میں جن جن آیات میں عذاب کا لفظ آیا ہے۔ وہاں الم' ایذا' رنج' دکھ' تکلیف کو صاف عبارت' صریح بیان کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ جس کی اہل تفسیر اہل فقہ نے نہایت خوبی کے ساتھ تشریح و تفسیر و تفہیم کی ہے۔ جس میں تاویل و تحویل کی ذرا بھی گنجائش نہیں۔ نعوذ بالله منه (پناہ مانگتا ہوں اللہ سے ایسے کہنے سے) محمد حسینی۔ اَنّي اَنا اللّٰه. (میں ہی اللہ ہوں) کی آگ سے ایک چنگاڑی لے کر مشکوٰۃ مصطفوی (فانوس چراغ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے چراغ روشن کیا ہے اور زجاجہ مرتضوی (قندیل علی مرتضیٰ رضی الہ عنہ) سے جلا (صفائی روشنی) پا کر روشن تر ہو گیا۔ وہ یہ کہتا ہے کہ اگر انسان آگ میں آگ کے کیڑے کے جیسا یا پانی مین مچھلی کی طرح ہوتا تو نتیجہ وہی ہوتا جو وہم کرنے والے (کا وہم مزاحمت بن کر) وہم کرنے والے کے لئے مشکل و مانع ہو جانے کی وجہ و سبب ہو کر اس کی قوت واہمہ کو (تحقیق) جانچ پڑتال کے حدود اور قیاس صحیح کے دائرہ سے باہر لے گئی۔ سنو! انسان اگر صرف آگ ہی کے میدان میں پھولتا پھلتا' پروان چڑھتا' وہیں سے سر نکالتا۔ آگ ہی میں سے یا آگ سے پیدا ہوتا تو یہ اعتراض ٹھیک ہوتا۔ ظاہر ہے کہ انسان کئی اجزاء سے مرکب ہے۔ جس میں ایک جز آگ بھی ہے اس کے باقی اجزاء دوسرے ہیں۔ یہ بھی سن

لو کہ ''ایلام'' عبارت ہے ایصال غیر موافق اور اتصال غیر ملائم سے (دکھ پہنچانا مراد ہے ناموافق چیز کے پہنچائے اور ایسے کے ساتھ ملا دینے سے جو مزاج وطبیعت کے خلاف ہو) اس سے اور سابقہ بیان سے تم نے فیض کی معیت، علم وقدرت کی قربت کو جان پہچان لیا اور یہ سمجھ چکے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کے ساتھ علم وقدرت کے ساتھ ہے۔ وہ نہ تو خارج ہے نہ داخل نہ قریب ہے نہ بعید۔ (نہ اندر ہے نہ باہر۔ نہ نزدیک ہے نہ دور) نہ متصل ہے نہ منفصل (نہ ملا ہوا ہے نہ جدا) چنانچہ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ اسی مکاشفہ کی بناء پر فرماتے ہیں۔ انه مع کل شئ لا مقارنة و غیر کل شئ لا بمزائلة (وہ ہر چیز کے ساتھ ہے لیکن باہم نزدیک ہونے کی طرح نہیں۔ وہ ہر چیز کا غیر ہے لیکن باہم دور ہونے کی طرح نہیں) یہ قرب (نزدیکی) بُعد (دوری) اجسام کی دوری ونزدیکی کے جیسی نہیں یعنی گھاٹا پائی ہوئی یا کم کی گئی ہوئی نہیں پائی جاتی۔ ارباب معنی (علم وادب کے جاننے والے) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی رضی اللہ عنہ نے لاجواب، نادر تعریف فرمائی۔ یہ سب جانتے ہیں کہ کسی بات کو علم نحو یا اسم ورسم علم صرف کے مشتقات سے بیان میں نہیں لا سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے افعال کو صرف ونحو کے کلمہ سے ادا کیا تو کرتے ہیں لیکن یہ صورتیں وہ نہیں جن کو بغیر لپٹ جانے اور ملنے کے کہا کرتے ہوں۔ ابوعلی فارمدی رحمتہ اللہ علیہ نے گرگانی رحمتہ اللہ علیہ سے جو روایت کی ہے اس کے لحاظ سے کوئی مشکل یا شبہ کی صورت باقی نہیں رہتی کہ ان الاسماء التسعته والتسعین تصیر اوصاف العبد السالک وھو بعید فی السلوك غیر واصل (نام ننانوے ہیں بندہ سالک کے اوصاف کی صراحت کرتے ہیں کہ وہ سلوک میں دور ہے۔ ملا ہوا نہیں) گرگانی رحمتہ اللہ علیہ کو سلوک کے جنگل و بیابان کا ایک شیر سمجھو کہ جس کے دام میں ہر شکار آیا ہے۔ ان کے شکار بند سے ہر شکار کو باندھ دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود بھی وہ گھوڑا سوار اپنا گھوڑا اڑاتا رہا۔ اسی دوڑ و دھوپ میں رہا۔ کسی جگہ اپنے آپ کو نہیں ٹھہرایا۔ تم وہ ہو کہ تم نے ان کی گرد بھی نہیں دیکھی کسی مرد کا زین پوش (خوگیر کے اوپر کا کپڑا) تک نہیں تھاما۔ تو ان کی بات کو کیا پاسکو گے کہ اب تک تم

نے تھوڑا سا غبار بھی اس میدان کا نہ پایا۔ اس لئے ہم زیادہ وضاحت کے ساتھ کہتے اور شرح کرنے کی ضرورت پاتے ہیں۔ ایسا کھلا بیان کرنا چاہتے ہیں جس سے تمہارا دل کھل جائے اور پوری طرح سے تمہاری سمجھ میں آ جائے۔ سنو! ملک یعنی ناسوت (عالم اجسام) ملکوت (عالم فرشتگان۔ روح) لاہوت یعنی عالم الٰہی (غیب الغیب) جبروت (مجموعہ ناسوت' ملکوت والا ہوت) ''ملک'' عالم شاہد (حاضر موجود) کو کہتے ہیں۔ جس کا نام ناسوت (عالم اجسام) بھی ہے۔ ''ملکوت'' عالم شہود کے باطن کو کہتے ہیں کیونکہ ''روح الروح'' جس سے عالم شہود قائم ہے یہ اس کا خلاصہ ہے ''لاہوت'' وہ عالم ہے جس سے عالم ملکوت قائم ہے یہ خلاصہ کا خلاصہ ہے۔ ''جبروت'' وہ عالم ہے جہاں ملک ملکوت لاہوت جمع ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ جوز کا پوست عالم ناسوت' جوز کا مغز۔ عالم ملکوت۔ جوز کے مغز کا مغز عالم لاہوت۔ جوز کو پوست۔ مغز' مغز کے مغز کے ساتھ اعتبار دیا جائے تو اس کو جبروت یعنی سب کا مجموعہ خلاصہ کا خلاصہ اور نچوڑ کہتے ہیں۔ یہ چاروں کے چاروں انسان میں بالفعل موجود ہیں۔ جسم بمنزلہ ملک۔ روح ہو کہ انسان کا باطن ہے خلاصہ ہے یہی اس کا قیام قرار اور اصل ہے وہ بمنزلہ ملکوت ہے۔ روح الروح جو خلاصہ کا خلاصہ باطن کا باطن ہے جس سے روح کا قیام و قرار ہے اس کی جو اصل ہے وہ بمنزلہ لاہوت ہے۔ اب اس کو جب اعتبار دیا جاتا ہے تو اس کو جبروت کہتے ہیں۔

فیض قدسی قدیم ہے۔ اسی کو حکماء نفس جزئی کہتے ہیں۔ ہر بشر (آدمی) کی اصل کے ساتھ اس کو اس طرح متعلق تصور کر لو کتعلق الملک بالمدینۃ والعاشق بالمعشوق (جیسا کہ بادشاہ کا تعلق شہر کے ساتھ اور عاشق کا معشوق کے ساتھ) یہ تعلق یہ نزدیکی ایسی نہیں ہے جیسی کہ اجسام کی نزدیکی ہوا کرتی ہے یا ان کا تعلق اور دوری بھی ویسی نہیں جیسی کہ اجسام کی ہوتی ہے یا اس کا تعلق اس مطلب کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ وہ نزدیک بھی نہیں' دور بھی نہیں۔ ملا ہوا بھی نہیں' الگ بھی نہیں۔ اندر بھی نہیں' باہر بھی نہیں۔ فیض قدسی جسمانی نزدیکی دوری۔ ملنا' جدا ہونے کے جیسا ہونے

سے بالکلیہ پاک و منزہ ہے۔ پاک و منزہ ہوتے ہوئے بھی ہر شخص کی گردن کی رگ سے' ہر اس چیز سے جو انسان کے ساتھ ہوتی ہے وہ فیض اس سے بھی زیادہ نزدیک ہے' آنکھ میں' آنکھ کی پتلی میں۔ ہر ایک کے ساتھ کہ وہ اپنے ساتھ آپ ہوتا ہے اس سے بھی زیادہ نزدیک اور ساتھ ہے۔ وہ فیض قدیم ایک خاص پردہ میں جس کو تتق عزت کبریائی کہتے ہیں' چھپا ہوا۔ پردہ کیا ہوا۔ ڈھکا ہوا ہے۔ استتار تفرد (اکائی کا چھپانا) حجب استعلا (بلندی کے پردوں) میں ہے۔ یہ پردے' روک جو کچھ بھی ہیں اسی کی نسبت سے روک بنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ حجابه النور لو کشف لا حترقت سبحان وجهه ما انتهی الیه بصره من خلفه (نور اس کا پردہ ہے۔ اگر اٹھ جائے تو چہرے جھلس جائیں انتہا اس کی ہے وہ نور پردوں کے پیچھے سے دیکھتا ہے) جو پردہ' جو حجاب بھی ہے' وہ اسی جہت اور اسی جانب سے ہے جیسے کہ سبعی (درندگی) بہیمی (حیوانیت) شیطانی (شیطانیت) ملکی (فرشتگی) بہت سخت پردہ ہے' اس کا کھلنا سخت مشکل ہے اور وہ ہمیشہ کا چھپا رہتا ہے۔ یہی اس کا اثبات ہے۔ یہ وہم دوئی (دو ہونے کا مغالطہ (وہم) خیال نیستی (نہ ہونے کا گمان) تیرا اپنا گمان ہے۔ جب وہ دوام توجہ (ہمیشہ اسی طرف لگے رہنے) و پاکی نفس (جسم و دل کی صفائی) یعنی مجاہدات (عبادات و ریاضات سے ٹھیک ہو جاتا ہے تو یہ اندھیرے پردے جن کی نسبت سالک سے اور نورانی پردے جن کی نسبت الٰہی و ملکی (خدائی فرشتگی) سے ہم نے دی ہے۔ جن کی نسبت ہم اس سے پہلے کہہ چکے ہیں کہ جب سالک کے سامنے سے یہ ظلماتی (اندھیرے) پردے پھاڑ دیئے' چاک کر دیئے جاتے ہیں یا اٹھ جاتے' اٹھا دیئے جاتے ہیں تو غیر و غیریت اس کے سامنے نہیں آتی۔ اس طرح جب سالک کے دل کے سامنے سے نورانی پردے اٹھ جاتے ہیں تو وہ فیض قدیم جو ہمیشہ سے اس کے ساتھ ہے' اس پر مکشوف ہو جاتا ہے (کھل جاتا' دکھ جاتا ہے) تو خود بخود یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہر ظہوریت میں وہ ایک صفت کے ساتھ ہے۔ اپنی صفت میں آپ ہی تجلی کیا کرتا ہے (جلوہ نما ہوتا ہے) تجلی لطف کی' قہر کی (مہربانی کی غصہ کی' بزرگی کی' کبریائی کی بڑائی

کی) ہوا کرتی ہے۔ صورت کی مناسبت کے ساتھ ایک لطیف تجلی میں عجیب صورت کے ساتھ آتا، متجلی ہوتا ہے۔ اس کہنے سے شاید تم یہ گمان کرنے لگ جاؤ کہ یہ لطیف صورت وہاں کیونکر نقش پاتی (ٹھہر سکتی) ہے، کس طرح رنگ آمیزی (کھیل تماشے) کرتی ہے، کیسے منہ دکھلاتی ہے۔ یہ پیکر (تن۔ شکل۔ جسم۔ ڈھانچہ) عالم بے چون (نرا، عالم، خدائی بے مانند، جس کا کوئی ہمسر نہ ہو، غیب) سے چگونگی (ہونا، جسمانیت، شہادت) میں یعنی بے صورتی سے صورت میں آیا۔ تو اس کے لئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ سالک میں ابھی وہ استعداد پیدا نہیں ہوئی کہ وہ اس کے اپنے اعیان عیاں (ظاہری آنکھوں) سے معائنہ کرے۔ عین بعین ہو جائے، اسی عین میں ایسا محو اور گم ہو جائے کہ اس سے اس کا اس میں کچھ اثر نہ رہے۔

یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے چاہا کہ قبول بندگی کی ایک صورت ایسی پیدا کرے جو احسن الصور (سب صورتوں میں بہترین صورت) اجمل النقوش (سب نقوش میں بہترین نقش) املح الاشکال (ساری شکلوں میں خوب ترین، نمکین، دل پذیر و دل پسند) ہوتے ہوئے مجلّیٰ و مصفّیٰ بھی ہو۔ تاکہ جمال لایزالی کی صورت میں اس کے عکس کو قبولے (قبول کرے) جس میں وہ اس وجود کو دیکھ سکے جس کو ذات قدیم کہتے ہیں۔ جب وہ "ذات" سالک پر تجلی کرتی ہے تو سالک اس عکس (سایہ) کے عکس سے محظوظ رہتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ وہ اس حال میں بصیر (بینا) کو دیکھتا ہے۔ تو اس کی بصر (بینائی) جو ذات پاک سے نسبت رکھتی ہے مشاہدہ (دیکھنے) میں آ جاتی ہے، شہود پا جاتی ہے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ اس سے جدا نہیں۔ فیض قدیم، اس شبنم کے جیسا ہے، جو سات دریا کا سامنا رکھتا ہو یا اس ذرہ کے جیسا ہے، جو آفتاب کے مقابل ہو گیا ہو۔ اس کے سامنے ہونے اس کے مقابل ہو جانے سے اس کے صفات سے متصف ہو گیا ہو۔

من له الكل بالكلية وهو الكل و كل الكل وكلية الكل (جس کے لئے کل کلیت کے ساتھ ہو اور کل کا کل ہو گیا ہو۔ وہ کل ہے، کل کا کل ہے۔ بالکلیہ کل ہے۔)

انسان، جو انسان ہے وہ آنکھوں کی پتلی، یعنی حقیقت انسانیت میں چھپا ہوا ہے۔ اس لئے جو یہ ہے وہ وہی وہ ہے۔ گرگانی رحمتہ اللہ علیہ کا قول اب بھی تمہاری سمجھ میں اچھی طرح سے پورے طور سے آ گیا یا نہیں۔ ننانوے نام سالک کے صفات ہو جانے کے باوجود بھی سالک کامل نہیں ہوتا۔ اس کی سیر مکمل نہیں ہوتی۔ ان کا قول وھو بعید فی السلوك (وہ ابھی سلوک میں دور ہے) دو معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ اس کے دو معنی لئے جاسکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اس کے ننانوے ناموں اور صفات سے متصف ہو گیا، لیکن ان صفات کے تجلیات کی کوئی انتہاء نہیں اور وہ ایسا ہے کہ جس کی کوئی انتہاء نہیں۔ صور غیر منحصر (صورتیں لاکھوں ہیں حد و حساب نہیں رکھتیں) ہیں۔ لا یتجلی فی صورة مرتین ولا یتجلی فی صورة لاثنین (وہ متجلی نہیں ہوتا۔ ایک صورت میں دوبارہ نہ رونما ہوتا ہے ایک صورت میں دو دفعہ) ابو طالب مکی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف جس کا نام قوت القلوب ہے۔ اس کا یہی پتہ دیا ہے۔

اے عزیز) جب تم اس مرتبہ میں پہنچ جاؤ گے تو جان لو گے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ میری مراد کیا ہے۔ مزہ پاؤ گے اور مزہ پائے ہوئے ہو جاؤ گے تو پہچان لو گے کہ ہم کس مرتبہ کی گفتگو میں ہیں۔ کیا کہہ رہے ہیں۔ سمجھ سکو گے۔ اگر کسی سالک پر ایک ہی دن میں ہزاروں قسم کی تجلیات بھی ہوں تو اس ہونے کو بھی فرضی و تصوری (من گڑھت۔ خیالی۔ یوں ہی) ہرگز نہ سمجھو۔ یہ واقعی حقیقی ہیں۔ ہوا کرتی ہیں۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ایک گھڑی میں ان پر کئی ہزار تجلیاں ہوتی ہیں۔ جو ایک دوسرے کے برابر مقابل، یکساں عین بعین ایک سے نہیں ہوتے۔ ہائے رے ہائے۔ عجیب تر یہ ہے کہ سالک پر ایسی تجلی ہوتی ہے کہ وہ کہنے سننے میں نہیں آ سکتی وہ تعریف میں نہیں لائی جا سکتی اس کو نہ تو بیان میں لایا جا سکتا ہے نہ وہ ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ سبحان من له کل یوم شان ولا یشغله شان عن شان کل یوم هو فی شان (پاک ذات جس کے لئے ہر دن میں ایک شان اور نہیں مشغول ہوتا ایک شان سے دوسری شان میں۔ ہر روز وہ ایک اور ہی شان میں ہے۔) جب سالک چاہتا ہے کہ اس کو پائے اس کا محیط و

مدر (گھیرنے والا۔ خوب جاننے والا) ہو جائے تو دیکھتا ہے کہ وہ کچھ اور ہی ہے۔ جب تک اپنے آپ میں نہ آئے' دیکھنے والا یہ نہیں جانتا کہ یہ کیا اور کس قدر تجلیات و مکاشفات تھے ہاں یہ کہ صرف بتلانے والا جانتا ہے کہ وہ کیا ہیں۔ کیسے ہیں کس قدر ہیں۔ انه عالم بالجزئيات والكليات (وہ جاننے والا ہے جزئیات وکلیات کا) یا ایسا ہے کہ وہی وہ ہے جو اپنی اضداد (برخلاف برعکس مخالف) کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ دوسرے صفات میں دوسری صورتوں میں ہو کر کسی ایک صورت میں تجلی کر کے اس کو اپنا عاشق و مبتلا دیوانہ و والہ بنا دیتا ہے۔ ابد الآباد (ایک کافی مدت) گزر جاتی ہے اور وہ مرد اس سوز درد ہی میں رہتا ہے۔ اس کا دماغ پگھل جاتا ہے۔ وہ سوختہ ناساختہ (جلا ہوا۔ آراستہ نہ کیا ہوا) افروختہ نادوختہ (روشن کیا ہوا۔ نہ ملایا ہوا) دردمند' واماندہ (درد والا' عاجز آیا ہوا) درماندہ (مجبور' لاچار) درویش بے خویش (بیچارہ جو اپنے میں نہ ہو۔ کوئی اس کا سہارا نہ ہو) بے بس (لاچار) بے ہنر (بغیر کسی پیشہ کے) رہ جاتا ہے۔ مراد یعنی مطلوب کو اپنے دام (قابو) میں نہیں پاتا۔ کسی ہمیشہ درد میں رہنے والے' گرے پڑے ہوئے سے اگر پوچھو تو تمہیں یہ بات معلوم ہو جائے اور سمجھ سکو کہ یہ بات کیا اور اس میں کیا خوبی ہے۔ ایسے شخص کو رسیدہ کہیں تو یہ ہوسکتا ہے اور نایافتہ کہیں تو بھی ہوسکتا ہے۔ یہ وہ ہے جو مار ڈالا ہوا' پہنچا ہوا ہے۔ یہ وہ صاحب ذوق وشوق ہے جو سوکھ کر کانٹا ہوگیا ہے' مراد و مقصود کو پہنچا ہوا ہے۔ لیکن اس میں یہ ندرت ہے کہ وہ اس کا منہ ابھی تک نہیں دیکھا۔ یہ وہ ہے کہ جس نے طلب کی عصا (سہارے کو) ہاتھ سے ڈال دیا ہوا۔ مسافرت کے جوتے (اسباب) پاؤں سے اتار چکا ہو۔ سعی کوشش' محنت' جستجو کا کمر بند عزیمت (بلند ارادہ) کی کمر سے کھول دیا ہوا۔ مسافرت میں کام آنے کا توشہ سب کو بانٹ دیا ہو' اپنے پاؤں پھیلا کر ایک گوشہ میں بے فکری کا تکیہ پیٹھ سے لگائے ہوئے بیٹھا ہوا ہے۔ جس سفر میں وہ اب ہے وہ صورت سقر (دوزخ کا منہ۔ نمونہ) ہے اس سے پہلے وہ پاؤں سے چلتا تھا' اب سر کے بل چل رہا ہے۔ جس کے پاؤں کاٹ دیئے گئے ہیں اب وہ جوتے پہنے تو کس طرح کیسے پہنے۔ جس کی کمر توڑ دی گئی ہو وہ کمر

بند کہاں باندھے۔ جس کے اختیارات کم کر دیئے گئے ہوں وہ عصا ہاتھ میں لے تو کیونکر اور کیسے لے۔ جس کے راستہ کا خرچ اڑا دیا گیا ہو وہ جمع کرے تو کیا کرے۔ جس کا ٹھکانہ خلوت کی جگہ ویران' برباد کر دی گئی ہو وہ ٹکے' ٹھہرے تو کہاں ٹکے اور ٹھہرے۔ کس جگہ قرار و قیام پائے۔ جس کا دماغ سودازدہ (پریشان۔ مخبوط) ہو گیا ہو وہ خواب میں' آئینہ خیال میں چہرے کا جمال دیکھے تو کیسے دیکھے۔ اس سے پہلے جس سفر میں وہ تھا' وہ سفر ختم ہو گیا۔ جو کچھ مجاہدہ (ریاضت) مشقت (محنت' کوشش) تھی وہ اس سفر میں اس کو چھوڑ دینی پڑی۔ اب کچھ ایسا راستہ اس کے سامنے ہے جس میں نہ کوئی راستہ بتانے والا ہے نہ ساتھ چلنے والا ہے کوچ کرنا منزلیں طے کرنا نہیں دیکھ پاتا۔ اترنے کی جگہ' ٹھہرنے کے مقام کا نشان و پتہ نہیں پاتا۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اس کا احساس قرار کے ساتھ نہیں رہتا۔ پہنچائے جانے' امن والے مکان میں آ جانے کی امید ٹوٹ گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک گھڑی کے لئے بھی ٹھکانے سے اس کا دل نہیں رہتا اور تھوڑی دیر کے لئے بھی سیر سے نہیں ٹھہرتا۔ یہ اس کے امکان ہی میں نہیں۔ اس کے اختیار و قابو سے یہ بات باہر ہے کہ وہ پہنچنے کی جگہ پہنچ جائے۔

تم سے اگر یہ پوچھیں کہ هل يعلم الله القهار عدد انفاس اهل الجنة والنار و عدد سنين اعمالهم و انواع ما فيها من الماكل والمشارب والانهار والاثمار فليقل ان الله لا يوصف بالمحال تعالى عن العجز والانحصار قال الله تعالى قل لو كان البحر مداداً لكلمت ربى لتفذ البحر قبل ان تنفذ كلمت ربى ولو جئنا بمثله مدداً۔ (کیا جانتا ہے اللہ۔ ضابطہ۔ جنت والوں۔ دوزخ والوں اور سالوں کی گنتی اور ان کے گزرنے قسم قسم کے ہونے کو اور جو کچھ اس میں کھانے پینے کی چیزیں ہیں اور نہریں پھل ہیں تو تم اس کا یہ جواب دو کہ اللہ کی توصیف محال سے نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے عاجز آ جانے سے' منحصر ہو جانے سے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیجئے کہ اگر سمندر سیاہی ہو جائے اس کے کلمات لکھنے کے لئے تو سمندر ختم ہو

جائیں اور رب کے کلمات باقی رہ جائیں۔ ہم لے آتے ہیں ایسی ہی مثالیں) اتصاف اسماء (ناموں کا خوبیاں اختیار کرنا۔ اسم بامسمیٰ ہو جانا) تخلق باخلاق والصفات (اخلاق اور صفات کے خوگر ہونے) سے۔ سالک پر دو چیزیں محقق (ثابت تحقیق پائے ہوئے) ہو جاتی ہیں۔ ایک بے انتہا دکھ۔ دوسرا دیکھنا ایسے سمندر کا جس کا کنارہ نہیں۔ ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ اسی راستہ کی دوری' بے نہایتی کا پتہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''جب میں ہوتا ہوں تو وہ نہیں ہوتا۔ جب وہ ہوتا ہے تو میں نہیں ہوتا۔''

چنانچہ حکیم سنائی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

بے من است او تا سنائی با من است ‏ ‏ ‏ با سنائی زیں قبل در ماندہ ام

(وہ میرے بغیر ہے جب تک سنائی میرے ساتھ ہے ‏ ‏ ‏ سنائی سے اس طرح عاجز آ گیا ہوں)

اللہ سبحانہٗ فرماتا ہے کہ اگر سمندر کلمات رب لکھنے کی سیاہی ہو جائیں۔ اسی پر سے قلم' کتاب' کتابت کی صورت میں سورتوں کو قیاس کر لینا چاہئے۔ آیات کو کلمات ربی کہنے سے اس کی کیا مراد ہے اس کو بھی جاننا ضروری' اس نتیجہ پر پہنچنا بھی لازمی ہے۔ کلمۃ القھا الیٰ مریم (ایک کلمہ جو ڈالا ہم نے مریم میں) یہ مجموعہ مفرد ہے کہ اس نے اپنے فیض کی ''بلاترکیب مادہ'' اور ''صورت جسمانی کے ملے بغیر'' ایک صورت آدم علیہ السلام کی صورت پر بنائی اس کا نام عیسیٰ علیہ السلام رکھا۔ انہیں مسیح اس لئے کہتے ہیں کہ آدمیت کے صفات کے ملنے ایک ہونے سے کہ فیض قدیم جس سے متعلق تھا وہ اپنے آپ کو اس صورت میں یا جو مسیح علیہ السلام کی صورت تھی' دکھلایا۔ یوحنا کی انجیل میں ہے کہ لقد کان مبتداء الکلمات لدی اللہ لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیاء (البتہ وہ تھا ابتداء کرنے والا کلمات اللہ کا ہمارے لئے تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے۔) کلام کلمہ میں کیا ہے۔ لا الہ الاّ اللّٰہ۔ لَا اِلٰہ۔ نفی ما استحال وجودہ۔ (اللہ کے سوائے کسی اور کا وجود نہ ہونا) الا اللّٰہ۔ اثبات ما استحال عدمہ (ثابت کرنا ہے کہ اسی کا وجود ہے) ظہور کی ایک اور مثال ''سراب'' اور ''ہوا'' ہے۔ سراب ہوا کی صورت' ہوا سراب کی معنی ہے۔ ہوا کا ظہور سراب کی صورت کے سوا کسی اور صورت نہیں ہوتا۔ سراب کا قرار و قیام'

ہوا کے بغیر نہیں ہوتا۔ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جو نازک ترین چیزوں میں سے ہو اس کا ظہور مثال ہی میں ہوا کرتا ہے۔ یہ عکوس و ظلال (سایہ سائے' پرچھاؤں' پرچھائیاں) ہیں وہ اس مرتبہ میں عینی و مثالی (حقیقی اور مانند کا سا) ہے۔ سالک اس مرتبہ میں کلمہ کی ملازمت (ہمیشہ کی مداومت۔ پابندی) کرتا ہے۔ تاکہ وہ کلمہ کی صورت (ظاہر) سے کلمہ کی معنی (باطن) میں پہنچ جائے۔ ظاہر ہے باطن میں اس کی نظر چلی جائے' کلمہ اپنی حقیقت کے ساتھ اس پر متجلی (جلوہ نما) ہو جائے۔ اِنَّمَا اَنَاْ بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (البتہ میں تمہارے جیسا آدمی ہوں) یعنی صورت عنصری کے ساتھ متحد ہوں۔ (جسمانی لحاظ سے ملا ہوا ہوں) یُوْحیٰ اِلَیَّ۔ (وحی کی جاتی ہے مجھ پر) یعنی فیض قدیم کا ظہور مجھ پر ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو کوئی اس سلوک میں آتا ہے' جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا تو وہ فیض قدیم سے ملاتا ہے' اس کے کرنے سے اس کا دیدار ہوتا ہے۔ فمن کان یرجوا لقاء ربه فلیعمل عملاً صالحاً (جو کوئی ہم سے ملنے' ہمارے دیکھنے کی تمنا میں ہو' امید رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ (وہ نیک عمل کرے) جب تک شرط پوری نہ کی جائے۔ اس جمال سے کوئی مراد ہاتھ نہیں آتی وہ کشف نہیں ہوتا یعنی نہیں کھلتا۔ اس کا کھوج نہیں ملتا۔ ولا یشرك بعبادة ربه احد (اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کرو) سے عہد واثق (حتمی وعدہ) کی مضبوط گرہ ڈالی گئی۔ فاینما تولوا فثم وجهه اللّٰه (جس طرف منہ کرو اللہ ہی کی وجہ صورت اور سامنا ہے) جس کسی کا یا جس وجود کا تصور کریں۔ اس کی دو صورتیں ہوں گی۔ وجهه منه الیٰ ربه وهو الفیض القدیم الازلی الابدی۔ (ایک صورت اپنے پروردگار کی طرف اور وہ فیض قدیم ہے۔ ازلی ہے۔ ابدی ہے) وجهه منه الی نفسه وهو المبتداء والمصور المجهول المجعول (ایک صورت اپنے نفس کی طرف وہ مبتدا اور مصور ہے۔ پیدا کیا گیا ہے' بنایا گیا ہے) ایسی دوئی (دو کا ہونا۔ پایا جانا) جو قدیم سے نسبت رکھتی ہے۔ یبقی علی الاباد والازال کان ویکون وهو الان کما کان ویکون (وہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ ازل ابد' تھا اور ہے اور وہ جیسا کہ تھا' ویسا ہی

ہے' ویسا ہی رہتا ہے' ویسا ہی رہے گا) ہاں اتنا ضرور ہے کہ جس قدر جس سے تعلق کیا ہوا ہے اس کے لحاظ سے یہ ایک دوسرے سے جدا اور غیر دکھلائی دیتے ہیں جیسا کہ زجاجہ (شیشہ۔ آبگینہ۔ کانچ) جو اپنے محاذی (سامنے) و مقابل (برابر) کے لحاظ و مناسبت سے اپنا نقش دکھلاتا ہے لیکن جیسا اور جو کچھ کہ وہ ہے۔ ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ تھا ویسا ہی ہے۔ لا یتغیر فی ذاته ولا فی صفاته بحدوث الا کوان والموجود لا یصیر معدوماً بل ینتقل من صورة الی صورة و من هئیة الی هئیة (وہ تغیر نہیں پاتا' ذات میں' نہ صفات میں' کونین کے پیدا کرنے' ہونے سے جو موجود ہے' وہ معدوم نہیں ہوتا بلکہ ایک صورت سے دوسری صورت میں ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں منتقل ہوتا ہے۔) مطلب یہ کہ فیض قدیم فانی نہیں ہوتا' مٹ نہیں جاتا بلکہ وہ ایک تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ ایک صورت کے بعد ایک صورت سے۔ ایک وضع سے ایک وضع میں آجاتا ہے۔ العالم متغیر (دنیا کچھ سے کچھ ہونے والی ہے) اس سے متعلق ہے نہ کہ اس سے۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَام۔ (جو بھی ہیں وہ مٹنے والے ہیں اور باقی رہنے والا' تیرا پروردگار صاحب مرتبہ و بزرگی والا ہے۔) فاینما تولوا فثم وجهه الله (جدھر دیکھو اللہ کی وجہہ ہے) یہ مکان بشری (آدمیت کا محل) لباس ملکی (فرشتگی کا لباس) ہو یا شیطانی' زمین کا ہو یا آسمان کا ہو یا عرش کا سب فنا و زوال کے راستہ پر لگے ہوئے ہیں' سب کو فنا و زوال ہے۔ الا وجهه (مگر اس کی وجہہ) ہر موجودگی کی توجہ اسی کی طرف ہے۔ جیسا کہ کہا گیا لا یقبل الفناء بل یستحیل (فنا قبول نہیں کرتا بلکہ ایک حال سے دوسرے حال میں ہو جاتا ہے۔) اس بیان سے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے گمان میں وہم میں' یہ گزر جائے۔ کونه فی مکان و حلوله فی محل (رہنا اس کا کسی مکان میں اور اترنا اس کا کسی جگہ میں) ہرگز ہرگز ایسا گمان نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے پاک بزرگ و برتر ہے اگر تم یہ کہو کہ ظاہر معنی میں لفظ اینما اس کی دلیل ہے تو پھر وہی اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے کے معنی کیا ہوں گے۔ بلحاظ منقول هو الله فی

السمٰوٰت والارض کے جو مناسب معنی منقول سے سمجھے ہوئے ہو وہی معنی یہاں بھی سمجھ لو۔ اینما کو اس سے سمجھ جاؤ۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اجزائے لا یتجزی میں کوئی جز ایسا اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نہ ہو وہ ایسی صفت قربت (نزدیکی کی خوبی) کے ساتھ ہے جو اس کی بارگاہ کے لائق و سزاوار ہے۔ اس لحاظ سے "اینما" میں اگر چند اجزائے لا یتجزی کو تصور کر لیں تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ساتھ ہے' ہوتا ہے۔ اس نسبت سے "اینما" کو "ظاہر" جاننا مناسب نہیں۔ وہ اس لئے کہ حادث (نو پیدا) کا حلول قدیم میں نہیں ہوتا' اس لئے ٹھیک نہیں پڑتا۔ قاضی عین القضاۃ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف رسالہ مکانیہ میں جو کچھ لکھا ہے اس سے انہوں نے ایسے مکان کو ثابت کرنا چاہا ہے' جو قدیم ولطیف کے لائق ہو۔ یہ بھی وہی بیان وہی بات ہو گئی جس کو ہم نے اترنے کی جگہ کے بارے میں اس سے پہلے کہہ دیا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی کی بہترین اور اس کے مناسب ہے وہی صورت ٹھیک و مناسب ہے دوسرے معنی جو کہ اس مالک الاحوال (صاحب تصرف و کیفیت) سید الرجال (مردوں کے سردار) سدید الفعال (راست و درست کام کرنے والا) حمید الخصال (بہترین خصلت والا) المتخلق باخلاق اللہ الکبیر المتعال (جو اخلاق و خصائل بڑے بزرگ اللہ کے پایا ہوا) المحو (گم فنا شدہ) المطموس (گھس پس گیا ہوا) الفانی فی الاباد والازال۔ الباقی الثابت باللہ (ازل و ابد میں ملیا میٹ شدہ' بقا پایا ہوا' اللہ لم یزل و یزال سے) کے فرمائے ہوئے کی شرح جو ہو سکتی ہے وہ یہ کہ وہ دور ہے سلوک میں ملا ہوا نہیں ہے یعنی وہ سیر صفات و اسماء میں ہے۔ سالک کی بھی دنیا ہے۔ اس کے اتصاف ان ناموں کے ساتھ نام پانے سے۔ اس میں یہ بات پوری ہو گئی اس قدر سمجھ لو کہ ذات میں محو ہونا (گم ہونا) ذات میں بقا پانا کہنے کا مطلب ملنے کے ابتدائی مرحلہ میں پہنچنے سے ہے۔ جس کو مقدمات وصول بھی کہتے ہیں یہ اس لئے کہ وہ سلوک میں اس طرح رہتا ہے جیسا کہ نہ پہنچا ہوا رہا کرتا ہے۔ وَاِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَهٰی (اور البتہ تیرے رب تک تیری انتہا) کے لحاظ سے سیر الی اللہ (اللہ کی طرف سیر) پوری ہو

چکی ہے۔ اَلسَّیْرُ لِلّٰہِ (سیر اللہ کے لئے) السیر فِی اللّٰہ (سیر اللہ میں) السیر باللّٰہ (سیر اللہ کے ساتھ) السیر من اللّٰہ اِلی اللّٰہِ (سیر اللہ سے اللہ کی طرف) انشاء اللہ العزیز (زبردست اللہ چاہے تو) اگر خدا کی مرضی ہوگی تو شروع ہوگی۔ یہ وہ مرتبہ ہے جہاں زبان بند ہو جاتی ہے گفتگو کی نہیں جا سکتی۔ تقریر و تحریر، عبارت کے لئے کوئی راستہ نہیں۔ اشارت کے لئے کوئی موقعہ نہیں۔ آنکھ کی روشنی کی تیزی، رسائی دھندلی اور سمجھ کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ یعنی بے نور ہو جاتی ہے۔ ہائے ہائے حیرت ہی حیرت، بے خودی ہی بے خودی ہے۔ وصول جس کو کہتے ہیں وہ ایک شعور خاص، یقین مختص کا آ جانا ہے کہ ہم نہیں وہی وہ ہے۔ ایک سے ایک کے سوائے نہیں نکلتا۔ وہ ایک ہے۔ ایک میں ایک ایک ہی ہوتا ہے۔ ایک سے ایک کو ضرب دیں تو ایک ہی نکلتا ہے۔ ایک ہی حاصل ہوتا ہے اس فہم کے ساتھ جب بیان کرنے پر آتا ہوں تو یہ وہ بیان عیان ہے جو عالم کثرت کا نشان ہے جو کائنات اور کائنات والوں کا پتہ بتلاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو عیان (کھلا ہوا) ہو وہ بیان (کہنے) میں نہیں آتا۔ سچ ہے بیان کے لئے عیان نہیں عیان کے لئے بیان نہیں یہ سمجھ جاؤ کہ ملنے والا وہی ہے جس میں جدائی کا تصور نہ ہو۔ جب جدا ہونا ہی نہ ہو تو ملنا کیسا۔ ھو الاول ھو الدائم ھو الآخر (وہی پہلا۔ وہی ہمیشہ وہی پچھلا) سارے جہان کو جو گھیرا ہوا ہے کوئی اس کا بیان کرے تو کیا کرے کس کا کیا بیان کرے کیونکر کرے۔ بات یہ ہے کہ اس میں ایک تصور ہوتا ہے جس کی وہ ایک مثال بناتا ہے۔ کچھ بیان میں آ جاتا ہے کچھ ایسا ہی رہ جاتا ہے۔ تھوڑا سا ایک اشارہ اس کی طرف ہو سکتا ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (نہیں ہے حول وقوت کسی میں اللہ کے سوائے) کیسا اشارہ کس طرح کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ مَن اشارا الیٰ توحید فھو عابد و ثن (جس نے توحید کی طرف اشارہ یا وہ بت پرست ہے۔) من (جو) اور الیٰ (طرف) دراصل عدم ہیں، یعنی حقیقتاً غیب ہے۔ متیٰ (کب) اذا (جب) بود نابود (ہونے نہ ہونے) میں فِی (میں) علیٰ (اوپر) وہم و خیال میں گم ہیں۔ کونہ وجودہ ھو ھو لا ھو الا ھو (اس کی بنائی ہوئی اس کا

وجود ہے۔ وہ وہ ہے۔ نہیں وہ مگر وہی وہ)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سبحان من لو یجعل للخلق سبیلا الی معرفته الا بالعجز من معرفته (پاک ذات وہ جس نے نہیں بنایا لوگوں کے واسطے راستہ معرفت کی طرف بجز عاجز آ جانے کے معرفت سے)

...... یہ سب کچھ سہی۔ ہم یہ کہتے ہیں اس میں اِنیّتْ (میں پن) باقی اور اثنیت (دوئی) کا ہونا پایا جاتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس قدر گفتگو بھی نہ ہوتی۔ جب دریا جوش میں آیا تو اس کا نام موج ہوا۔ جب بھاپ بن کر اڑ گیا تو اس کو بخار کہا گیا جمع ہو گیا تو ابر۔ برسنے لگا تو بارش۔ جب بہنے لگا تو ندی۔ جب دریا میں مل گیا تو دریا ہی دریا ہو گیا۔

فالبحر بحر علی ما کان فی قدم   ان الحوادث امواج و انهار
(دریا دریا ہے جیسا کہ پہلے سے تھا   البتہ نئی پیدا شدہ موج اور ندیاں ہیں)

لا یحجنك اشكال متشا كلها   عمن تشكل فيها فهی استار
(نہیں شکلوں میں ملتا جلتا پن ہے   جس تشکل میں بھی ہو وہ اس میں چھپا ہوا ہے)

حرکت میں آ جانا' اڑ جانا' جمع ہونا' برس جانا' بہہ جانا انیت کا ارتفاع (میں پن کا اٹھ جانا جاتا رہنا) ہے۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے جب حقیقت کا سوال ہوا تو آپ نے یہ کہا کہ ایک گانے والا یہ گنگنا رہا تھا۔

و كنا حيث ما كانوا   و كانوا حيث ما كنا
(ہم وہیں ہیں جہاں ہم تھے   ہم جہاں تھے وہیں ہم ہیں)

نہ آنا ہے' نہ جانا ہے' نہ رہنا ہے' نہ لوٹ جانا۔

سہل عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ اس کو آسان و سہل طریقہ سے کہتے ہیں کہ یا مسکین کان الله و لم تكن و یکون و لا تکون وھو الان کما کان ویکون فکن انت کما کنت و تکون۔ (اے مسکین تھا اللہ اور نہ تھا کوئی۔ وہ ہے اور نہیں ہے

کوئی۔ وہ جیسا کہ تھا ویسا ہی ہے اور ویسا ہی رہے گا۔ پس تو ہو جا۔ جیسا کہ تو تھا اور ہے۔ انیت ہی انیت (یکتائی ہی یکتائی) اثنیت ہی اثنیت (دوئی ہی دوئی) ہے۔ھو تعالیٰ متکلم بکلام واحد ازلاً و ابداً (اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک یعنی ابتداء سے انتہاء تک ایک ہی کلام میں ہے) اس کے کلام میں اس کے حکم کئے ہوئے منع کئے ہوئے میں فرق وتمیز کرنا کسی طرح سے بھی جائز نہیں۔ یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ ایک حرف کے بجائے دوسرے حرف کے بدلنے کو جائز رکھا جائے۔ وہ کبھی عربیؔ کبھی عبرانی، کبھی سریانی میں کہتا ہے۔ وہ ایسا نہیں کہ کبھی بات کرتا کبھی چپ رہ جاتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ومبرا ہے۔ یہ باتیں مخلوق سے متعلق ہیں۔ ذرا سوچو کہ وہ لمن الملك اليوم لله الواحد القهار (کس کے لئے آج کا دن ہے۔ اللہ ہی کے لئے جو ایک اور ضابط ہے) فرما رہا ہے ایک گھڑی ایک پل، تھوڑی دیر کے لئے بھی اس کہنے سے نہیں رکتا۔ وہ منحصر نہیں (ٹھہرا ہوا نہیں) وہ اپنے ساتھ آپ ہے۔ اپنے آپ سے آپ ہی کہتا ہے۔ اپنے آپ سے آپ ہی سنتا ہے۔ اپنے سوال کا جواب آپ ہی دیتا ہے۔ خود لمن الملك کہتا ہے جواب میں خود ہی لله الواحد القهار کہتا ہے ازل سے ابد تک سب ہوتے ہوئے بھی نہ ہونے کے شمار میں ہیں۔ عین شہود ہوتے ہوئے بھی وجود کے بغیر ہیں۔ مہینے، سال، دن، گھنٹے، منٹ، لمحے بلحاظ گردش آفتاب ہیں۔ نظام شمسی دور فلک سے ان کا ربط ہے۔ وليس عند الله صباح ولا مساء (اللہ کے پاس نہ صبح ہے نہ شام) کلام مجید میں غائب حاضر ہو کر کہتا ہے منتظر کو واقع شدہ (ہونے والے کو ہوا ہو) جانتا ہے۔ حال کو بطریقۂ ماضی لوٹا لاتا ہے۔ اسی میں سے ایک فصل بیان کی گئی ہے۔ اگر ہر ایک باب کو بیان کرنے لگ جاؤں تو بات بڑھ جائے گی۔ ہمیں مختصر طور سے کہنا منظور ہے۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (قیامت کے دن کے مالک) فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (جو کوئی ذرہ برابر عمل کرے وہ دیکھ لے اس کی بھلائی) اس کتاب اور اس بارہ میں ہے۔ وما امرنا الا واحدة كلمع بالبصر (نہیں حکم کیا ہم نے مگر ایک پلک جھپکنے تک) سے ایک تلویح (اشارہ) اسی مراد کی بابت کی گئی ہے۔

امروز پری و دی و فروا ہر چار یکے بود تو فرد آ
(آج پرسوں، کل گزرا ہو، کل آنے والا چاروں ایک ہیں تو ایک ہو جا)

خوب سمجھ لو کہ اثبات اثنیت (دوئی کا ثبوت) ہوتے ہی انیت (یکتائی) کی تحقیق ہو جاتی ہے۔ تو پھر سیر و سلوک کیسے تمام ہو گا۔ کیونکر پورا ہو گا کہ وھو بعید فی السلوك غیر واصل (وہ دور ہے سلوک میں۔ ملا ہوا نہیں) کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک اعتبار سے اس کو آرام و قرار پایا ہوا۔ تصور کرے ایک لحاظ سے نہ پہنچا ہوا۔ بے چین و مضطرب سمجھ لے۔ اللہ تعالیٰ تک کسی کے لئے راستہ ہی نہیں اس تک پہنچ جانے سے رہ جانے کی بھی کوئی وجہ نہیں فیبقی بین وصل و فصل (ملنے اور جدائی کے بیچوں بیچ رہتا ہے) اور جو وصال کو پہنچا ہوا کہنے سے ایسا وصال مراد نہیں جس میں آ جانے سے کوئی بلا اور رنج باقی نہ رہے یا آگے جانے سے رک جانے کا سبب ہو جائے۔ واپس ہو جانے، لوٹ جانے کی ہمت دلائے کہ آگے راستہ نہیں ہے۔ ٹھہر جانا مناسب ہے اور جو کچھ بھی امکانی (مل سکتا) ہے اس پر بس کرے۔ بات ایسی نہیں بلکہ جو پہنچا ہوا ہوتا ہے وہ کبھی سیر (آسودہ) نہیں ہوتا ہمیشہ ادھیڑ بن جستجو ہی میں رہتا ہے۔ اسی دروازہ پر سر مارتا رہتا ہے ساتھ ساتھ یہ بھی جانتا ہے کہ دھنسنے کی راہ نہیں گنجائش نہیں بلکہ باوجود اس کے دھنسا اسی میں رہنا چاہتا ہے۔ اس کو سننا ہو تو عاشقوں سے سنو۔ چنانچہ ان ہی میں سے ایک یہ کہتا ہے۔

عجبے نیست کہ سر گشتہ شود طالب دوست عجب اینست کہ من واصل سر گردانم
(دوست کے طالب کا آوارہ پریشان ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں تعجب و حیرت کی بات تو یہ ہے کہ میں ملا ہوا ہوں اور آوارہ پریشان ہوں)

ایک اور معنی وہ ہو سکتے ہیں جو مولانا محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے متبعین جیسے کہ عبدالرزاق رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ اور بہت سارے صوفیاء جنہوں نے توحید و تحقیق کا نعرہ لگایا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ھو سبحانہ تعالی عین الاشیاء (پاک منزہ اللہ سب چیزوں کی عین یعنی حقیقت ہے) مطلب یہ کہ ان وجودات کے سوا کوئی وجود نہیں۔ وہی ہے جو تمام صور و اشکال (صورتوں شکلوں) میں ظاہر ہوا ہے۔ ھو

الظاهر هو الباطن (وہی حاضر وہی کھلا۔ وہی غائب وہی چھپا) یہ اس کے سوا نہیں جانتے۔ ان ہی میں ایک کہتا ہے۔

انکہ برآمد بہ بزم مجلسیاں دوست دوست — گرچہ غلط می دہد نیست غلط اوست اوست

(وہ جو مجلس میں آیا ہے وہ دوستوں کا دوست ہے — اگرچہ کچھ اور دکھائی دے رہا ہے یہ غلط نہیں وہ وہی ہے)

اس شعور کے ہاتھ آ جانے کے بعد عارف محقق کا سلوک پورا ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وجود لا متناہی ہے۔ (جس کی کوئی انتہا نہیں ہے) اس کے ایسے ہونے سے نظارہ وقت میں، وقتاً فوقتاً، ایک سیر سے دوسری سیر میں آ جاتا ہے، رہتا ہے اور کبھی سیر سے خالی نہیں رہتا۔ ہمیشہ سیر میں رہتا ہے پھر بھی یگانگی (یکتائی) جیسی کہ ہونی چاہئے اس کے ہاتھ نہیں آتی۔ ایسے جو ہوتے ہیں ان میں یکتائی دوئی باقی ہے جب وہ لا متناہی (جس کی انتہا نہ ہو) ہے تو ٹھہر جانا، آرام پا جانا کیسے میسر ہو سکتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ بے وقوفی حماقت، خجالت، ملامت ہاتھ آ سکتی ہے۔ منہ دکھلا سکتی ہے۔ ان کے پیرو یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کو اس طرح اس شکل کے سوا بیان کرنا نتیجہ خیز نہیں۔ لا حول ولا قوۃ الّا باللہ۔ نتیجہ شکل۔ حد۔ وسط۔ اصغر۔ اکبر۔ صغریٰ۔ کبریٰ۔ رابطہ۔ نسبت کی یہاں گنجائش کہاں۔ یہ ٹھیک ہے کہ دریا کا پانی دریا میں مل گیا۔ ایک ہو گیا۔ وہ دریا کا پانی جو مختلف صورتیں لے لیا تھا اپنے ساتھ اپنا نام لے گیا۔ مطلب یہ کہ اس کا نام ہی اس کی دوئی ہے۔ حلقہ مستوی الاطراف (دائرہ) کو اگر خط اور نقطہ وہمی سے آدھا آدھا کریں یا اس خط کو درمیان سے اگر تقسیم کر دیں تو وہ حلقہ ویسا نہیں رہتا۔ نہیں ہو جاتا جیسے کہ پہلے تھا۔ لیکن اس کا اثر ضرور باقی رہتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جیسے کہ پہلے تھا لیکن اس کا اثر ضرور باقی رہتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ قاب قوسین او ادنیٰ (مل گئیں دونوں کمانیں بلکہ اور قریب ہو گئیں۔) اسی کی حکایت ہے۔ سمجھو کہ وہ ایک درست دائرہ تھا۔ اس دائرہ احدی کو خط احمدی آدھا آدھا کر کے لوٹ گیا۔ اصل دائرہ یہی ہو گیا۔ یاد رہے کہ دائرہ ویسا نہ رہا جیسا کہ تصور خط و نقطہ کے پہلے تھا۔ اصل اصل کے ساتھ یگانگی کے ساتھ نہ ملے تو جُز مِنَ الکُل (کل کے جز) کے جیسا ہو تو جاتا ہے لیکن کسی صورت

میں جز کل کا محیط نہیں ہوسکتا۔ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسك۔ (جو کچھ میرے جی میں ہے وہ تو جانتا ہے۔ جو کچھ تیرے نفس میں جی میں (ذات میں) ہے وہ میں نہیں جانتا۔) جز کل سے کیسے آگاہ ہوسکتا ہے یا رہ سکتا ہے' قطرہ کو دریا کی کیا خبر ہو سکتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس جز کو اس کل نے ایک ہمت ضرور بخشی ہے۔ اس لئے یہ چاہتا ہے کہ کل کے ساتھ کل ہو جائے یہ اس سے یا اس کے لئے ممکن نہیں اس لئے مٹ مٹا جا کر کل کے ساتھ ایک ہو کر عین بعین ہونے سے یعنی مل کر ایک ہو جانے سے ھُوَ ھُوْ (وہی وہ) کا گمان (تصور) پیدا کر لیتا ہے چونکہ اب تک اطلاق (باخبری) واشراق (کھلنا) اس پر نہیں ہوا۔ اس لئے وہ ضرورتاً سلوک سے نہیں ٹھہر جاتا اپنے آپ کو واصل تصور نہیں کرتا۔ بایزید رحمتہ اللہ علیہ نے ایک قرآن پڑھنے والے سے وما قدر واللّٰه حق قدرہ (اللہ کی قدر جو جانتی تھی' نہ جانی) سنتے ہی سر دیوار سے ٹکرا کر کہنے لگ گئے کہ جب تو یہ جانتا ہے کہ تجھ تک راہ نہیں تو پھر تو نے اس گدا (فقیر) کے دل میں تیری طلب کیوں پیدا کی۔

حضرت شفیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ سے حقیقت کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے تھوڑی سی شکر لی اور پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ سبھوں نے کہا کہ شکر ہے اس کے بعد آپ نے اسی شکر سے چند صورتیں بنائیں۔ شکر کی بنائی ہوئی صورتوں میں سے ایک ایک دکھا کر پوچھا کہ یہ کیا ہے تو جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ گھوڑا ہے۔ یہ ہاتھی ہے۔ یہ بیل ہے۔ یہ آدمی ہے۔ پھر آپ نے ان کو توڑ کر گولی بنائی باریک کر دیا تو وہ پہلے کے جیسے شکر ہو گئی اس کو دکھا کر آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو جواب ملا کہ شکر ہے تو آپ نے فرما دیا کہ هذا بیان الحقیقت (یہی حقیقت کی صراحت و بیان ہے) ہر ایک کی واپسی شکر ہی میں ہوئی کیونکہ ہر ایک کی اصل شکر تھی۔ لیکن ہر ایک اپنی صورت و شکل سے ایک نام پا گیا کہ یہ گھوڑا ہے۔ آدمی ہے فلاں ہے فلاں ہے۔ انیت واثنیت کی خصوصیت بھی یہی ہے۔ اگر تم یہ کہو گے کہ یہ سب وہم وگمان ہے۔ اچھا وہم وگمان ہی سہی لیکن جیسے ہی وہ آیا۔ دو ہو گئے۔ دوئی آ گئی۔ کما هو اتحاد (بلحاظ ایک ہو جانا

جیسا کہ چاہئے) متصور نہ ہوا (ہاتھ نہ آیا) ہر آدمی کے لئے یہ کہاں ممکن ہے کہ وہ ان تمام اشکال وصور پر کہ جس سے وہ متشکل ہے محیط و مدرک ہو جائے۔ اگر ایک لاکھ سال بھی سیر میں رہے انتہا کو نہیں پہنچتا۔ سیر پوری نہیں ہوتی وصول جیسا کہ ہونا چاہئے ممکن نہیں ہوتا۔

ابدال کی جماعت سے جو چالیس سے کچھ زیادہ تھی۔ میں نے ان سے شریعت کا ایک سوال کیا کہ آپ اہل سیر ہیں آپ کے سیر کرنے کی صورت یہ ہے کہ ساری زمین آپ کی سیر گاہ ہے۔ جہاں کہیں بھی آپ کے قدم پہنچے۔ مشرق میں ہوں تو مغرب اور اگر جنوب میں ہوں تو شمال اسی طرف ہے۔ زمین کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے کہ جہاں صبح ہو رہی ہے۔ زمین کا ایک حصہ وہ ہوتا ہے جہاں شام ہو رہی ہے۔ مغرب کا وقت آ رہا ہے۔ کہیں ظہر کا کہیں عصر کا وقت ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ آپ ایسی جگہ تھے۔ جہاں آپ نے صبح کی نماز ادا کی اور اڑتے ہوئے ایسی جگہ اگئے جہاں ابھی صبح نہیں ہوئی یا ایسے مقام میں پہنچ گئے کہ جہاں آفتاب غروب ہو رہا ہے تو آپ کی ظہر و عصر کی نماز کا قصہ کیا ہوا ایسی صورت میں آپ کیا کیا کرتے ہیں۔ یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ ہم آپ سے مستفید ہونا چاہتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ اپنے میں کے ایک کو دوزخ میں لے جاتے ہیں تو دوزخ میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ اس کے اسرار سے مطلع کرتے ہیں۔ جب وہ شخص وہاں سے لوٹ کر عالم ملک (دنیا) میں آتا ہے تو اس دنیا کی آگ جو اس دنیا کی آگ سے ستر ۷۰ درجہ کم اور ٹھنڈی ہے وہ آپ کو جلانی نہ چاہئے لیکن یہ دنیا کی آگ محققین، عارفین اولیاء رحمتہ اللہ علیہم انبیاء علیہم السلام سب کو جلاتی ہے۔ یہ بات بھی میں نے ان سے پوچھی کہ آپ دلوں کے حال لوگوں کے بھیدوں سے باخبر و مطلع ہوتے ہیں موجودہ آئندہ (حال استقبال) کی باتیں جانتے ہیں۔ ہر ایک کی ایک دیگ ڈھکی ہوئی جوش کھاتی رہتی ہے۔ جورو بچے اور لوگ جن سے آپ کو نسبت ہے وہ جو کچھ چھپ چھپا کر کرتے ہیں ان کی کھلی اور چھپی باتیں آپ پر منکشف (کشف پائے ہوئے) یعنی کھلا ہوا ہوتی ہیں۔ ویسی صورت میں آپ اپنے

نزدیک والوں کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں کیا ان کو اسی حالت و کیفیت میں چھوڑتے رکھتے ہیں کہ وہ اس طرح رہیں۔ دین کے کام میں سست اور جائز و ناجائز کاموں میں پڑے رہیں یا کوئی ایسا سلوک و برتاؤ ان کے ساتھ کرتے ہیں جس کے وہ مستحق ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات کو یہ دونوں باتیں بھی میسر نہیں۔ ایک بات عالم حقیقت کی بھی میں نے ان سے دریافت کی کہ آپ حضرات ہمہ اوست (سب وہی ہے) فرماتے ہیں۔ سبھوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا ہمہ اوست (سب وہی) فرماتے تو ہیں لیکن یہ بھی تصور میں لایا ہے کہ ہمہ (سب) کا قرارداد (ٹھہراؤ) اس پر کیسے درست ہو سکتا ہے۔ اس کلام کی کیفیت کے ساتھ ساتھ ایک بیان بھی ہے یا نہیں ان سوالوں کا جواب دینے کے بجائے وہ اس عاجز مسکین درماندہ اور مضطرب گشتہ (تنگ آئے ہوئے) سے خفا اور رنجیدہ ہو گئے اور یہ سمجھے کہ ان کو ملزم ٹھہرانے (لاجواب کرنے) بحث میں عاجز کر دینے کے لئے یہ سب کچھ کہا گیا ہے۔ جب تفصیل سنی غور کیا اور انصاف پر اتر آئے تو ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ عجاذنا لاجواب ہو جانے کے سوائے کوئی اور صورت نہ تھی۔ تو خوش خوش واپس ہو گئے۔

میں نے ان سے جو گفتگو کی وہ یہ تھی کہ اگر وہ ایسا ہو تو سلوک و سیر کیسے پورا ہو سکتا ہے۔ اصل کس اعتبار میں ہو گا ہم نے تعین و تشخص اس لئے نہیں کیا کہ عارف ذائق (مزہ پائے ہوئے جاننے والے) اور شاہد واجد (دیکھے ہوئے پائے ہوئے) سے یہ بات چھپی ہوئی نہیں۔ جو کوئی (ہم سے بات کرتے ہوئے) ہمارے کلام میں مشاہدہ حال کے بغیر باتیں بناتا ہے، وہ کام میں سست پڑ جاتا۔ ٹھیک راستہ پر نہیں چلتا۔ ہر ایک اپنی مجبوری، کمزوری کو خوب سمجھتا اور جانتا ہے۔ اس لئے طالب ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مرتبہ ہے جہاں سے من اللہ الی اللہ (اللہ سے اللہ کی طرف) سیر شروع ہو جاتی ہے۔ دوسرے معنی کا جو گرگانی رحمتہ اللہ علیہ کے کہے ہوئے ہیں امکان ہے اس کو بھی بیان کر دیا جاتا ہے حقیقت کے جنگل کا جوانمرد، نزدیکی کے میدان کا تجربہ کار، وحدت کے دریا کا پیراک، صمدیت کی چوٹی کا چڑھنے والا مضبوط قدیم، یہ اشارہ کر رہا ہے کہ اگر

اس کی ذات کی تنزیہہ (ہر چیز سے پاک) تسبیح (پاکی سے خدا کو یاد کرنا) میں جیسی کہ کوشش کی جانی چاہئے اگر کی جائے تو وہاں پہنچ سکتے ہیں جہاں عبارت ایک ایسے نقطہ کی مثال کے سوائے نہیں ہو سکتی جو کسی وجہ سے یا کسی طرح سے بھی ٹکڑے کرنے بانٹ دینے کے قابل نہ ہو۔ یہ وہ مرتبہ ہے جہاں ذہنی تصور کے سوائے رسائی نہیں۔ اگر کسی کو اس کی ابتداء و انتہا نہ ہونے کی سمجھ ہاتھ آ جائے اور وہ اس جہاں (دنیا) اس جہاں (عقبیٰ) ہزاروں یہ اور وہ تصور میں لائے پھر بھی وہ سات دریا کی شبنم کے جیسا ہے جو دریائے محیط سے کم تر ہوتا ہے۔ کیا کیا جائے مثال دینے کے لئے ایسی بہت بڑی شبنم کے سوا کوئی ٹھیک مثال نہیں ملتی، اگر ہوتی تو ہم دوسری تمثیل بھی دے دیتے۔

جب تم نے اس کو سمجھ لیا۔ یہ جان لیا تو اس قول کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے جو محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے متبعین اور دوسرے محققین نے ''وجود'' ایک ہی ہے، جو کہا ہے وہ اتنے وجودات سے متمثل ہے۔ اس جہاں اس جہاں کی ساری نعمتیں، جنت کی آرام دہ چیزیں، دوزخ کی تکلیف و ایذا دینے والی چیزیں، ثواب، عذاب، عرش (سب سے اونچا مقام) ثریٰ (سب سے نچلا مقام) سب چھوٹے بڑے، عزیز ہوں یا ذلیل بزرگ ہوں یا حقیر، ایک ہی وجود ہے۔ اس کے سوا کوئی وجود نہیں۔ لیکن محمد حسینی جو کہ نور مرتضوی سے روشن و جلا پایا ہوا، ضیاء مصطفائی سے چمک دمک دیا گیا ہے، یہ کہتا ہے کہ ان تمام وجودات کے ساتھ کہ جن کا ذکر آیا ہے، اس کا فیض ہے جو سارے صور و اشکال میں متصور و متشکل ہے (سب صورتوں میں ساری شکلوں میں اس کا فیض صورت و شکل لیا ہوا ہے) اور وہ ان موجودات سے سوا ایک وجود ہے۔ یہ اس کا فیض اپنے سب صور و اشکال (اپنی صورتوں اور شکلوں) کے باوجود اس وجود کے سامنے، حساب کے لحاظ سے اس ذات سے ایک لاکھ مرتبہ اس طرح کمتر ہے جیسے کہ دریائے محیط (سمندر) یا ہفت قلزم (سات سمندر) کے مقابل میں شبنم ہوتی ہے۔ سالک پے در پے، یکے بعد دیگرے بلکہ ہر گھڑی ہر پل اس وجود سے گزرتے اس سے پرے سے پرے کی سیر میں ہو جاتے ہیں۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللہ (البتہ تھوڑے) جس کا کوئی احساس نہ تھا کوئی فہم نہ

تھی۔ ہاں ایک بات یہ کہ عین معین ہی ایک وہ شی ہے جو تھی اور ہے۔ جس کو باریک تر نازک تر احساس ہی سے محسوس کر سکتے اور انتہائی سمجھ سے سمجھ سکتے' جان سکتے ہیں۔

حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے دن جبرئیل علیہ السلام ایک فرشتہ کو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور کہا کہ یہ فرشتہ ایک دن خدائے تعالیٰ کی جناب میں بے ادبی کیا تھا۔ خدائے تعالیٰ سے اپنے اڑنے میں عرش کی انتہا پانا چاہتا تھا۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرا کام تو جان۔ اڑ۔ اڑ کے دیکھ لے چنانچہ یہ فرشتہ ستر ہزار سال اڑتا رہا۔ اس کے پر جھڑ گئے' دوسرے پروں کی اس نے دعا کی۔ اس کو پر مل گئے۔ وہ اور ستر ہزار سال اڑتا رہا۔ پھر اس کے پر جھڑ گئے پھر اس نے دعا کی اس کو پر مل گئے۔ تین دفعہ وہ ایسا کیا آخر تھک گیا۔ عاجز آ کر عرض کیا کہ خدایا تیرا عرش کتنی کشادگی (پھیلاؤ) رکھتا ہے۔ فرمان ہوا کہ ابھی تو عرش کے ایک کنگرہ سے دوسرے کنگرہ تک بھی نہیں آیا۔ اس فرشتہ نے اپنا عجز ظاہر کیا۔ خدائے تعالیٰ کو قہر و غلبہ کے ساتھ جان پہچان لیا۔ دوسرے پروں کی درخواست کی فرمان ہوا کہ تو نے بے ادبی کی ہے اس لئے پر نہیں مل سکتے۔ جب حسین بن علی رضی اللہ عنہ پیدا ہوں گے اگر وہ تجھ پر ہاتھ پھیریں گے تو تجھ کو پر مل جائیں گے۔ حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ اس پر پھیرا گیا' اس کے پر آ گئے۔ مخلوق' متصور و متشکل کے ساتھ جو فیض قدیم تھا وہ اس صورت وصفت کے ساتھ تھا۔ اس ذات کا فیض لاکھوں ہزار مرتبہ اس سے زیادہ ہے کیا کہوں کچھ کہنے میں نہیں آتا۔ فیض قدیم کے مقابلہ میں یہ بہت کم ہے کیونکہ اور کیسے برابر ہو۔ پھر خدا جانے یہ محروم یہ کیسے اور کس وہم کی بناء پر کہتے ہیں کہ ان وجودات کے سوا کوئی وجود ہی نہیں اس کی عزت اس کے جلال اس کی بزرگی کی قسم جس نے ایسا گمان رکھا وہ خدائے تعالیٰ کو نہ تو پہچانا اور نہ اس تک پہنچا' نہ معیت و قربت کی دولت سے روشناس ہوا (نہ ساتھ ہونے نہ نزدیکی پانے کی سرفرازی اس کو منہ دکھلائی واللّٰہ من ورائھم محیط (اور اللہ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے) سب کے ساتھ۔ سب طرح سے سب کے ساتھ۔ سب کے بغیر' سب کے ساتھ۔ سب کے اندر سب

کے باہر وہی ہے۔ لطف یہ کہ نہ اندر ہے نہ باہر۔ نہ نزدیک نہ دور۔ اس سے' اس کے ساتھ کوئی آ گاہ (باخبر) نہیں۔ سب وہ نہیں۔ وہ سب نہیں۔ هو الكل هو الكل اكل هو كلية الكل وكلية الكلى هو كل كل الكلى و كلك و كل كلك هو هو هو لا هو الا هو (وہ کل ہے۔ کل کا کل ہے۔ وہ کل کی کلیت ہے اور کلیت کی کلیت ہے۔ وہ کل کا کل۔ کل کا کلیہ اور تمہارا کل۔ تمہارے کل کا کل وہی وہ ہے وہ نہیں وہ بلکہ وہی ہو) من الله الى الله (اللہ سے اللہ کی طرف) کی سیر اسی سے سمجھ میں آتی ہے کہ کیسی بے انتہا ہے اس کو خوب سمجھ لو۔ اس مرتبہ میں سالک کا یہ گمان ہوتا ہے کہ میں واصل ہو گیا (مل گیا) میری سیر میرا سلوک پورا ہو گیا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ حق الحقیقت۔ حقیقت الحق اور حق ہے۔ شریعت مراد ہے انسان کامل کے قول (کہے ہوئے) سے' طریقت مراد انسان کامل کے فعل (کئے ہوئے) سے۔ حقیقت مراد انسان کامل کی دید (دیکھے ہوئے) سے۔ حقیقت الحقیقت مراد ہے انسان کامل کی بود (ہونے) سے۔ حقیقۃ الحق مراد ہے۔ انسان کامل کی بود بود (ہونے میں ہونے) سے حق عبارت ہے (مراد ہے) بود بود و بود نابود (ہونا میں ہونا نہ ہونے میں ہونا) ہے۔

شریعت وطریقت میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ بیان وتحریر کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ہزارہا کتابیں' لکھوکھہا اقوال ہیں۔ اس میں گفتگو کرنا بے ضرورت بات ہے۔ ہاں ہاں جو کچھ حقیقت ہے اس کی ایک دلیل اس کا ایک ثبوت ضرور ہوتا ہے۔ جس کو کسی مثال ونظیر سے کہنے' بات کرنے میں لے آتے ہیں وہ دیکھی ہوئی کا ایک بیان ہوتا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ كما ترون القمر ليلة البدر ولا تضامون فى رويته شيئاً التمثيل بالنسبته الى الراى (جیسا کہ دیکھتے ہو تم چودھویں رات کے چاند کو کہ اس کے دیکھنے میں کوئی چیز مانع نہیں یہ مثال دیکھنے والے کی نسبت سے ہے۔ دکھنے میں آنے دکھائی دینے والے کی نہیں) آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ رائت ربى ليلة المعراج فى احسن صورة (دیکھا

میں نے اپنے رب کو معراج کی رات میں اچھی صورت میں) فی صورة امرد شاب قططه (نوجوان سبزہ آغاز گھنگھر و والے بال کی صورت میں) ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رائت ربی فی صورة امی (دیکھا میں نے اپنے پروردگار کو اپنی ماں کی صورت میں) قرآن میں بھی اس بیان کا پتہ اس طرح ملتا ہے کہ ید الله فوق ایدیهم (اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر) و جاء ربك والملك صفا صفا (آیا تیرا پروردگار اور فرشتے جوق در جوق) وجوه يومئذ ناضره الى ربها ناظره (اس دن چہرے تازہ ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔) حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رائت ربی فی المنام الف الف مرة (دیکھا میں نے اپنے پروردگار کو خواب میں ہزار مرتبہ ہزار مرتبہ) حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ الرویا الصالحة جز من النبوة (سچا خواب ایک حصہ ہے نبوت کے حصوں میں سے) رویاء (خواب میں دیکھنا) خدائے تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا اہل سنت کے عقائد میں جائز ہے دیکھا جا سکتا ہے۔ خدا خواب میں دکھائی دیتا ہے۔ یہ ویسی بات نہیں کہ نیند میں خواب میں جو دیکھیں وہ اور ہو۔ جو کچھ بیداری ہوشیاری میں دیکھیں وہ کچھ اور ہو۔ دنیا میں کچھ اور ہو۔ آخرت میں کچھ اور ہو۔ تعالیٰ الله غن الحدوث والتغيرانه سبحانه لا يتغير بذاته ولا فى اسمائه بحدوث الاكوان (برتر ہے اللہ تعالیٰ پیدا ہونے سے۔ بدل جانے سے وہ پاک ہے۔ بدلتا نہیں اپنی ذات سے نہ اپنے ناموں سے بدل جانے سے دنیا و عقبیٰ کے) بعض کتابوں میں خواب کو بیداری پر ترجیح دی گئی ہے مگر وہی بات وہی بیان ہے جو ہم لکھ آئے ہیں وہی بہت اچھا بیان ہے۔ ہمارا کہا ہوا۔ استقامت۔ استحکام یافتہ (ہمیشگی استواری مضبوطی پایا ہوا) ہے۔

محمد واسع رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ ما رائت شیئاً الا رایت الله فیه (نہیں دیکھی میں نے کوئی چیز مگر دیکھا میں نے اللہ کو اس میں) نکرہ محل نفی میں عموم کا اقتضا کرتا ہے۔ (اسم نکرہ جب نہیں کے ساتھ لایا جاتا ہے تو اس سے عمومیت مراد ہوتی ہے) اہل صفا و جلا کے نزدیک خلا (کھلا پن) کا وجود ہی نہیں اس لئے اس سے ہمیشہ کی

دید کا اشارہ نہیں ہو سکتا۔ ایک بزرگ ما رائت شیئاً الا رایت اللّٰہ قبلہ (نہیں دیکھی میں نے کوئی چیز مگر دیکھا میں نے اللہ کو اس کے بعد) کہتے ہیں ہر ایک نے اپنا ایک حال کہا ہے ہر ایک کا مقصود ایک ہی ہے اور ایک ہی کا پانا ہے۔ میں نے اپنے خواجہ سے سنا ہے۔ میرے خواجہ فرماتے تھے کہ ایک رات مجھ کو اقبال خادم، شیخ کے سامنے لے گئے اور خود باہر چل دیئے شیخ نے طاقیہ (ٹوپی) میرے سر پر رکھی۔ ہزار میخی خرقہ مجھ کو پہنایا اور فرمایا کہ جاؤ مشغول رہو بہت مشغول رہو۔ (اپنے کام میں لگے رہو۔ اچھی طرح سے اس میں ڈوب جاؤ) خواجہ کے سامنے سے دوگانہ ادا کرنے کے لئے اٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حجرہ دروازہ دیوار جہت سب شیخ ہی شیخ تھے۔ میں نہیں جانتا کہ میں کیسے باہر آیا اور عجیب تر یہ کہ جب دوسری دفعہ گیا اور نظر کیا تو سب کچھ اسی حال پر ویسا ہی تھا جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔ اسی طرح تیسری دفعہ بھی ہوا۔ میں آ گیا اور بہت زیادہ مشغول ہو گیا۔ اس رات میں، میں نے جو کچھ دیکھنے کا تھا وہ سب کچھ دیکھ لیا۔ حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے قیربک کے گھر میں سماع سنا۔ گھر آنے کے بعد آپ کے ساتھ جو مرید تھے ان سے پوچھا کہ قیربک کے گھر ہم گئے۔ سماع سنے۔ لوگ ہمارے بارے میں کیا کہہ رہے تھے۔ محی الدین کاشانی نے عرض کیا کہ لوگ کچھ اچھی بات نہیں کہہ رہے تھے۔ شیخ نے فرمایا سبحان اللہ ہم پر قیربک کے گھر میں کیا ہوا اور لوگوں نے کیا کہا۔ مولانا مذکور نے عرض کیا کہ کیا محل رویت تھا۔ رویت ہوئی تھی۔ (دیدار ہوا تھا) اس کے جواب میں شیخ نے فرمایا کہ ہاں ہاں رویت نہ تھی تو پھر وہ کیا تھی۔

ابتدائے حال میں طالب کا مقصود اس کے سوا نہیں ہوتا اور اس صورت کے سوا اور کچھ دل میں نقش نہیں بناتی لیکن یاد رہے کہ یہ نگار خانہ رنگ آمیز (یہ آئینہ خوشنما بھول بھلیاں) ہے۔ عارف اس کو شرک کہتے ہیں اور یہ جو کہا کرتے ہیں دیکھنے والے کیا جانیں کہ وہ کیا تھا۔ وہی تھا یا اور کوئی چیز تھی۔ بردھا فی قلبی (اس کی ٹھنڈک میرے دل میں) کا فرمان اس وجدان (پانے) کو بخوبی ظاہر کر دیا۔ کھلا پتہ دے دیا

ہے کہ دیکھنے والا جانتا ہے کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ دیکھنے والے کی پہچان وعلامت یہ ہے کہ وہ بیان نہیں کر سکتا۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ وہ ایک چیز دیکھتا ہے جو ایسی ہوتی ہے کہ اس میں نہ رنگ ہے نہ کیفیت نہ جہت (سمت) نہ خلق نہ قدم (نہ جدید نہ قدیم) نہ تحت (نیچے) نہ فوق (اوپر) نہ طول (لمبائی) نہ عرض (چوڑائی) نہ عمق (گہرائی) نہ بسط (پھیلاؤ) نہ قبض (سمٹاؤ) نہ یمین (داہنا) نہ یسار (بائیاں) اس کو بیان کرے تو کیا کرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کچھ کہتا ہے تو کافر ہو جاتا ہے۔ بت پرست کہلایا جاتا ہے اور حکم شرع میں موجب ملامت (تھوتھڑلہ کا سبب) قرار پاتا ہے (ٹھہرایا جاتا ہے)

چند لڑکے ایک شخص کو پتھر مار رہے تھے۔ ذوالنون رحمتہ اللہ علیہ نے ان لڑکوں کو منع کیا۔ ان لڑکوں نے کہا کہ وہ بات جو یہ کہتا ہے اگر آپ سن پائیں تو ہم سے زیادہ زور وقوت سے اس کے پتھر مارو گے۔ پوچھا کہ یہ کیا کہتا ہے۔ لڑکوں نے جواب دیا کہ ہم ان الفاظ کو دہرا نہیں سکتے آپ ہی اس سے پوچھ لیں۔ ذوالنون علیہ الرحمتہ اس کے قریب گئے اور اس سے پوچھا کہ بات کیا ہے۔ تم نے ان لڑکوں سے کیا کہا۔ اس نے جواب دیا کہ ان آنکھوں سے خدا کو دیکھتا ہوں دیکھا کرتا ہوں۔ اے ذوالنون اگر نہ دیکھوں تو کیسے جیتا رہوں کیونکر جیوں۔ ذوالنون رحمتہ اللہ علیہ نے لڑکوں سے کہا کہ اس کو خوب پتھریں ٹکاؤ' ڈھیلے مارو۔ نوجوان کے جواب کے بعد ذوالنون رحمتہ اللہ علیہ کے یہ کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح انسانی' سالک پر تجلی کرتی ہے وہ ویسی ہی ہوتی ہے جس کی تعریف ہم کر چکے ہیں۔ یہ وہ تجلی ہے جس میں احیاء (جلانا۔ زندہ کرنا) اماتت (مار ڈالنا موت دینا) ہے ساری مخلوق کا سجدہ لینا بھی اس کو میسر حاصل ہو جاتا ہے۔ سالک کے لئے دونوں میں (پروردگار تعالیٰ اور روح میں) فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک اور صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ تخیل نفسانی (نفس کا خیال) تصور شیطانی (شیطان کا صورت بنایا ہوا) ہو حقیقت وہی ہے جو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وجدت بردھا فی قلبی (میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل میں پائی) مصرعہ۔

دل داند و من دانم۔ من دانم و دل داند۔ (دل جانتا ہے۔ میں جانتا ہوں اور دل جانتا ہے) شکر کے چکھنے والا کسی عبارت (الفاظ) میں بھی شکر کی مٹھاس کا مزہ بیان نہیں کر سکتا۔ یہ مزہ وہی جانتا ہے جس نے چکھا جس نے دیکھا' جانا جس نے چکھا وہ پہچانا۔ موسیٰ علیہ السلام نے درخت اور آگ دیکھی۔ اِنِیّ اَنَا اللّٰہ (میں ہی ہوں اللہ) کی آواز سنی۔ تجلی کی حقیقت اور علامت اور ایک چیز کو جو نو پیدا' مادہ و مثال کے بغیر تھی جب معائنہ و مشاہدہ کر لیا تھا تو پھر ارنی انظر الیك (دکھلا مجھ کو تا کہ میں تجھ کو دیکھوں) کس بناء پر کس لئے کہا۔ لن ترانی (مجھ کو نہیں دیکھ سکتا) کا جواب کیوں ملا۔ جاننے پہچاننے والے۔ دیدار کے راز اور دید کے واقف کو دیکھی ہوئی آنکھوں کو دکھاوا نہیں ہو سکتا کی تنبیہہ کیوں کی گئی۔ مجھ کو دیکھ نہیں سکتا کی جھڑکی کیوں دی گئی اس کو بھی سن لو۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ چاہا کہ تمثل کے پردہ (مثل و مانند کی روک) کو درمیان سے (بیچ میں سے) اٹھا دیا جائے تا کہ وہ عین بعین (آنکھوں سے آنکھیں ملا کر) نظارہ کر لیں۔ (دیکھ لیں۔ چار آنکھ ہو جائیں) تو انہیں یہ جواب دیا گیا کہ تمہاری دیدہ وری (تیز نظری) ہماری عین کو دیکھ نہیں سکتی۔ ہماری وجہہ کی پاکی ہی ہماری وجہہ (چہرہ) کو سب کی نظروں سے چھپائے ہوئے ہے۔ ہاں یہ کہ انظر الی الجبل (دیکھ پہاڑ کی طرف) ہم اس سے پہلے کہہ چکے ہیں کہ درخت آگ کو مثال بنا کر اس کے پردے میں (پیچھے سے) عکس جمال قدسی کو ظاہر کیا گیا۔ عکس کا عکسی مشاہدہ میں آیا۔ اب بھی اگر اس درخت کے پردہ سے (پیچھے سے) اس کو اپنے آپ میں گم لے لیا جائے تو میسر ہونا ممکن ہے (ہاتھ آنے کا امکان ہے) مثال وہی تھی لیکن اس دفعہ آگ آگ نہ تھی۔ درخت درخت نہ تھا۔ وہ کچھ اور ہی تھا موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ تم اس کی تاب نہیں رکھتے تم رہو گے نہ پہاڑ رہے گا۔ پھر کون دیکھے گا کس کو دیکھے گا۔ کس کھڑکی یا دریچہ سے وہ رونما ہو گا۔ (منہ دکھلائے گا) بشریت کا جو پہاڑ ہے اس میں ایسا کوئی محل و موقعہ نہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے یہ ممکن ہے اس پر عکس کے عکس کی تجلی ہو سکتی ہے۔ اس پر یہ روشن و ظاہر ہو سکتا ہے۔ کوہ ستوہ ہستی (ہستی سے دبا ہوا پہاڑ) غم و رنج کا

مجموعہ ایک سرمایہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے دل کے سامنے ایک اور پہاڑ آ گیا' روک ہو گیا۔ وہ کیسے اٹھتا' کیونکر دور ہوتا۔ جس کے اٹھ جانے سے عین کو عین کے ساتھ مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے اس کا کہنا یہ ہے کہ ہم کو ہمارے سوائے کوئی اور دیکھ نہیں سکتا۔ پہلا واقعہ حقیقت تھا۔ ہم نے جو کچھ کہا اس سے ہماری مراد دید تھی یعنی دیکھنا تھا۔ دوسرا معاملہ حق الحقیقت کی خواست یعنی خواہش ہے۔ جو مراد ہے بود (ہونے) سے یہ ایسی خواست ہے کہ جس میں ایک حال سے ایک حال میں پہنچ جانے اور ممکن ہونے کا بیان میں لانا' انہونی بات ہے۔ مطلب یہ کہ تم' تم رہو حق الحقیقت تمہاری صفت ہو جائے۔ تمہارا اپنے میں رہنا' اپنے آپ سے اپنے بغیر رہ کر حقیقت کی بود (ہستی) میں نابود (گم۔ ناپید) ہو جائے۔ تو بود (ہستی۔ ہونا) تمہاری تعریف و توصیف ہو جاتی ہے۔

کسی صوفی نے جنید رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے الحمد للہ کہا۔ جنید رحمتہ اللہ علیہ نے اَتِمہُ (اس کو پورا کرو) کہا۔ تو صوفی نے کہا کیا کہوں آپ نے فرمایا رب العالمین کہو اس نے جواب دیا کہ دونوں عالم ایسے کیا ہیں کہ اس کے نام کے ساتھ ان کو یاد کروں۔ آپ نے فرمایا اس کو کہو کیونکہ جب نو پیدا قدیم کے متقابل و نزدیک ہو جاتا ہے تو اس کا اپنا کوئی اثر نہیں رہتا۔ جنت کا دیکھنا' ملکوت کا دیکھنا جیسا کہ دیکھنا ضروری ہے۔ دیکھنا جو کچھ اس میں ہے اس کو اس میں جو نعمتیں لذتیں۔ حور۔ غلماں۔ محلات۔ پھل۔ پھول۔ باغ۔ کیاریاں۔ چمن شراب مستی و خوشی اسی طرح کی اور دوسری کھانے پینے کی چیزیں جو وہاں ایک کے بعد ایک کھائی جائے گی۔ اسی کے ساتھ ساتھ دوزخ کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس میں جو جو تکلیف دینے والی چیزیں بچھو' سانپ' قسم قسم کے عذاب' تنگیاں' اندھیرا وغیرہ۔ یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ لوگوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک توے پر رکھ کر تیل ڈال کر اس کے نیچے آگ جلائی گئی ہے ہر طرح سے یخنی کی طرح کیا گیا ہے۔ جان اور حس اور وجدان ہر ایک کا باقی ہے۔ کلّما نضجت جلودھم بدلناھم جلوداً غیرھا (جب چمڑیاں جل جائیں گی تو ہم نئی چمڑی دوبارہ پیدا کر

دیں گے) کا نظارہ کرنا ہوتا ہے۔ آگ کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کے سر کی مانگ سے جلتی ہوئی پاؤں کے انگوٹھوں تک پہنچ رہی ہے لیکن واقعہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ آگ فوراً ایک ہی دفعہ روشن اور تیز ہو کر سب کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ بلکہ جیسے جیسے جلتا جاتا ہے ویسے ویسے درست ہوتا چلا جاتا ہے یہی دور ایسا ہی چکر جاری رہتا ہے۔ پورا جسم اچھا ہو جا کر پھر جل کر خاک ہو جاتا ہے۔ پھر یہی عمل از سر نو شروع ہو جاتا ہے۔ سر سے پاؤں تک پاؤں سے سر تک اسی طرح ہوتا رہتا ہے ہر ایک کا نظارہ اگر کوئی سالک کرنا چاہے تو کر سکتا ہے چنانچہ وہ تھوڑی دیر کے لئے وہاں کھڑا ہو جاتا ہے۔ ان سب مشاہدات میں ظلمات (اندھیرا) کا مشاہدہ سب سے زیادہ کٹھن ہے۔ سالک اپنے آپ سے دوزخ میں جانا نہیں چاہتا لیکن لے جانے کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کو بھی اس کے مشاہدہ میں لائے اس کو دکھلائے اس لئے اس کو زبردستی دھکے دے کر دوزخ کے اندر گرا دیتا ہے اس سے اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کو اس کی پوری اطلاع ہو جائے۔ سالک حیران و پریشان وہاں سے لوٹ آتا ہے۔ اسی طرح صراط۔ میزان۔ حساب قیامت کا میدان۔ کرسی قضا پر جلوس۔ سوال و جواب قبر کا مشاہدہ کرتا ہے۔ آسمانوں پر عروج۔ عرش مجید تک کی سیر بھی کرتا ہے لوح کو دیکھتا ہے کہ وہ ایک تختی کے جیسی ہے۔ جس کے دو پرت ہوتے ہیں۔ ایک فرشتہ اس کو بغل میں لیا ہوا دکھائی دیتا ہے جس کی لمبائی عرش سے ثریٰ تک تصور کرتا ہے لیکن وہ لوح کیسی ہے اس کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اسی طرح قلم کہ جس میں نہ تراش ہے نہ خط نہ طول نہ عرض نہ شکل لیکن وہ ہمیشہ چلتا رہتا اور چلنے ہی میں ہے۔ ایک دروازہ دیکھتا ہے جس پر قفل لگا ہوا ہوتا ہے۔ قفل پر مہر لگی ہوئی پاتا ہے۔ ایک چوکیدار کو دروازہ پر کھڑا ہوا دیکھتا ہے۔ ایک لکڑی اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ وہ چوکیدار نہ آدمی ہوتا ہے نہ فرشتہ۔ جو لکڑی اس کے ہاتھ میں ہے وہ نہ تو سونے کی ہے نہ چاندی کی نہ مونگے کی نہ موتی کی۔ نہ اس کو طول ہے نہ عرض۔ ایک خیمہ دیکھتا ہے۔ وہ نہ تو دیبا کا ہوتا ہے نہ حریر کا (مخمل کا ہوتا ہے نہ اطلس کا) نہ لمبا ہے نہ چوڑا نہ بنا ہوا ہے نہ سلا ہوا۔ وہ مکان بھی نہیں اس کو مکان کہا بھی نہیں جا سکتا چونکہ اس کو وہاں کھڑا

کیا گیا ہے اس لئے اس کو مکان ہی کہنا پڑتا ہے۔ وہاں مکان کہاں۔ اس خیمہ کے اندر کیا ہے اور کون ہے اس کو کہاں تک لے جاتے ہیں وہ وہاں کیا کیا دیکھتا اور کس کو دیکھتا ہے۔ کہنے میں نہیں آ سکتا۔ اس مرتبہ کے سالک کو یہاں تک لے جایا کرتے ہیں۔ بعدہ اس کے بعد اس کے ساتھ کیا کیا ہوتا ہے یا ہوا وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے اس کو بھی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لے جانے والا وہ شیخ ہو یا مرشد یا رسول' دروازہ ہی پر کھڑے رہتے ہیں۔ اندر کی انہیں خبر نہیں ہوتی کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہاں جب وہ وہاں سے لوٹ آتا ہے تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تم سے کیا معاملہ ہوا۔ اندر جانے والے کو جو بہتر و مناسب معلوم ہوتا ہے وہ کہتا ہے۔ جس کا کہنا مناسب نہیں سمجھتا وہ نہیں کہتا چھپائے رکھتا ہے۔ خِنّت (بخل۔ کنجوسی) کو کام میں لاتا۔ کوتاہی کرتا ہے۔ لے جانے والے کا اندر جانے والے سے پوچھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ اس کو معلوم نہیں اس کا تھوڑا بہت علم ہو جائے اس کے ساتھ کیا ہوا معلوم ہو جائے۔ اس سیر کے بعد سالک پر بہت ساری چیزیں کھل جاتی ہیں۔ یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ حقیقت کے کھل جانے کے اقسام میں سے ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک نوجوان ابو تراب نخشبی رحمتہ اللہ علیہ کی تربیت میں تھا۔ ابو تراب رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے کہا کہ تیری استعداد کا لحاظ کرتے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تو بایزید رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ جائے۔ اس کے جواب میں وہ نوجوان یہ کہنے لگا کہ ان کی خدمت میں کیا دیکھوں گا۔ انہیں دیکھ کر کیا کروں گا۔ میں یہاں بیٹھا ہوا بایزید کے خدا کو ستر مرتبہ دیکھا کرتا ہوں۔ اس کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ ایک مرتبہ بایزید رحمتہ اللہ علیہ کا دیکھ لینا' خدا کو ستر بار دیکھ لینے سے بہتر ہے۔ نوجوان نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے۔ وہ تو اپنے حوصلہ و استعداد کے موافق دیکھ رہا ہے جو کچھ بایزید رحمتہ اللہ علیہ میں دیکھے گا بقدر و اندازہ بایزید رحمتہ اللہ علیہ ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ ابو تراب رحمتہ اللہ علیہ اس نوجوان کو "دید" (دیکھنے) سے "بود" (ہونے) میں لے جانا چاہتے تھے۔ وہ دید میں پہنچ

چکا تھا۔ لیکن بود کی اس کو خبر نہ تھی۔ دید ہی میں ٹھہرا ہوا آرام پایا ہوا تھا۔ بات یہ ہے کہ دید سے بود میں پہنچنے تک ہزاروں جنگل، میدان، وادیاں بیچ میں ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت ساری خندقیں پہاڑیاں ہیں۔ وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے، رب العزت کا پیارا چاہا ہوا ہے جو دید سے بود میں آ جائے۔ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ ابو عثمان مکی رحمتہ اللہ علیہ نے بغداد کے مشائخین کے نام ایک خط بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ اے مشائخان بغداد، صوفیان عراق، ہزاروں آگ کے پہاڑ، خاردار خندقوں کا پار کرنا تمہارے لئے ضروری ہے اگر یہ مراحل طے نہ کر لئے۔ پار اتر نہ گئے۔ سختیاں نہ اٹھائیں تو پھر کس کام میں ہو۔ کیا کر رہے ہو۔ جنید رحمتہ اللہ علیہ نے بغداد کے صوفیوں کو جمع کیا۔ ان کے سامنے وہ خط پڑھا۔ سب نے ایک رائے ہو کر یہ کہا کہ ان کی مراد آگ کے پہاڑ، خاردار خندق سے خدا کے راستے میں مٹ جانا ہے۔ جب تک کئی ہزار بار مٹ نہ جائیں۔ مقصود کو نہیں پہنچتے۔ جنید رحمتہ اللہ علیہ رو پڑے۔ کہنے لگے کہ ان خندقوں ان پہاڑوں میں سے میں نے ایک بھی طے نہیں کیا۔ یہ سنتے ہی حریری رحمتہ اللہ علیہ رو پڑے اور کہا کہ اے جنید تم شیخ ہو۔ تم یہ کہتے ہو کہ تم نے ایک پہاڑ ایک خندق طے نہیں کیا مسکین (بیچارہ) حریری تین قدم بھی آگے نہیں گیا۔ یہ سنتے ہی شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے نعرہ لگایا کہا کہ اے شیخ جنید تم نے ایک خندق ایک پہاڑ بھی پار نہ کیا اور شیخ حریری تین قدم بھی آگے نہیں گئے۔ مسکین شبلی وہ ہے کہ جس نے اس راستہ کی گرد و غبار تک نہ دیکھی۔ یہ بات دید سے بود یعنی دیکھنے سے ہونے تک کی ہے۔ ہاں اتنا سمجھ لو کہ ''حق الحقیقت'' انسان کامل کے ہونے سے مراد ہے۔ جو کسی عبارت کسی نظیر و مثال میں یا کسی کے وہم و خیال میں نہیں آ سکتا۔ اشارے کنایہ سے بھی کسی کو خبردار و ہوشیار نہیں کیا جا سکتا۔ تحریر و تقریر میں نہیں سماتا۔ بایزید رحمتہ اللہ علیہ نے "سبحانی ما اعظم شانی (میں سبحان۔ مری کیسی بڑی شان ہے)

جنید رحمتہ اللہ علیہ نے "لیس فی جبتی سوی اللہ" (میرے جبہ میں اللہ کے سوائے نہیں) حسین منصور رحمتہ الہ علیہ نے ''انا الحق'' (میں حق ہوں) ابو

الحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ نے " انا اقل من ربی بسنتین " (میں اپنے پروردگار سے دو سال چھوٹا ہوں) کسی بزرگ نے " لا فرق بینی و بین ربی الا انی تقدمت بالعبودیة" (مجھ میں اور میرے پروردگار میں کچھ فرق نہیں۔ اگر ہے تو یہی کہ میں نے سبقت پیش قدمی کی عبادت و بندگی میں) کسی نے " الصوفی ھو اللّٰہ " (صوفی وہی اللہ) حریری رحمتہ اللہ علیہ نے " الفقیر لا یفتقر الی نفسه ولا الیٰ ربه " (فقیر نہ محتاج ہے اپنے نفس کا نہ اپنے پروردگار کا) ایک محقق " اذا تم الفقر فھو اللّٰہ " (جب پورا ہو جاتا ہے فقر تو وہ اللہ ہے۔ اور ایک نے " انا ابن الازل " (میں ازل کا بیٹا ہوں) ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے " ولدت امی اباھا " (میری ماں نے اپنے باپ کو جنا) کی بات اس قدر ہے کہ ایک کچھ نہیں۔ دوسرے کچھ نہیں کا گواہ ہوگا۔ شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے " انا اقول وانا اسمع و ھل فی الدارین غیری " (میں ہی کہتا میں ہی سنتا ہوں اور میرے سوائے دونوں جہان میں کون ہے) یہ بزرگوں کی کہی ہوئی باتیں ہیں۔ صوفیاء رحمہم اللہ کی باتوں میں ایک ہونے کا ملاپ کا وہم پایا جائے تو اس کو حق الحقیقت کی حکایت سمجھ لو کیونکہ حقیقت الحق کی تعریف یہ کی گی ہے کہ " لا یحطی به نبی المرسل ولا ملك مقرب ولا ولی عارف ولا صدیق محقق " (جس کا احاطہ کوئی نبی رسول نزدیکی پایا ہوا کوئی فرشتہ کوئی عارف ولی اور کوئی محقق صدیق نہ کر سکا۔) اگر تم یہ کہو کہ خدا چاہے تو وہ کسی کو اپنی حقیقت سے آشنا کر سکتا ہے کر دیتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ " ان اللّٰہ لا یوصف بالمحال " (البتہ اللہ محال سے موصوف نہیں) اصول یہ ہے کہ افعال سے صفات کی طرف جاتے ہیں اور صفات سے ذات کی طرف آتے ہیں ذات میں ذات کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ اس سے آگے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ مہم کام نہیں کرتی۔ " اعوذ بعفوك من عقابك " (تیری عفو و درگزر کی پناہ میں آتا ہوں تیری پکڑ سے) کہہ کر فعل سے فعل میں گئے۔ اعوذ برضاك من سخطك (پناہ لیتا ہوں تیری خوشنودی کی تیری ناخوشی سے) کہہ کر صفت سے صفت میں ہو گئے۔ اعوذ بك منك (پناہ لیتا

ہوں تیری تجھ سے) کہہ کر ذات میں ذات کے ساتھ آ گئے۔ جو کچھ نسبت (تعلق) اضافت (لگاؤ) عبارت (مراد) اشارت (منشاء) فہم (سمجھ) شعور (پانے) میں آنے سے باہر تھا وہ نہیں آ سکتا تھا۔ اس کو ما ابلغ مدحتك (نہیں رسائی پاتا ہوں تیری مدح کی) اور لا احصى ثناء عليك انت كما اثنيت علىٰ نفسك (تیری تعریف کر نہیں سکتا مگر وہی کہ جو کچھ تو نے اپنی تعریف آپ کی ہے) کہہ کر ایک حصہ سے دوسرے حصہ کے ساتھ کفاف کر گیا۔ باقی کو طرح دے گیا (اڑا گیا) یہ بھی ہوتا ہے کہ فعل سے فعل میں صفت سے صفت میں اور ذات کے ساتھ رہا کرتے ہیں۔ اس کے بعد ورالوری (پرے سے پرے) ہے اس کی حکایت نہیں کی جا سکتی۔ اس کو تحریر میں لایا نہیں جا سکتا۔ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کی تیزی چالاکی، سمجھ رسائی، ان کو کہنے لکھنے سنانے میں لے آئی جس کا اشارہ کلام ربانی کی شرح کرتے ہوئے کر دیا گیا۔ جس کو علمائے ربانی جانتے ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ظلمات (اندھیرے) میں ذرائع و اسباب کا پاس لحاظ کر کے بے چین و حیران سرگرداں رہ گئے۔ مطلب یہ کہ مشاہدہ و معائنہ کے بغیر صرف دلیل و سند پر راضی نہ تھے۔ ملاقات تو صرف پلک مارنے یا لحظہ بھر تک بھی نہیں ہوتی۔ دل کو ان خطرات سے کون لوٹا لائے۔ ہوا ہوس سے کون پھیر لائے۔ ہو سکتا ہے کہ ظاہر ہو جائے۔ ممکن ہے کہ عیاں ہو جائے۔

ایک ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ یہ سارے دکھ درد، جلنا، بھننا، مرنا اس کے لئے اختیار کرتا ہے۔ شوق کا دریا جوش میں آتا جاتا ہے۔ شورش طلب میں لے آتی ہے۔ امن يجيب المضطر اذا دعاه (کون ہے جو قبول کرتا ہے تڑپتے ہوئے کی دعا کو) مقدمہ جیت گیا۔ عذرات قبول ہو گئے۔ مقصد حاصل کرنے کا علم (طریقہ) اس پر کھل گیا۔ جس کا ارشاد ادعونی استجب لكم (دعا کرو مجھ سے تاکہ میں قبول کروں تمہاری دعائیں استقبال کے لئے آتی ہے۔ فلما جن عليه الليل (جب چھا گئی ان پر رات) سے مراد ان کی عاجزی بیچارگی کا ظاہر کرنا ہے۔ یہ ان کے ہائے وائے بیقراری تڑپ بے چینی ہے۔ راہ کوکب (دیکھنا ستارہ) سے مطلب یہ ہے کہ وہ

میدان طلب طے کر کے مقصود کے شہر کے دروازہ پر پہنچ گئے۔ ۔

کفرش ہمہ ایماں شد تا باد چنیں بادا   معشوق بساماں شد تا باد چنیں بادا

(اس کا کفر ایمان ہو گیا جب تک ہو ایسا ہی ہو   معشوق موافق ہو گیا جب تک ہو ایسا ہی ہو

یہ مقصود وہ ہے، جو سب مقاصد سے سوا اور نرالا ہے۔ انتہا کو پہنچا ہوا۔ دلیل راہ پایا ہوا۔ یہ جانا کہ وہ دل کو ایک طلب میں لگا دیتا ہے۔ تو وہ اس کو اپنی قرار گاہ بنا لیتا ہے۔) افول جو زوال و زبول (ڈھلنا، غروب ہونا، گھٹنا، اتر جانا، پژمردگی) کی دلیل ہے اس کو مشاہدہ کے بعد کہا۔ ہاں ہاں یہ وہ تمثیل ہے جو تمثل و تشکل میں عین وصف رکھتے ہوئے بھی تغیر و تبدیل رکھتی ہے۔ عاقل کامل (بہترین سمجھدار) بالغ فاضل (بزرگ پہنچا ہوا) متغیر (بدلنے والے، کچھ سے کچھ ہو جانے والے کو) کو اپنی ٹھہرنے کی جگہ نہیں بناتا۔ کیونکہ متغیر کو قرار ہی نہیں وہ ایک طرح سے نہیں رہتا۔ مصرعہ: اہل تمیز خانہ نکردند بر پلے (سمجھ دار پل پر گھر نہیں بناتے) اہل صفا و وفا (صوفی اور عاشق) اس سے بالکل دل نہیں لگاتے۔ اس کو دل نہیں دے دیتے۔ **لا یتجلی فی صورۃ مرتین** (ایک صورت میں دوبارہ جلوہ نہیں کرتا) اس کی دلیل ہے۔ اسی کی بے ثباتی، بے قراری کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ پہلے تو **فی احسن صورۃ** (اچھی صورت میں) کہا۔ اس کے بعد پھر **امرد شاب قطط** (نوجوان گھنگھریالے بال والا جس کا ابھی سبزہ آغاز نہ ہوا ہو) کسی نے **فی صورۃ امی** (میری ماں کی صورت میں) خلیل اللہ علیہ السلام کے لئے صورت، ہیئت شکل، تمثل سے گزر جانا (نکل جانا) ضروری تھا اس لئے آپ نے **لا احب افلین** (میں ڈھلنے والے کو دوست نہیں رکھتا) کہہ دیا یعنی میں اس کو دوست نہیں رکھتا جس کے جمال میں گھٹاؤ اور پژمردگی ہو۔ میں اس کو نہیں چاہتا جس میں وفا ثبات نہ ہو (دوستی کا پورا کرنا، قرار و قیام نہ ہو) میں اس کو نہیں چاہتا جو میرے ساتھ نہ رہے۔ ان کو ان کی بلند ہمت دید سے بود میں لے گئی اور گم کر دیا (دیکھنے سے ہونے میں لے جا کر ہونے میں محو کر دیا) ایک روشنی بلوغ (ایک نور رسائی پہنچ) دکھلائی دی تو تحقیق سے جان لیا کہ یہی جائے پناہ اور ٹھہرنے کی جگہ ہے، اس سے آگے

راستہ نہیں۔ اس سے بہتر امن کی جگہ ٹھہرنے کا مقام اور کوئی نہیں۔ فلما رای القمر بازغاً قال هذا ربی (جب چاند کو دیکھا کہ وہ روشنی ہے کہا یہ میرا پروردگار ہے) دل کی گہرائیوں سے غور کے ساتھ سنو۔ بود میں اتہام بود بود تھا (ہونے میں ہونے کی تہمت تھی) اس بقیہ کے لئے کوئی نقیہ نہیں (اس بچے کھچے کا کوئی بچا کھچا نہیں) اگر ہے تو بود سے بود بود تک (ہونے سے ہونے کے ہونے تک) شہود وجود تک وجود کے وجود تک۔ اگر طلوع، افول، نزول کو سمجھ جائیں تو مطلب حاصل کرنے، مقصد پالینے کی منزل میں آجاتے ہیں۔ بلکہ ہو جاتے ہیں۔ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام مطلع ہوئے تھے۔ وہ شبلی علیہ الرحمتہ تو نہ تھے کہ شبلی کی طرح محبوب کی پناہ میں آکر کچھ کہتے۔ آپ نے لئن لم یهدنی ربی لا کونن من القوم الضالین (اگر میرا پروردگار میری راہبری نہ کرتا تو میں قوم گمراہ میں سے ہوتا) اس لئے کہ آپ پر طلوع (نکلنے) میں ہی ایک مطلع تجلی کیا (نکلنے کی جگہ دکھلائی دی) کیونکہ ہر حق کی (ہوتے کی) ایک حقیقت (ہوتاپن) ہوا کرتی ہے۔ فلما رای الشمس بازغه قال هذا ربی هذا اکبر فلما افلت (جب دیکھا آفتاب چمکتا ہوا کہا یہ میرا رب ہے یہ بہت بڑا ہے جب ڈھل گیا) وہم وفہم (گمان، سمجھ) کا یہاں دخل نہیں۔ مثال ونظیر (ایسے ویسے) کی گنجائش نہیں تخیل وتمثل کے لئے گمان کا محل نہیں۔ شیطان، فرشتہ، نبی، ولی کے لئے راستہ نہیں۔ تدبیر کی جائے تو کیا کی جائے اگر کچھ تدبیر ہو سکتی ہے تو یہی کہ تقید (قید میں آجانا، پابند ہو جانا) تمکن (ٹھہر جانا ٹھکانے سے ہو جانا) اقرار (مان لینا) عجز وانکسار کیساتھ سر نیچا کئے ہوئے رہنا پڑتا ہے اور اسی پر منحصر ہونا کہ انی وجهت وجهی (میں منہ کرتا ہوں ایسے کی طرف) یہ کیا ہے یہی کہتا ہے کہ تو تو ہے۔ جیسا کہ ہے ہے۔ ہم بھی اعتقاد رکھتے ہیں اور اسی قدر کہتے ہیں کہ تو ہے۔ جب تجھ کو تیری صفت سے یاد کرتے ہیں تو اس کے سوا کیا کہیں کہ فاطر السموٰت والارض (پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا) نتیجہ یہ کہ خود اس قدر ضرور جانتے ہیں کہ مشرک نہیں ہیں۔ یہی کہ دید سے بود میں آئے ہیں اور بود سے بود بود میں آکر وہاں سے بھی گزر چکے ہیں۔ صرف صرف (چھنے ہوئے

کے چھنے ہوئے) کو پہنچ گئے ہیں۔ منصور علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ پاک و منزہ جانتا ہوں تجھ کو اس یکتائی سے یکتائی کرنے والوں کے جو تجھ کو یکتائی سے یاد کرتے ہیں۔ کیا خوب اشارہ کیا ہے ملحد حکیم یہ خبر دیتا ہے کہ الدخول فی الکفر الحقیقی والخروج عن الاسلام المجازی (داخل ہونا کفر حقیقی میں اور نکل آنا اسلام ظاہری سے) وان لا تلتفت الا بما کان وراء الشحوص الثلة (التفات نہ کرنا ناسوت ملکوت جبروت کی طرف) وکان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم دائم الحزن والبکاء (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فکر اور رونے میں رہا کرتے تھے) لا اله الا اللّٰہ (نہیں بندگی کے لائق مگر اللہ) جب کہ اس کی یافت ہوئی نہ دریافت ہوئی۔ تو رونے چلانے رنج و غم کے سوائے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ عاجز آ جانے کے سوائے اور کیا چارہ ہے۔

فیض قدیم کی نسبت اس کے ساتھ ایسی ہوتی ہے جیسے کہ شبنم کی ہوا کے ساتھ اور ہزار ہا سمندر کے جو مقابل ہو اس کے جیسی۔ تم اس بے وقوف راہ کو۔ اس عالم جاہل کو اس بوڑھے دودھ پینے والے بچہ کو۔ اس عارف نادان کو۔ اس مرشد گمراہ کو اس پیشوائے پس افتادہ کو کیا کہو گے جو یہ کہتا ہے کہ اس کا سلوک پورا ہو گیا۔ خوب سمجھ لو کہ یہ ایک بے نتیجہ بات ہے اس نے یہ نہ جانا کہ گرگانی رحمتہ اللہ علیہ کے قول میں کھلی بات' صاف روشن معنی موجود ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ وهو بعید فی السلوك غیر واصلْ (وہ سلوک میں دور ہے اور ملا ہوا نہیں ہے) سارے درجات پر فائز ہوئے۔ سب مقاصد کو پہنچنے کے باوجود بھی اس کا سلوک پورا نہیں ہوا۔ اس کے سر سے طلب نہیں گئی۔ اس کی آرزو کم نہ ہوئی۔ یہ کہتے ہیں کہ مجنوں لیلیٰ کی طلب میں جب مصیبتیں مشکلیں رنج و تکلیف اٹھایا' سب کچھ کرنے کے بعد اپنی مراد کو پہنچ گیا' ہوا ہوس پوری کرنے کے بعد بھی اس کا جذب دب نہیں گیا۔ عشق ٹھنڈا نہ ہوا۔ طلب کم نہ ہوئی۔ لیلیٰ سے ملنے کی خواہش لیلیٰ کی طلب اس کے دل سے نہ گئی۔ اللهم انت فی عماء واحمد حبیبك فی وله (اے ہمارے پروردگار تو ابر میں ہے احمد مصطفیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

تیرے حبیب اس میں تیرے ساتھ) بات یہ ہے کہ حس، عقل، طبع، دل، روح کو اس دنیا کی خبر نہیں کہ وہ کیا ہے۔ اس کو کسی طرح سے بھی کوئی احساس نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر احساس کر سکتی ہے تو روح اعظم ہے جس کو ہم فیض قدیم کہتے ہیں۔ جس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک لگاؤ ہے۔ اسی کے شعور کے لحاظ سے ہر ایک اپنی نسبت کی مناسبت سے قربت (نزدیکی) جنسیت (ایک قسم کے ہونا) نصیبہ (مراد) میراث (ترکہ) پاتا ہے اور محظوظ (خوش مزے لیتا) رہتا ہے۔ حتی کہ جسم اور چھونے کی قوت بھی ذوق پاتی ہے یہ بھی جان لو کہ علم الیقین (بلا کسی شک وشبہ کے جاننا) اور عین الیقین (آنکھوں سے دیکھ کر بلا کسی شک وشبہ کے جاننا) یہ علم دیکھنے کے بعد آتا ہے۔ اس لئے کہنے سننے میں بھی آتا ہے۔ وہ کیا یہی کہ ثابت کرنا۔ نفی کرنا۔ عین الیقین مراد ہے ہونے سے حق الیقین (ہو کر جاننا) ہونا ہے ہونے میں۔ اس سے آگے جو مراتب ہیں وہ کہنے سننے میں نہیں آ سکتے اس لئے اس کا اشارہ بھی نہ آیا۔ البتہ سچ وہی ہے جس کے بارے میں جو کچھ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غور وفکر کرو اللہ کی صفات میں اور غور وفکر نہ کرو اللہ کی ذات میں۔ قرآن شریف میں ہے کہ اللہ ڈراتا ہے تم کو اپنے نفس سے' یہ بھی اسی کا اشارہ ہے کہ ذات میں غور وفکر کا محل وموقع ہی نہیں۔ کسی بزرگ نے کیا اچھی بات کہی کہ مکون (دنیا کا بنانے والا) کہنے سننے میں نہیں آتا۔ کہنے سننے میں آنے کے لائق ہی نہیں اس مبتداء کو خبر پر ٹھہرا دیں تو بات سچی اور بحث مناسبت ہو جاتی ہے کیونکہ یہ حدیث شریف کے لحاظ سے بھی ٹھیک ہے کہ اذا ذکر اللّٰہ فی سکتو (جب اللہ کا ذکر آ جائے تو خاموش ہو جاؤ'

الحمد للّٰہ ربّ الغلمین تمت الرسالہ

سب تعریف اللہ ہی کے لئے' جو سارے جہاں کا پالنے والا ہے۔

ختم ہوا رسالہ

ترجمہ یازدہ رسائل

رسالۂ سوم

رویت باری تعالیٰ

تصنیف

قطب الاقطاب سید محمد حسینی خواجہ گیسودراز بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ

مترجمہ

مولانا قاضی احمد عبدالصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ العزیز
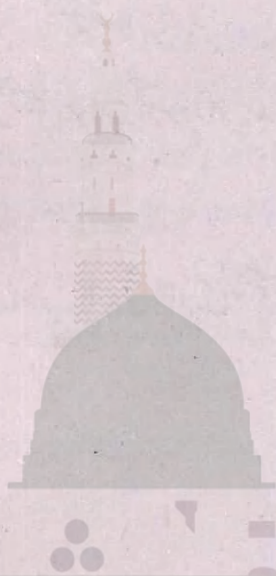
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

امام رضی اللہ عنہ (امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ) نے فقہ اکبر میں رویت باری تعالیٰ (خدائے تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھنے) کا مسئلہ صراحت کے ساتھ نہیں لکھا۔ امام فخر الاسلام بزودی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف بزودی میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے دیکھنے کو دلیل سند سے ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ مسائل جو ہم نے تحریر کئے ہیں وہ صاحبین سے مروی ہیں۔ صاحبین سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دو شاگرد امام یوسف رحمتہ اللہ علیہ اور امام ابو محمد رحمتہ اللہ علیہ مراد ہیں) انہوں نے دلائل و اسناد سے ثابت کیا ہے کہ مومنین خدا تعالیٰ کو قیامت میں اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ ہمارا بھی یہی ایمان ہے اس کو ہم سچ جانتے ہیں کہ قیامت میں مومنین خدا تعالیٰ کو ان ہی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ زیدیہ، معتزلہ اس طرح کی روایت کے منکر ہیں۔ ان کے سوائے اور بھی گروہ ہیں کہ جنہوں نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ رویت باری تعالیٰ کے مسئلہ میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین یا سلف صالحین رضی اللہ عنہم کے اقوال سے کوئی سند ان علمائے ثلاثہ میں سے کسی نے نہیں پیش کی۔ اس کی بظاہر یہی وجہ پائی جاتی ہے کہ اس مسئلہ میں جو کوئی معقول بات کہتا ہے تو اس کو یہ حضرات بدعتی (نئی بات دین میں نکالنے والا) کہتے ہیں۔ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال صحابہ، تابعین صحابہ و تبع تابعین صحابہ رضی اللہ عنہم ہی لکھوں تو یہ رسالہ رسالہ نہ رہے گا بلکہ کئی جلدوں کی ایک خاصی کتاب ہو جائے گی۔ ضرورت ہو تو احادیث کی کتابیں دیکھ لو۔

مفسرین، اپنی اپنی تفسیروں میں لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار

(آنکھوں کی روشنی (بینائی) اس کو نہیں پا سکتی وہ آنکھوں کی بینائی کو پاتا ہے) کی آیت کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ لا تدرکہ الابصار ای فی الدینا (اس کو بینائی نہیں پا سکتی یعنی دنیا میں نہیں پا سکتی) جو کچھ ہم معقولات میں پڑھ چکے ہیں۔ بزرگوں سے سن چکے ہیں۔ صحائف طوالع' مطالع میں جو کچھ لکھا ہوا ہے۔ اگر ان کو یہاں لکھا جائے تو بدعت ہو جائے گی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح کے ساتھ نہیں فرمایا۔ آپ نے اس قدر ضرور خبر دی کہ قیامت میں رویت ہو گی۔ اسی طرح صحابہ تابعین' تبع تابعین رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کی۔ ہم چند معقول ضروری باتیں ایسی لکھنی چاہتے ہیں جس سے اہل ضلال (گمراہ جماعت) زیدیہ معتزلہ کا منہ بند ہو جائے۔ کیونکہ انہوں نے بہت ساروں کو راستے سے بھٹکا دیا ہے۔ فقہاء میں بھی بعض ان ہی معتقدات کے ہیں ہم ان کا نام لینا نہیں چاہتے کہ تم ان کے معتقد ہو۔ بہر حال علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ دنیا میں رویت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رویت اس کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت' بڑی سرفرازی بڑا انعام ہے۔ دنیا ہیچ ناکارہ لچر پوچ چیزوں میں کی ایک چیز ہے۔ یہ بڑی اہم نعمت (یعنی رویت باری تعالیٰ) دنیا سے کوئی نسبت نہیں رکھتی۔ دنیا ایسی جو ہو تو اس میں رویت کا ہونا ممکن نہیں۔ ''کتاب عوارف'' جس کے مصنف شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ ہیں گروہ صوفیہ کے مرشد ہیں آپ اس میں لکھتے ہیں کہ الدنیا لمح یسیر فی الدنیا خیر کثیر (دنیا پلک جھپکنے تک ہے دنیا میں بہت نیکی ہے) خیر کثیر سے کون مانع ہے (کس کو انکار ہے) اس قدر لکھ کر ہم پھر اپنی معقول گفتگو کی طرف لوٹ آتے ہیں کہ ہمیں زیدیہ معتزلہ سے کچھ کہنا ہے۔ تم اتنا تو سمجھتے ہو گے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو آپ ہی دیکھتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی ذات کا دیکھنا اس کے لئے امر ممکن ہے۔ امر ممکن کے متعلق ہمارے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خبر دی ہے۔ آپ انبیاء علیہم السلام میں سب سے بہتر نبی علیہ السلام ہیں۔ ہمارا یہ اعتقاد ہے ہم اس کے معتقد ہیں۔ اگر ہم آپ کے فرمائے ہوئے پر ایمان رکھیں اور اعتقاد نہ لائیں تو کافر ہو جائیں گے۔ ملحد بے دین بن

جائیں گے۔ سچ ہے ''امر ممکن'' بہت معقول بات ہے۔ اس بارہ میں بہت ساروں نے کہا اور بہت کچھ کہا ہے مثلاً آنکھ کا ایک حلقہ ہوتا ہے جس میں پتلی ہوتی ہے۔ ہر چیز کا عکس اس میں اتر آتا' ظاہر ہو جاتا ہے۔ یعنی دکھ جاتا ہے (نظر آتا ہے) اسی کو ''رویت'' (آنکھوں سے دیکھنا) کہا جاتا ہے۔ یہ بات جسم و جسمانیت سے متعلق ہے خدا تعالیٰ جو جسم و جسمانیت سے پاک و منزہ ہے اس کو اس سے کیا نسبت۔ اس کے متعلق محمد یوسف حسینی (صاحب کتاب فارسی) کا کہنا یہ ہے کہ تم آفتاب کو دیکھتے ہو۔ اس کو اسی طرح سے دیکھتے ہو۔ تمہاری آنکھ آفتاب کے نور سے فیض اور روشنی لیتی ہے اس فیض سے تمہاری آنکھیں آفتاب کے نور سے فیض اور روشنی لیتی ہے۔ اس فیض سے تمہاری آنکھیں آفتاب کو دیکھ لیا کرتی ہیں۔ اگر خدائے تعالیٰ اپنے کسی بندہ پر اپنی خاص رحمت کرے وہ اسی کے قدسی سبوحی نور سے فیض پا کر اپنی ان ہی آنکھوں سے اس کے نور کے واسطہ یا ذریعہ سے اگر اس کو دیکھے تو اس کو اس نے ان آنکھوں سے نہ دیکھا بلکہ اس کو اس کے نور سے دیکھا بھی اگر کہا جائے تو یہ بھی ٹھیک و درست ہے کیونکہ وہ خود فرماتا ہے۔ لا یری اللّٰہ غیر اللّٰہ (اللہ کو اللہ کے سوائے کوئی نہیں دیکھتا) اس بارہ میں بہت کہا سنا جا سکتا ہے۔ اس لئے ہم اس کو انشاء اللہ کئی طرح سے ثابت کریں گے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو کس نے دیکھا' کیا دیکھا۔ بندہ کی آنکھ نے کیا دیکھا' کیسے دیکھا۔ اچھا اس کو بھی غور سے سنو۔ صاف شفاف پانی پر آفتاب چمکتا ہے تو اس کا عکس اس صاف شفاف پانی میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ ایک دیوار ہوتی ہے جو صفا نہیں رکھتی صاف و شفاف نہیں ہوتی مکدر ظلمانی ہوتی ہے عکس قبولنے کے قابل نہیں ہوتی۔ جب وہ دیوار صاف شفاف پانی کے مقابل جس میں آفتاب کا عکس پڑا ہے آ جاتی ہے تو عکس کا عکس اس میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں دیوار کا یہ کہنا کہ یہ آفتاب کو دیکھ لیا۔ ٹھیک اور درست ہے لیکن ظاہری حس کے لحاظ سے غلط تو ہے لیکن عکس کے قبول کرنے' اس کے لینے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ مرید اپنے پیر کے دل کی طرف جو توجہ کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ پیر کا دل' صاف شفاف' عکس پذیر (سایہ کا

قبولنے والا) ہو چکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے فیض پایا ہوا ہے۔ مرید اپنے دل کو پیر کے دل کے محاذی (برابر' سامنے) رکھا ہوا ہے۔ وہ اس تصور کے ساتھ رکھا ہوا ہے کہ ضرور کسی نہ کسی وقت دونوں میں درست محاذ (ٹھیک سامنا' برابری) پیدا ہو جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو عکس کہ پیر کے دل پر پڑ رہا ہے وہ جیسے کا ویسا یعنی پورے کا پورا مرید کے دل میں ظاہر ہو جائے۔ تم یہ سن چکے ہو کہ جب دیوار صاف شفاف پانی کے مقابل ہوئی تو جو کچھ پانی میں ہوا' وہی دیوار میں بھی ہوا۔ وہ جس سے محظوظ ہوا (مزے لیا) یہ بھی اسی سے محظوظ ہوئی۔ معتزلہ کا کہنا ہے کہ "رویت" یعنی کسی چیز کے دیکھنے کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ چیز نہ بہت ہی نزدیک ہو' نہ بہت ہی دور ہو۔ انہوں نے یہ تو کہہ دیا لیکن اتنا نہ سمجھے کہ یہ صورت' یہ صفت اجسام (اجسام جسم کی جمع' جسم اس کو کہتے ہیں' جس میں لمبائی' چوڑائی' گہرائی ہو۔ اسی کو طول' عرض و عمق کہتے ہیں) سے متعلق' جسم و جسمانیت سے تعلق رکھتی ہے۔ معتزلہ[1] وہ ہیں جو کسی ایک طرف کے پورے نہیں یعنی وہ نہ تو یونانیوں ہی کے علم کا لحاظ کرتے' عقل پر چلتے ہیں نہ حکمت اسلامیہ ہی کا لحاظ کرتے ہوئے کتاب و سنت کے پابند و معتقد ہیں اس لئے انہیں "ادھر نہ ادھر بیچ میں آدھر" نام دیا گیا۔ انہوں نے جو کچھ رویت کے بارے میں کہا ہے اس کا بھی جواب حسب موقع دیا جائے گا۔ بعض محققین یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات میں رویت ہوئی۔ یعنی اس رات میں آپ نے اپنی آنکھوں سے خدائے تعالیٰ کو دیکھا اکثر فقہا جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کو رویت نہیں ہوئی وہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کی بناء پر ہے کہ من قال ان محمد قد رای ربه لیلة المعراج فقد کذب علیٰ رسول اللّٰہ (جس نے یہ کہا کہ محمد نے اپنے رب کو معراج کی رات میں دیکھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا کیا (جھوٹ کا طومار باندھا' بہتان باندھا) کہتے اور سند لیتے ہیں۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ

---

[1] معتزلہ کو مخانیث الحکماء کہتے ہیں۔ مخنث کی جمع مخانیث۔ اصل فارسی جس کا مترجم قدس اللہ سرہٗ نے ترجمہ کرنے میں ادبا تامل فرمایا۔ وہ یہ ہے: "این معتزلہ کہ ایشان را مخانیث الحکماء گویندہ براہیب یونانیاں یونانیاں بر عقل صرف میروندو نہ بر تقلید کتاب و سنت ہر آئیند مخانیث باشد"

رضی اللہ عنہا نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ هل رائت ربك ليلة المعراج قال لا (کیا آپ نے اپنے رب کو معراج کی رات دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ نہیں) یہی بات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دریافت کی تو آپ نے ہاں فرمایا۔ دونوں باتوں میں توفیق (سمجھنے مطابق کرنے کی) یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کم سن عورت تھیں اگر آپ ان سے "ہاں" کہہ دیتے تو وہ تشبہ و تجسم (ہم جسم ہونے کے) قضیہ میں جا پڑتیں۔ اسی لئے آپ نے مصلحتاً فرمایا کہ "نہیں" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑی عمر کے اور عارف تھے۔ خدا کی ذات وصفات کو بخوبی جانتے، اس کو پہچانتے تھے۔ اس لئے آپ نے ان سے "ہاں" فرمایا۔ کچھ لوگ شاید یہ کہیں کہ ان دو باتوں میں جھوٹ کی نسبت ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہرگز جھوٹ نہیں بلکہ جو کچھ فرمایا سچ فرمایا۔ ہر ایک کے عرفان کے مطابق اس سے کہا گیا۔ آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے "نہیں" جو کہا اس کا مطلب یہ تھا کہ رویت تو ہوئی (دیکھنا تو ہوا۔ دیکھنے میں تو آیا، لیکن ادراک یعنی اس کی یافت نہ ہوئی۔ جیسا کہ پانا تھا نہ پایا۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں لا تدركه الابصار (نہیں پا سکتی اس کو آنکھیں) آیا ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو "ہاں" فرمایا وہ اس لئے فرمایا کہ آپ عارف تھے وہم تشبہ و تجسم میں پڑنے کی کوئی صورت نہ تھی ادراک کو بخوبی جانتے تھے کہ وہی اپنا مدرک آپ ہے۔

لطائف قشیری میں لکھا ہے کہ "مفسرین" یہ کہتے ہیں کہ آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا۔ "محققین" یہ کہتے ہیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ ان ہی محققین میں سے بعض فقرائے والہ (عاشق فقراء) ڈنکے کی چوٹ پر یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک دم بھر کے لئے بھی خدائے تعالیٰ کی رویت (دیدار دیکھنے) سے محروم نہیں۔ کتاب عوارف میں ہے کہ سالک کی آخرت دنیا، اور دنیا آخرت ہو جاتی ہے اس کا اول آخر، آخر اول ہو جاتا ہے۔ جب کسی کی دنیا آخرت ہو جائے تو جو کچھ آخرت میں اس کے ساتھ ہونے والا ہے وہی اس دنیا میں بھی ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔

تفسیر قشیری میں ہے کہ اللہ عزوجل کا فرمان افمن شرح الله صدره

للاسلام فھو علی نور من ربه (جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے اسلام کے لئے وہ ہے اللہ کے نور پر آیا تو سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن شرح الصدر المذکور فی القرآن ما ھو فقال علیه السلام نور یقذف فی القلب فقیل وما امارت ذلك النور یا رسول اللّٰہ قال التجا فی عن دارالغرود والانابة الی دارالخلودوا لا ستعداد للموت قبل نزوله ۔ یعنی جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے صحابہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ وہ نور کیا ہے اس کا آپ نے یہ جواب دیا کہ وہ ایک نور ہے جو دل میں روشن ہوتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ وہ نور کیا ہے آپ نے جواب دیا کہ غرور کے گھر سے نکل جانا (فریب دھوکہ کی جگہ سے باہر آنا) ہمیشہ کے گھر میں آ جانا۔ موت کے آنے سے پہلے موت کی استعداد کا پیدا کر لینا ہے۔ حضرت ابو القاسم قشیری رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ النور الذی من قبل سبحانه تعالیٰ نور اللوائح ببیان الفھم ثم نور الطوالع بزواید الیقین ثم نور المکاشفه بتجلی الصفات ثم نور المشاھدۃ بظھور الصفات ثم انوار الصمدیة فعند ذلك لا قرب والا بعد ولا فقد ولا وجد و لا فصل ولا وصل بل ھو اللّٰہ الواحد القھاد ۔ اللہ تعالیٰ سبحانہ کا وہ نور نور لوائح ہے علوم کے روشن ہونے سے پھر نور لوامع ہے بیان فہم سے پھر نور طوالع ہے۔ یقین کے زیادہ ہونے سے۔ پھر نور صمدیت ہے جہاں نہ نزدیکی ہے نہ دوری نہ گم ہونا ہے نہ پانا۔ نہ ملنا ہے نہ جدا ہونا بلکہ وہی وہ اللہ ایک ہی ایک ہے ضابطہ ہے۔

مسکین محمد حسینی تم کہاں پہنچ گئے۔ یہ وہ دریا ہے جس کی تہہ نہیں ملتی جس کا کوئی کنارہ دکھائی نہیں دیتا۔ بیکار کیوں ہاتھ پاؤں مار رہے ہو تم کسی راستہ جانے ہوئے کو ساتھ نہیں رکھتے۔ تمہارا کوئی محرم ہے اور نہ مونس کوئی ساتھی تم جیسا کام کرنے والا تمہارے ساتھ نہیں۔ اقطع لسانك واکتف بیانك اس لئے زبان روک لو۔ کہنا بس کر دو۔ ھیھات ھیھات امض علی رسلك تمہارے لئے صرف ڈھاریں مار کر رونا

ہے اس کے سوا کچھ کر نہیں سکتے۔ بات سمجھنے والے کام کرنے والے تحقیق کے طالب کہاں ہیں جن سے یہ باتیں کہی جائیں۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمائے ہوئے کو جو سند بنائے ہوئے ہیں وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ آپ کم سن تھیں۔ چنانچہ جس وقت قد سمع اللہ قول التی تجادلك فی زوجبها تشتکی الی اللہ واللہ یسمع تحاورکما (سن لی اللہ نے بات اس عورت کی جو جھگڑتی ہے تجھ سے اپنے خاوند کے بارے میں اور شکوہ کرتی ہے اللہ کے آگے اور اللہ سنتا ہے گفتگو تمہاری) کی آیت نازل ہوئی تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میرے اور اس عورت کے درمیان ایک پردہ تھا میں نہ سن پائی۔ اللہ تعالیٰ نے سن لیا۔ اس سے میں سمجھ گئی کہ یہ ایک ایسی چیز یقینی ہے کہ جس کو نہ تو ہم سن سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ سنتا ہے۔ خوب جانتا ہے۔ ایسی کم سن بی بی سے آپ کیوں نہ فرماتے کہ میں نے "نہیں دیکھا" اور کیسے فرماتے کہ "میں نے دیکھا" حضرت رضی اللہ عنہ کے کہے ہوئے پر لوگ ایمان لے آتے ہیں' دلیلیں دیتے ہیں۔ ایک اور واقعہ سن لو۔ کہیں سے مال غنیمت آیا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تقسیم فرمارہے تھے اس میں ایک دامنی تھی۔ عائشہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے اس کی درخواست کی یعنی آپ سے وہ مانگا آپ نے اس کو تقسیم میں ڈال دیا۔ تو عائشہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ نبی ہوتے تو میرے ساتھ وہی معاملہ کرتے جو انبیاء علیہم السلام نے اپنی عورتوں کے ساتھ کیا ہے' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو ان کے باپ تھے انہوں نے ایک طمانچہ انہیں مارا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو نہ مارو۔ یہ کم عمر ہے اب تم خود ہی سوچ لو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ کیونکر اور کیسے کہتے کہ "میں نے دیکھا۔"

اے عزیز! یہ کام (دیکھنا) جیسا کچھ ہے اس کو اس کام کے کرنے والے ہی جانتے ہیں اس کے سوائے دوسروں کو اس کی کچھ خبر نہیں وہ کچھ بھی نہیں جانتے۔ معراج کے متعلق بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جسمانی نہیں ہوئی۔ خواب میں ہوئی۔ ایسا کہنے والے معتزلہ ہیں۔ یہ معتزلہ ہی کا قول ہے۔ مثل مشہور ہے کہ کسی نے ایک سرخ پتھر پڑا

ہوا پایا۔ گمان کرلیا کہ یہ لعل بدخشاں ہے بڑی قدر و منزلت سے اس کو اٹھالیا بغل میں داب کر جوہری کے پاس آیا۔ اس سے کہا کہ میں نے ایک نادر چیز پائی ہے۔ تنہائی کرا دو۔ تخلیہ کرا دو تا کہ تم کو بتلا دوں۔ اس نے سب کو ہٹا دیا جب تخلیہ ہو گیا مقام خالی ہو گیا تو وہ شخص سرخ پتھر نہایت احتیاط کے ساتھ نکال کر بڑے اعزاز و اکرام اور بڑی اہمیت کے ساتھ اس کو بتلایا۔ جوہری کو اس شخص کی سمجھ پر افسوس ہوا کہ اس نے پتھر کو لعل سمجھ لیا۔ یہ روندے جانے کے سوائے کسی کام کا نہیں۔ اس سے یہ کہنے کے بجائے کہ یہ پتھر ہے یہ کہا کہ اس کو اس وقت تک محفوظ کر رکھتا ہوں کہ کوئی خریدار آ جائے۔ مناسب قیمت دینے پر آمادہ ہو جائے۔ اس کے سامنے نہایت احتیاط کے ساتھ اس کو ایک صندوق میں رکھ کر تالہ لگا دیا۔ لانے والے کی چھٹی اس پر لگا دی۔ اچھی طرح سے مہر توڑا کر کے اس کو ایک تجوری میں رکھ دیا اور اس کو اپنی صحبت میں رکھا۔ آبگینوں' جوہروں (جوہرات) کی پہچان سکھانی شروع کی۔ رفتہ رفتہ جب وہ جوہر کا اچھا پراک پرکھنے والا ہو گیا تو ایک دن جوہری نے اس سے کہا کہ بادشاہ کو ایک لعل کی ضرورت ہے۔ آؤ تمہارا لعل جو بہت حفاظت سے رکھا ہوا ہے نکال لیں۔ قیمت ٹھہرائیں۔ صندوق لایا گیا۔ مہر توڑا دکھلا کر اس سے کہا کہ اپنی چھٹی کو پہچان لو کہ وہ اسی طرح ہے یا نہیں۔ اس نے دیکھ بھال کر تالا کھولا۔ وہ رکھا ہوا پتھر جس کو جوہر سمجھتا تھا' ہاتھ میں لے کر دیکھا تو اس کو کسی قیمت کا نہ پایا۔ تو کہا کہ یہ پتھر ہے کسی قیمت کا نہیں۔ جوہری سے کہا کہ آپ نے اسی روز یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ پتھر ہے۔ مجھ کو سیدھا سادہ جواب نہ دے دیا۔ جوہری نے جواب دیا کہ مجھ کو تم پر شفقت آئی میں نے تم کو جوہر پہچاننے کا طریقہ سکھایا تا کہ تم خود پہچان سکو کہ یہ کیا ہے جب تک خود کسی چیز کو نہ جانیں وہ کوئی قیمت نہیں رکھتی۔

اے عزیز! جو راز کا راز ہو۔ جس کو سر السر کہتے ہیں ہر کوئی اس کا محرم (جاننے والا) نہیں ہوتا۔

عشق بازی نہ کار ہر بشر است　　　عشق بازندہ مرد پختہ تر است

عشق کرنا ہر ایک کا کام نہیں — عشق کرنے والا پکا تجربہ کار مرد ہوتا ہے

شیخ عبد اللہ انصاری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بیابانی ایک مدت تک آب حیات کی طلب میں تھے۔ جب وہ ابو الحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے تو وہاں وہ آب حیات پیا۔ اتنا پیا کہ وہ رہے نہ خرقانی۔ تم کیا جانو کہ یہ کیسے ہوا۔ کیونکر ہوا۔ اس کی تمہیں خبر تک نہیں تم اس کام کو کیا جانو۔

شہر کے بہت سے لوگوں نے مجھ سے کتاب عوارف پڑھانے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ عالم جس کی طرف شیخ نے اشارہ کیا ہے۔ وہ تمہارے مشاہدہ میں آجائے تو اس کو جانو گے اور وہ امور جن کا مشاہدہ تمہیں ہاتھ نہ آیا اس میں تم لوگ تقلید سے کام لیتے ہو۔ اس سے بالکل بیگانے ہو۔ تم سے وہ اسرار کیسے اور کیونکر کہے جا سکتے ہیں اور کن الفاظ میں بیان ہو سکتے ہیں۔

ہزاراں ستائش ہزاراں سپاس — کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس

(خدا کی لاکھ لاکھ تعریف اور ہزارہا شکر — کہ اس نے جوہر کو جوہر پرکھنے جاننے والے کے حوالہ کیا)

ایک مسئلہ اہل سنت والجماعت کا یہ ہے کہ انبیاء مرسل علیہ السلام ملائکہ مقرب (بڑے فرشتوں) سے زیادہ فضیلت والے ہیں۔ فرشتوں پر ان کو فوقیت حاصل ہے معتزلہ اور مولانا فخر الدین رازی اس کے برعکس کہتے ہیں۔ ہر گروہ اپنی اپنی دلیل پر ہے۔ اگر یہاں اس کے متعلق کچھ لکھوں۔ ایک کو ثابت دوسرے کو ناثابت قرار دوں تو یہ رسالہ رسالہ نہ رہے گا۔ بلکہ ضخیم کتاب ہو جائے گی اور اس سے کوئی فائدہ بھی نظر نہیں آتا۔ ایک مختصر سی بات سن لو۔ خاص بشر عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ روایت کرتے ہیں کہ صہیب، سلمان، اور بلال رضی اللہ عنہم راتوں میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم (جو صحابہ میں افضل ہیں) کے دروازوں پر آتے اور کھٹکھٹا کر یہ کہتے کہ آؤ تا کہ تھوڑی دیر ایمان لے آئیں۔ یہ بات انہیں (یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم کو) ناگوار ہوتی، شاق گزرتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر عرض کرتے کہ یا رسول اللہ کیا ہم مومن نہیں ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جواب میں فرماتے انتم المومنین برب

الکعبة (کعبہ کے پروردگار کی قسم کہ تم مومن ہو) تو وہ عرض کرتے کہ پھر یہ کیا بات ہے کہ وہ ہمارے دروازوں پر آ کر ایمان لانے کے لئے کہتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ ان کی مراد ایمان سے اور ہی ایمان ہے۔ وہ کیا ایمان ہے کیسا ایمان ہے کیا معنی رکھتا ہے کچھ نہ فرمایا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایمان کے مراتب و درجات ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ما فضل ابی بکر بکثرة الصلوٰة والصوم ولکن شئی و قرنی قلبه (ابوبکر میں نماز روزہ کی بہتات اور کثرت سے کرنے سے بزرگی نہیں آئی بلکہ ایک چیز ہے جو قرار دی قریب کر دی مجھ کو ان کے دل سے) حارث رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے حارث تم نے کس طرح صبح کی تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے سچے مومن کی طرح صبح کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ اے حارث تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ راتوں میں جاگا۔ دن میں روزہ رکھا' اب میں اپنے پروردگار کے تخت کو دیکھ رہا ہوں۔ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''بہت خوب۔'' اسی پر ثابت رہو اسی کو لازم کر لو۔ تم نے یہ بہت بہتر کام کیا۔ اسی کو کرتے رہو۔ اس سوال و جواب کے متعلق ہر مشائخ نے کچھ نہ کچھ کہا ہے۔ شبلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسکین حارث رضی اللہ عنہ کی نظر عرش سے آگے نہ گئی۔ شیخ روز بہان شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں اے حارث رضی اللہ عنہ سلوک میں ثابت قدم رہ اسی سلوک پر رہ اسی کو لازم کر لے تا آنکہ تو اپنے مقصود کو پہنچ جائے۔ محمد یوسف حسینی کا کہنا یہ ہے کہ حارث رضی اللہ عنہ نے ادب ملحوظ رکھا۔ ''دیکھ رہا ہوں اپنے رب کو۔'' نہ کہا لیکن ان کی مراد یہی تھی۔ لوگوں کی رسم و عادت یہی ہے اور وہ یوں بھی کہا کرتے ہیں کہ تخت کے سامنے ایسا ہوا۔ یہ نہیں کہتے کہ بادشاہ کے سامنے ایسا ہوا لیکن ان کی مراد بادشاہ ہی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں۔ سواری آ گئی ماہی مراتب آ گئے اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بادشاہ آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہتری کو پہنچ گئے۔ تم نے ادب رکھا۔ یوں ہی دیکھا کرو۔ ادب رکھا کرو اسی پر رہو۔ یہ راز کسی پر ظاہر نہ کرو۔ شیخ ابوبکر کلا بادی بہت مبالغہ کے ساتھ رویت کا انکار کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں نہ تو ظاہر سے رویت ہوتی ہے نہ باطن سے۔ یعنی نہ آنکھ سے نہ دل سے۔ محمد حسینی کہتا ہے کہ میں نے اس گروہ کو دیکھا ہے' جو ایک لحظہ کے لئے بھی اس کے دیکھنے سے محروم نہ تھے۔ لاحول ولاقوۃ میں کہاں جا پہنچا۔

سخن کوتاہ کن گیسو درازا   چو میدانی کہ محرم در جہاں نیست

(اے گیسو دراز گفتگو مختصر کر دے   جب تم یہ جانتے ہو کہ دنیا میں کوئی رازدار نہیں)

ایک مسئلہ اولیاء رحمتہ اللہ علیہم کی کرامت کا بھی ہے۔ مسلمہ ہے کہ اولیاء اللہ کے کرامات حق ہیں۔ ظاہر ہوئے ہیں' ہوتے ہیں' ہوتے رہیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کرامت سے مراد عام طریقہ کے خلاف کچھ صادر ہونا ہے محال کا ثابت کرنا نہیں ہے مثلاً عام عادت یہ ہے کہ گرمیوں کا میوہ گرمی میں آتا ہے۔ سردی کا سردی میں۔ طریقہ جاریہ کا توڑنا جس کو خارق عادت کہتے ہیں وہ یہ کہ گرمیوں کا میوہ سردی میں اور سردیوں کا میوہ گرمی میں آ جائے۔ پانی کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہر وزن دار چیز کو ڈبو دیتا ہے۔ خارق عادت یہ ہے کہ پانی پر پاؤں رکھ کر اس پر سے اس طرح گزر جائیں جیسے کہ زمین یا پتھر پر سے گزر جاتے ہیں ہوا میں اڑنا پرندوں کے لئے مخصوص ہے۔ انسان جب پرند کی طرح اڑے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو وہ کھڑا ہوا اڑتا ہے یا اسی طرح جاتا ہے جیسے کہ کبوتر اڑتے ہیں بعض تو چند روز چند مہینے سیر میں ہوتے ہیں اور اڑتے رہتے ہیں۔ ایک وہ ہوتا ہے جو تھوڑی دیر میں پوری زمین کی سیر کر لیتا ہے' چکر کاٹ لیتا ہے' ایک قاری (حافظ قرآن) ایسا بھی ہوتا ہے جو ایک دن ایک رات یا آدھی رات میں ہی قرآن ختم کر لیتا ہے۔ سارا قرآن پڑھ جاتا ہے۔ کرامت یہ ہے کہ ایک دن میں کئی قرآن ختم کریں جس کو طے حروف کہتے ہیں۔ ایک وہ ہوتا ہے جو غیب کی باتوں کی خبر دیتا ہے۔ ایسا ہوگا۔ ویسا ہوگا۔ یہ ہوگا وہ نہ ہوگا۔ شیر پھاڑنے والا اور

سانپ ڈسنے والا ایک ایسا بھی ہوتا ہے جس کو نہ تو شیر پھاڑ سکتا ہے نہ سانپ ڈستا ہے ایسی چیزیں ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ سے بہت ہوئی ہیں جن کا مذکور سلوک کی کتابوں میں موجود ہے۔

میرے خواجہ قدس سرہ قاضی بالمی سے جو بڑے بزرگ خدمت شیخ کے مرید تھے فرمایا کہ جیسے ہی تم آ کر بیٹھے خضر علیہ السلام اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک مرید سے آپ نے فرمایا کہ جو شخص ہمیشہ پابندی کے ساتھ صلوٰۃ الخضر پڑھتا رہتا ہے اس کی خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ انہوں نے چار روز صلوٰۃ الخضر پڑھی خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی۔ کرامت اولیاء کی حکایات کا بیان کروں۔ بہت ہیں۔ یہ رسالہ اس قابل ہی نہیں۔ ابدال' اوتاد۔ سیر وطیر میں ہوتے۔ سیر وطیر کیا کرتے ہیں۔ کرامتیں رکھتے ہیں دکھایا کرتے ہیں۔ میں ان کو دیکھ چکا ہوں دیکھو ہرگز اولیاء کی کرامت کا انکار نہ کرو۔ اولیاء اللہ کی کرامت سے انکار کرنا باری تعالیٰ سبحانہ کی قدرت سے انکار کرنے کے برابر ہے۔

ایک اہم بات وہ ہے جس میں صوفیاء کا آپس میں اختلاف ہے۔ وہ یہ کہ کیا ولی یہ جانتا ہے کہ میں ولی ہوں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ ایک وہ بھی ہوتا ہے جو یہ نہیں جانتا کہ وہ ولی ہے۔ اگر وہ جان لے تو شاید اس کے لئے عجب (تکبر) خود بینی وغرور کی وجہ ہو جائے۔ جس کی وجہ سے وہ مردود ہو جائے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ وہ ولی ہے جو صالح' عبادت گزار اور بے ہودہ خواہشات پریشان خیالی سے بالکلیہ باہر آ گیا ہو۔ با ایمان ہو۔ ایمان کے ساتھ ایمان پر چلتا ہو۔ کل قیامت میں اس کو اولیاء کا مرتبہ دیا جائے گا۔ بہ خلاف اس کے وہ ولی کہ جس کو ایک ولایت دی جاتی ہے اور اس ولایت کے کاروبار اس کے ہاتھ میں دیئے جاتے ہیں وہ اس قابل ہوتا ہے کہ وہ یہ جانے کہ میں ولی ہوں۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی کے نقش میں انا ولی اللہ (میں اللہ کا ولی ہوں) تھا۔ علی سجاد زین العابدین رضی اللہ عنہ بارہ اماموں میں سے ہیں جنہیں معصوم کہتے ہیں۔ روایت کرتے ہیں کہ ابوسعید ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ مسافرت

کرتے ہوئے ایک شہر میں پہنچے اور چاہا کہ اس شہر میں داخل ہوں۔انہوں نے اس شہر کے دروازہ پر ایک دیوانہ کو بیٹھا ہوا دیکھا۔ اشراق باطن (اندرونی روشنی) سے پہچان گئے کہ اس شہر کی ولایت اس دیوانہ کے سپرد ہے ابوسعید ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ نے اس دیوانہ سے کہا کہ خواجہ آپ کی اجازت سے آپ کی ولایت میں داخل ہونا اس کو دیکھنا چاہتا ہوں دیوانہ نے فرمایا کہ ابوسعید تم داخل ہو سکتے ہو۔ لیکن ہماری ولایت میں خیانت نہ کرنا۔ شہر میں گھومتے ہوئے ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ کا گزر ایک بازار میں ہوا۔ دیکھا کہ ایک ظالم ایک مسکین پر ظلم کر رہا ہے۔ ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ کا دل چاہا کہ وہ ظلم جو مسکین پر ہو رہا تھا دفع ہو جائے۔ ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ کو یاد آیا کہ شرط یہ تھی کہ کوئی تصرف یا خیانت نہ کروں تو ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ اس دیوانے کے پاس معذرت چاہنے کے لئے آئے۔ جیسے ہی وہ دیوانہ ان کو دیکھا کہنے لگ گیا کہ ابوسعید جانتا ہوں کہ تم نے خیانت کی۔ ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ خواجہ معاف کرنے والا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں معاف کرنے والا نہیں۔ صرف یہ کہو کہ تمہاری جان پر ضرب لگاؤں یا تمہارے ایمان پر۔ ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ کانپ گئے کہا کہ ایمان پر تو نہیں۔ جان کو تم جانو۔ تین دن کی مجھ کو مہلت دو جواب دیا کہ ہم نے تین دن کی تم کو مہلت دی۔ ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ تین دن مراقبہ میں رہے۔ تیسرے دن کے بعد۔ اپنے آپ پر انّا للہ وانّا الیہ راجعون (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں) پڑھ دیا۔ اب تم کیا کہو گے۔ یہی کہ اپنے آپ کو جانتے تھے کہ وہ ولی ہیں۔ اگر مثالیں لکھنے لگ جاؤں تو کئی جلد ختم ہو جائیں گے اور باتیں باقی رہ جائیں گی۔

معتزلہ اولیاء اللہ کی کرامت کے منکر ہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان میں کا کوئی ولی نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ معتزلہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا آپ ہی خالق (پیدا کرنے والا) ہے۔ تم ہی سوچ لو کہ یہ شرک جلی ہے یا نہیں۔ اہل سنت والجماعت رضوان اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا پیدا کرنے والا جیسا کہ ان کی ذاتوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بندوں کے کام ان

کے کرنے کو اس نے خود پیدا کیا جب خود پیدا کیا تو پھر ثواب و عذاب کیوں کرتا ہے۔
اس کا جواب محققین یہ دیتے ہیں کہ جس کو دوزخ کے لئے پیدا کیا اسی کے مظہر میں دوزخ والوں کے افعال پیدا کیا اسی طرح جس کو جنت کے لئے پیدا کیا اس کے مظہر میں جنت والوں کے افعال پیدا کیا۔ ہم ایک بات لکھتے ہیں کہ اگر تم غور و فکر کے ساتھ سوچو گے تو یہ مشکلیں حل ہو جائیں گی۔ مصابیح میں لکھا ہے کہ موسیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ آپ نے گیہوں کا ایک دانہ کھا کر سب کو جنت سے باہر کر دیا۔ اس کا جواب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دیا کہ تم توریت پڑھ چکے ہو۔ جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ مجھ کو پیدا کرنے سے کتنے سال پہلے اس نے یہ لکھ دیا تھا کہ قصور وار ہوا آدم اور اپنے رب سے بہک گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ چار ہزار سال پہلے یہ لکھ دیا تھا۔ اس کے جواب میں آدم علیہ السلام نے کہا۔ تم مجھ کو ایسے کام کرنے پر ملامت کر رہے ہو۔ جو میرے پیدا ہونے کے چار ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے تقدیر کر دیا تھا۔ کیا مجھ سے ہو سکتا تھا جو تقدیر اس نے کی تھی اس کے سوائے اور کچھ کرتا۔ اس طرح آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو لاجواب کر دیا اور غالب آ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا انتبرع بالعمل نتکل علی ما قدر فما فقال لا وکل میسر لما خاق له فقراء وما من اعطی واتقیٰ و صدق بالحسنیٰ (نوافل کے ادا کرنے میں لگ جا اور بھروسہ کر اس پر جو تقدیر میں ہے تو کہا نہیں۔ جس کام کے لئے جو کوئی بنایا جاتا ہے وہ کام اسی کے ہاتھ آتا ہے اور یہ آیت پڑھی وَامّا مَنْ اَعطیٰ وَاتّقیٰ وَ صَدّق بِالْحُسنیٰ۔ (جو دیا۔ پرہیز گاری کیا اور سچا کیا نیکی کو یعنی سچ کر دکھایا نیکی) جو کچھ ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں اس سے یہ دونوں آیتیں ٹھیک و مطابق ہو جاتی ہیں۔ ایک ناسمجھ نے مجھ سے کہا جب بات ایسی ہے تو اچھے کام کرنے اور برے نہ کرنے کا حکم اور سب باتیں بیکار ہوئیں۔ جب کہ سب کچھ پروردگار کی ٹھہرائی ہوئی سے ہوتا ہے تو پھر بات کیا رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ هل یردالدواء للقضاء فقال لا ذالك من تقدیر الله (کیا

دوا قضا کو لوٹا دیتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ یہ اللہ کے مقدر کئے ہوئے میں سے ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت (جس بیماری میں موت ہوئی) سے پہلے وحی سے معلوم کر چکے تھے کہ آپ آخر عمر کو پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے آخری حج میں فرمایا کہ مجھ سے حج کے ارکان سیکھ لو۔ شاید میں اس سال کے بعد حج نہ کر پاؤں۔

احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اثنائے نصیحت میں آپ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ موت نزدیک آ گئی ہے۔ یہ کہا اور روئے رلائے۔ آپ بھی روئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی روئے۔ عرض کرنے لگے کہ اگر اتفاق تقدیر یہ ہو جائے تو آپ کو کون غسل دے۔ فرمایا وہ جو تم میں افضل ہو۔ مجھ سے قریب تر ہو۔ عرض کی کہ وہ کون ہے۔ فرمایا علی رضی اللہ عنہ۔ اس طرح کی مثالیں بہت ہیں۔ یہ بھی روایت آئی ہے کہ عزرائیل آئے اور عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو میں اپنا کام شروع کروں۔ فرمایا ٹھہر جاؤ جبرئیل کو آنے دو۔ جبرئیل آئے آپ نے ان سے کہا کہ عزرائیل آئے ہوئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اگر تم کہو تو میں اپنا کام شروع کروں یہ سننے کے بعد جبرائیل نے کہا کہ آپ کا پروردگار آپ کا بے حد مشتاق ہے۔ آپ اس رفیق کو اس کی رفاقت کو اختیار کر لیں۔ چنانچہ اس کے بعد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الرفیق الاعلیٰ والحبیب الاولیٰ (اعلیٰ ساتھی بہترین محبوب) فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا تو سمجھ گئی کہ آپ چلنے پر تیار و آمادہ ہو گئے۔ وہ یہ بھی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے۔ دوا چولہے پر جوش کھا رہی تھی۔ آپ کو یقین تھا کہ اس بیماری میں آپ دنیا سے تشریف لے جائیں گے لیکن اس کے باوجود دوا کی دیگچی جوش کھا رہی تھی۔ آپ نے تدبیر و معالجہ ظاہری ترک نہ کیا دوا ڈوری نہ چھوڑا۔ اس لئے یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ جو کچھ حکمت ہے اس کو ترک کیا جائے کہ ایسا کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت نہیں۔ ان کا طریق کار نہیں۔

یہ بات معلوم ہو جانے کے بعد سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔ اس کلام سے تمہیں یہ

معلوم ہوگا۔ یہ ثابت ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا پیدا کرنے والا ہے اور ان کی ذاتوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ کرنے کا حکم نہ کرنے کی منع بیکار نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا نہیں دیکھتا انسان کہ ہم نے اس کو ایک قطرہ سے پیدا کیا اس کے باوجود وہ کھلا جھگڑالو دشمن ہے۔ عجیب کام ہے۔ عجیب بات ہے کہ خود پیدا کیا اور خود اس کو جھگڑالو دشمن قرار دے کر اس سے کہتا سنتا ہے۔

اے عزیز یہ انتہائی نازک مسئلہ اور قابل غور بات ہے۔ ہماری تمہاری سمجھ یہاں تک پہنچ نہیں سکتی پہنچ جائے تو کیا کہنا۔

سبحان خالقیکہ صفاتش زکبریا — در خاک عجز میفگند عقل انبیاء

(پاک پیدا کرنے والا اس کی کبریائی کے صفات سے انبیاء علیہم السلام کی عقلوں کو انتہائی عجز میں لا ڈالتی ہے)

گر صد ہزار قرن ہمہ خلق کائنات — فکرت کنند در صفت عزت خدا

(اگر لاکھوں سال ساری مخلوق — تیری صفت و عزت میں اے خدا فکر کرے)

آخر بعجز معترف آیند اے الہ — دانستہ شد کہ ہیچ نا دانستہ ایم ما

(آخرش عاجز آ کر مان لیں گے کہ اے اللہ — ہم یہ سمجھ گئے کہ ہم نے جو کچھ سمجھا وہ کچھ بھی نہ سمجھا)

کئی سال سے ہم یہ شعر پڑھا کرتے ہیں۔

عجبے نیست کہ سرگشتہ شود طالب دوست — عجب اینست کہ من واصل و سرگردانم

(یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ دوست کا طالب پریشان رہے — تعجب تو یہ ہے کہ میں ملا ہوا پریشان ہوں)

تم کلام اللہ، احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھ چکے ہو۔ مفسرین سے متشابہات کے متعلق سن چکے ہو کہ ان کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ خدا اور اس کے رسول میں یہ ایک راز ہے۔ علمائے ظاہر یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں جو متشابہات ہیں وہ قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کھلیں گے۔ یہ صحیح نہیں یہ حقیقت نہیں۔ آپ پر سب کھلے ہوئے تھے۔ ذات اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ذات اقدس ہیں میں اس کو بیان کرسکتا ہوں۔ لیکن کیا کیا جائے کہ پروردگار کے راز کا کھولنا کفر ہے۔ اس سے مطلع ہونے کے، اس کا کھل کر بیان کر دینا کفر

ہو جاتا ہے۔ اس لئے منع کیا گیا۔ روایت کرتے ہیں کہ مہدی علیہ السلام آئیں گے۔ متشابہات کو صورت شرع میں بیان کریں گے۔ یہ بھی روایت آئی ہے کہ ایک دن فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ آؤ میرا چہرہ دیکھ لو۔ سب صحابہ رضی اللہ عنہم آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ دیکھا۔ علی رضی اللہ عنہ نہ آئے نہ چہرہ دیکھا۔ دوسرے روز علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آؤ میرا چہرہ دیکھو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان، آپ کی اجازت کے منتظر رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ علی کہہ رہے ہیں وہی سب کرو۔ دوسرے دن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارہ میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ کل رات میں بارگاہ حضرت میں تھا۔ صورت قدوسی کی مجھ پر تجلی ہوئی۔ مجھ کو بغل میں داب لے کر خوب بھینچی۔ میں نے ایسی ٹھنڈک ایسی لذت پائی کہ تحریر وتقریر میں نہیں آ سکتی۔ جب میں اپنے میں آیا تو میں نے اپنی امت کے لئے درخواست کی کہ یہ بھی میرے امتیوں کے نصیب وحصہ میں آ جائے تو بڑی سرفرازی ہو گی۔ فرمان ہوا کہ اتنے ہزار پیغمبر ہوئے ان سب میں سے ہم نے تمہیں یہ نصیب کیا۔ تو میں نے عرض کیا کہ میری عادت یہی ہے کہ جو کچھ مجھے دیا جاتا ہے وہ میں اپنی امت کے لئے مانگا کرتا ہوں۔ یہی چاہتا رہتا ہوں۔ اے ابوبکر تم کو لے گیا۔ جواب ملا کہ میں نے ان کے نصیب میں یہ نہیں رکھا۔ پھر میں عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم کو لے گیا علی کی نسبت فرمان ہوا کہ ہم ان کو ہی چاہتے تھے۔ پھر وہ صورت تجلی کی وہ اس پہلی صورت سے زیبا تر، لطیف تر، پاکیزہ تر تھی۔ علیؓ کو بغل میں داب لی اور خوب بھینچی۔ علی رضی اللہ عنہ اپنے آپ سے جاتے رہے۔ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر اس نے اپنی قدرت سے ان کو ان میں لوٹایا۔ میں اور علی یکجا ہو گئے۔ ہم نے امتیوں کے لئے درخواست کی تو جواب آیا کہ جو نعمت خاص طور سے ہم تم کو دیتے ہیں وہ تم امتیوں کے لئے چاہتے ہو۔ عام کر دیتے ہو۔ میں نے عرض کیا الٰہی تیرے فضل ورحمت کی کوئی انتہا نہیں۔ تو پروردگار مسکرا دیا اور فرمایا کہ جو کوئی کل پرسوں

نماز فجر کے بعد تمہارا منہ دیکھے گا وہ اس سے نصیبہ پائے گا۔ میں نبی تھا۔ پہلے دن میں نے چہرہ دکھلایا۔ علی میرے متبع تھے وہ میرے بعد آئے۔

تو او نشوی ولیکن او جہد کنی جائے برسی کز توی بر خیزد
(تو وہ نہیں ہوتا لیکن اگر کوشش کرے تو ایسی جگہ (ایسے مرتبہ) میں پہنچ جائے گا کہ تجھ سے تیراتو پن اٹھ جائے)

اس حکایت کو میں نے مجمع الابدال میں لکھا ہوا دیکھا ہے۔ روایت کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ پر حملہ کی تیاری کر چکے تھے۔ حاتم بلیع رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم پر حملہ کرنے والے ہیں۔ یہ خط ایک عورت کے حوالے کر کے اس سے کہا کہ جلد جا اور مکہ میں یہ میرا خط پہنچا دے۔ جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اس کی خبر دی آپ نے ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما کو اس کے پیچھے دوڑایا۔ انہوں نے جا کر اس عورت کی تلاشی لی وہ خط انہیں نہیں ملا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ آپ نے اس عورت کو جھڑ کا تھوڑلہ کیا اور کہا کہ خدا اور رسول جھوٹ نہیں کہتے۔ اے عورت خدا کی قسم وہ کاغذ دیدے ورنہ تو اپنے کیئے کو پہنچ جائے گی تو اس عورت نے اپنے چونڈے میں سے وہ کاغذ نکال کر دے دیا۔ وہ کاغذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ مجھ کو اجازت دے دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مرد جنگ بدر لڑ چکا ہے کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ نے فرمایا کہ اہل بدر سے مطلع ہو گیا اور کہا کہ تم جو چاہو کرو۔ اللہ نے تم کو بخش دیا۔ اے عمر خدائے تعالیٰ اہل بدر پر فضل و رحمت کے ساتھ پیش آیا اور عام معافی دے دی کہ تم جو چاہو کرو۔

ایک شخص شیخ الاسلام خواجہ شیخ نظام الدین محمد احمد بدایونی قدس سرہ کے پاس حاضر ہو کر رونے لگا۔ آپ نے اس سے رونے کا سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ میرا باپ تھا۔ پریشان حال تھا۔ وہ مر گیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ کیا ہوا شیخ نے پوچھا کہ وہ کبھی ہمارے پاس آیا تھا۔ عرض کیا نہیں۔ پھر پوچھا کہ کیا اس نے ہم کو دیکھا

تھا۔ کہا کہ نہیں۔ فرمایا کہ کبھی غیاث پور آیا تھا۔ عرض کیا ہاں ایک دفعہ اپنے کام کے لئے آیا تھا۔ شیخ نے فرمایا رنجیدہ نہ ہو۔ اس کے لئے یہ بہت کافی ہے۔

ہمارے خواجہ (خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی) قدس سرہ کی خالہ ہمارے بندگی خواجہ کے سامنے رونے لگیں خواجہ نے رونے کا سبب پوچھا تو جواب دیا کہ دوزخ کی آگ سے ڈرتی ہوں۔ خواجہ نے فرمایا کہ جو کوئی اس ضعیف کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے اس کو قیامت میں دوزخ کی آگ سے نجات ہے۔

اے عزیز ایسی باتیں اور اسی طرح کے اقوال جو مجھ کو اولیاء اللہ سے تحقیق کے ساتھ پہنچے ہیں لکھوں تو کئی جلد ہو جائیں گے۔ اللہ کے کرم، اللہ کے کام کے لئے کسی بات پر انحصار نہیں۔ تجھ کو چاہئے کہ تو لگاتار کوشش کرتا رہ۔ اس سے باز نہ رہ عقیدہ پکا رکھ کہ اگر نیک ہوں تو ان میں شمار کریں گے۔ اگر بد ہوں تو ان کے لئے بخش دیں گے سمجھ لو (اگر میں نیک ہوں تو میرا شمار نیکوں میں ہوگا اور اگر برا ہوں تو ان نیکوں کے طفیل میں بخش دیا جاؤں گا۔) یقین کے ساتھ جان لو کہ متشابہات اس گروہ پر مکشوف ہو چکے ہیں۔ کھل چکے ہیں۔ چونکہ ان کو کھولنے، کھل کر کہنے کا انہیں حکم نہیں اس لئے کسی نے اس کو نہ کھولا جس نے یہ راز ظاہر کر دیا۔ جیسے منصور حلاج، قاضی عین القضاۃ رحمہم اللہ انہیں مار ڈالا گیا، جلا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منه اٰيات محكمات هن ام الكتاب واُخر متشابهات الیٰ اٰخرہ اس آیت کی شرح مفصل ترجمہ کروں تو زیادتی ہو جائے گی۔ مفسرین نے اس آیت کی شرح نما تفسیر مفصل ترجمہ نہ کیا ہاں وہ لوگ جن کے بارے میں حق سے باطل کی طرف پھر جانے کی وعید آئی۔ وہ قوم ہے جو اللہ کے راز اس کے بھیدوں سے مطلع نہیں۔ اپنے دل میں جو آیا کہہ گئے۔ چنانچہ فتنہ پھیلانا۔ ہیر پھیر کے ساتھ معنی نکالنا بھی یہی بات ہے۔ ”اللہ کے سوائے کوئی اس کی تاویل نہیں جانتا۔“ ”ما يعلم تاويله الا اللّٰه“ پر وقف کہتے ہیں اور ”جو پکے ہیں علم میں“ (والرّاسخون فی العلم) کو علیحدہ جملہ تصور کرتے ہیں اس واو کو واو عطف نہیں کہتے لیکن محققین یہ کہتے ہیں کہ ”نہیں جانتا اللہ کے سوائے کوئی اس کی تاویل اور وہ جو

پکے ہیں علم میں۔'' پورا جملہ ہے واوعطف کی ہے۔ يقولون امنا كل من عند ربنا۔ کہتے ہیں کہ (یہ ہمارا ایمان ہے کہ سب کچھ اللہ کے پاس سے ہے) انہیں یہ معنی مجاہدہ سے ہاتھ آئے ہیں۔ بعضوں نے یہ کہا کہ پکا وہ ہے جس پر مراد کا محل وموقعہ کھل گیا اور گفتگو اس بارہ میں آ گئی ہو۔ یعنی خداوند تعالیٰ سبحانہ انہیں ان کی مراد طرز بیان کا منشاء حال کی اطلاع نصیب کرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ حضرات والراسخون کو عطف کہتے ہیں۔ واسطی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں پکے وہ ہیں جو پکے ہو گئے ہیں۔ اپنی ارواح کے ساتھ غیب کے غیب میں راز کے راز میں۔ جانا اس کو اپنے عرفان سے' غوطہ لگایا علم کے سمندر میں زیادہ کی طلب کی سمجھ کے ساتھ' پس کھلا ان پر ہر گروہ کا مرتبہ جو گروہ کے تحت میں ہے۔ ہر گروہ کا ایک کلام ہے ہوتا ہے جو عجیب سے زیادہ عجیب ہوا کرتا ہے۔ گفتگو مخاطبت کی ندرت جو کہی گئی وہ اس لئے کہ انہوں نے حروف کے طبائع وخواص و حقائق بیان کئے ہیں اگر اس کو اس رسالہ میں لکھوں تو لوگوں کے لئے اس کا سمجھنا مشکل ہو جائے گا۔ سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے جو علم آیا ہے اس کو ''جفر حافیہ'' کہتے ہیں اور ابو ولید سینا سے جو آیا ہے اس کو علم جفر کہتے ہیں اس سے آگے جو کچھ ہے وہ اسرار کے کھولنے کی قسم کی گفتگو ہے۔ اس لئے زبان روک لے بزرگوں کو مان لے۔ یہ مثالیں نہایت مناسب ہیں حکمت کے ساتھ گفتگو کرو کہ عالم احدیت (عالم یکتائی) میں جن کی روحیں اڑتی' سیر کرتی رہتی ہیں وہ جو کچھ بھی یکتائی کی تصویر وسایہ سے اطلاع پاتے ہیں اس کو غیب الغیب کہتے ہیں۔ راز کا راز نام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ غیب الغیب ہے اس کے خطاب سے اطلاع پانا اطلاع غیب ہے۔ اس کا حکم بھی غیب الغیب ہی سے ہے۔ راز کا راز ہے' ان سب کو اسی دائرہ کے نقطہ میں لے آ۔ دائرہ میں بند کر دے۔ اللہ تعالیٰ جان گیا ان کو اور جانتا ہے ان کو۔ خدائے تعالیٰ نے انہیں پہچان لیا۔ خود سے ان کو شناسا کیا انہیں اس کی سمجھ دی۔ نادر اور کمیاب لاجواب سمجھ انبیاء مرسل علیہم السلام اولیاء خاص رحمہم اللہ علیہم کو اس نے عطا کی۔ ان کے سوائے کسی کو یہ سمجھ نہ دی۔ اس کے کلام کو اچھی طرح سمجھنے کی نعمت سے سرفراز کیا تو وہ اس دولت کو جس کی

انتہا نہیں آسانی سے پہنچ گئے یہ علم کے دریا میں غوطے لگا چکے ہیں ہر قسم کے موتی جواہر پارے اس دریا کی تہہ سے باہر لے آئے ہیں۔ ان کا کلام حکمت ہی حکمت اور مراد کا پھل اور نتیجہ ہے۔ اے عزیز! آدمی کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ ایک مدت تک طلب' مجاہدہ (خواہش و کوشش) کے ساتھ ساتھ عبادت میں محنت اٹھاتا رہے۔ تو ممکن ہے کہ اس فہم سے نصیبہ پائے۔ اس لئے اے عزیز! طلب' مجاہدہ' ریاضت' عبادت اختیار کر لے تاکہ تجھ کو بھی اس علم سے حصہ و نصیبہ مل جائے اور اللہ بہتر جاننے والا ہے۔

تمت الرسالہ

ترجمہ یازدہ رسائل

رسالۂ چہارم

حدائق الانس

تصنیف

حضرت قدوۃ الواصلین والکاملین سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ

مترجمہ

حضرت مولانا قاضی احمد عبدالصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ العزیز

بِسمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم۔

پہلا حدیقہ

النہایت رجوع الی البدایت

(انتہاء ابتداء کی طرف لوٹ آتی ہے)

اس قول کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ ہونے کی گنجائش بھی ہے۔ ایک وہ معنی جو کتاب عوارف (مصنفہ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ العزیز) میں لکھی ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ ''جو انتہا کو پہنچ جاتا ہے اس کا کام (فریضہ) یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ ابتدائے سلوک میں کیا تھا اسی میں آ جائے وہی کرنے لگ جائے۔'' مطلب یہ کہ جو کچھ عبادت (بندگی) ریاضت (محنت نماز ذکر شغل) مجاہدہ (نفس کے خلاف کرنا۔ بلند ارادہ سے کام کرنا) تخلیہ (خالی کرنا۔ تنہائی اختیار کرنا) تملیہ (بھرنا' معمور کرنا۔ دو دم کے درمیان نظر رکھنا) تجلیہ (جلا دینا۔ چمکانا) شغل (دل کا ذکر۔ مشغلہ) مراقبہ (نگہبانی۔ گردن جھکا دینا) کیا کرتا تھا اسی میں رہا کرے اپنے خواجہ قدس سرہ سے میں نے یہی بات سنی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ قدس سرہ نے عوارف سے روایت فرمائی ہو گی۔ میرا گمان بھی یہی ہے۔ جس کی سند عوارف سے ملتی ہے۔ یہ بہت ہی اچھی بات ہے اس کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نقطہ رجوع (مرکز پر لوٹ آنے کا طریقہ) ایسا ہی ہے۔ کیونکہ پھر سے رجوع ہونے کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلوک کے درمیانی زمانے میں ابتدائے زمانے کے جو کام چھوڑ دیا تھا۔ جب انتہا کو پہنچا تو پھر اسی ابتدائی زمانے کے کام کی طرف رجوع ہو گیا۔ ایک مطلب اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ ابتداء میں جو کچھ

کیا کرتا تھا۔ ابتداء سے انتہا کو پہنچنے تک وہی کرتا رہا ہے، کر رہا ہے اسی کا پابند رہ کر، اسی کی ملازمت یعنی بجا آوری کرتے کرتے انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ توجیہہ مناسب تو ہے لیکن رجوع کے معنی اس کا مطلب کیا ہوا۔ شاید یہ ہو کہ جب پہلے کام پر مستقیم مستدیم (مضبوطی کے ساتھ قائم ہمیشہ استوار) رہا تو یہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ رجوع ہو جانا۔ ایک بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ پہلے جو کام کیا کرتا تھا وہ اس کام کو اس لئے نہیں چھوڑ دیتا کہ اس کے سامنے اور کام آ گیا ہے۔ بلکہ اس میں ہوتے ہوئے بھی ابتداء سے جو کام کرتا آ رہا ہے اس کو چھوڑ نہیں دیتا۔ اسی پر قائم برقرار استقامت کے ساتھ رہتا ہے۔ یہ سمجھ لو کہ وہ ابتدا سے رجوع ہو گیا۔ اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جب سلوک شروع کیا تھا۔ ہوس۔ آرزو۔ خواہشیں جو کچھ اس کے نفس میں تھے۔ ان سب کو اس نے نکال باہر کیا تھا کیونکہ جو کوئی سلوک میں آ جاتا ہے۔ اس کو لازماً ان سب کو نکال دینا، باہر کر دینا پڑتا ہے۔ جب انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو از روئے ظاہر اس طرف لوٹ جاتا ہے۔ یہ کہنے سے مقصد یہ ہے کہ ابتدائے حال میں یعنی سلوک شروع کرنے سے پہلے جو مقصد سر (راز) اس کے سر میں تھا یا جو مقصد اس کے منشا میں اس کے اندر تھا۔ وہ جب انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو وہی پھر سر اٹھاتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے سروروں کے سر میں سروری ہو۔ اگر کسی میں ابتدائی زمانے میں عورتوں اور باندیوں کی ہوس ہو تو وہ آخر حال میں اسی طرف رجوع ہو جایا کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچیس سال کے ہو جانے کے بعد خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ جب تک خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں کوئی عورت یا باندی آپ کے پاس نہ تھی۔ جب عزت و قربت کی دولت کو پہنچ گئے تو آپ کے پاس نو بیبیاں تھیں۔ روایت کرتے ہیں کہ آپ ایک رات میں نو دفعہ ہر حرم کے ساتھ رہے۔ یعنی آپ کا حرم کے ساتھ رہنا اکیاسی مرتبہ ہوا۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کے حق میں یہ فرمایا کہ "جو عورت بھی آپ کے نکاح میں خود کو بلا تعین مہر دیدے وہ آپ کے لئے روا و جائز ہے۔" یہ صرف آپ ہی کے لئے ہے۔ یہ اسی کا ایک بیان ہے آپ ابتدائے حال میں یک سُو گوشہ نشین تھے جب آپ کمال کو پہنچ گئے تو یہ اختیار

دے دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک صوفی ایسے ملک کا تھا کہ جس ملک کی نسبت مال جمع کرنے محتاط رہنے کی شہرت تھی۔ یہی اس ملک کی خصوصیت بھی تھی۔ اس ملک کے ایک بزرگ کمال کی انتہا کو پہنچ گئے تو ان کے نفس میں وہ احتیاط' امساک وطلب موجود پائے گئے۔ انہوں نے اس قدر مال و دولت جمع کی کہ وہ لاکھوں سے بڑھ گئی۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انتہا کو پہنچے ہوئے میں یہ خاصیت ہوتی ہے اس کی بازگشت (واپسی) یعنی رجوع اسی طرف ہوتی ہے۔ جس کی خواہش وطلب' سلوک شروع کرتے وقت اس میں تھی۔ اس بیان سے کوئی اس وہم وگمان میں نہ آ جائے کہ وہ مواہب وموارد الٰہیات (اللہ کی عطاؤں' بخششوں' تجلیوں' فیوضات) سے رہ جاتا ہے۔ استغفر اللّٰہ (پناہ چاہتا ہوں' طلب بخشش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے) ہرگز ہرگز یہ بات نہیں اللہ تعالیٰ ایسے وہم وگمان سے بچائے۔ ہمارے اس بیان کا خلاصہ ومطلب یہ ہے کہ ایسی خواہشیں اس کو دوری یا جدائی میں نہیں ڈال دیتیں۔ جس خواہش میں بھی وہ رہے۔ جو دُھن بھی اسکی ہو' جس کسی میں بھی وہ مشغول رہے اس سب کے ہوتے ہوئے بھی وہ کشف وتجلی ہی میں رہتا ہے۔ یہ خیال ہرگز نہ کرنا چاہئے کہ جب رات بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کے ساتھ مشغول رہے تو خدا سے محجوب رہے' پردہ میں آ گئے یا غافل ہو گئے۔ قسم اللہ کی یہ بات نہیں۔ بلکہ اس کام میں اس حالت میں بھی تجلی وظہور ومقصود اور عین عیان میں تھے۔ اگر کوئی مرد سالک عارف' سالک ہالک۔ کسی لذت دینے والی یا خواہش کے بڑھانے والی چیز یا کام میں ہو تو وہ اس کی تجلی کو اس چیز یا کام میں بہت ہی کھلی اور بے انتہا ظاہر دیکھا کرتا ہے۔ میں کیا جانوں کہ تم نے اس سے کیا سمجھا۔ اس مرتبہ میں آ جاؤ گے تو خود بخود اس کو جان لو گے۔ اسی قیاس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کہ آپ خیر الناس (سب انسانوں میں بہترین) ہیں' عارفوں کے لئے "آپ کا ذکر" "طلب خیر وسلامتی ہے۔" افرائت من اتخذ الٰہ ھواہ (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جس نے اپنی خواہش کو خدا بنا لیا ہے) ہم جس بارے میں گفتگو کر رہے ہیں ہماری گفتگو کا جو موضوع ہے اس میں' اس حالت میں رہنے والوں کی کم سے کم

حالت مَا رَائتَ شَیْئاً اِلّا وَرَائتَ اللہ فیه (نہیں دیکھی میں نے کوئی چیز مگر دیکھا میں نے اللہ اس میں) مَا رائت شیئاً (نہیں دیکھی میں نے کوئی چیز) سالبہ کلی (وہ جملہ ہے جس میں کل کی نفی ہے)۔ الا ورایت اللّٰہ فیه (مگر دیکھا میں نے اللہ کو اس میں) موجبۂ کلی (وہ جملہ ہے جس میں کل کا اثبات ہے۔) ایک معنی اس قول کے یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ یہ کہ انسان کے وجود کی ابتداء اس کی پہلی ولادت (پہلا پیدا ہونا) ہے۔ جب تک کوئی بالغ نہیں ہوتا وہ شرح کے احکام کا مکلف نہیں ہوتا۔ اس پر شرع کی تکلیف نہیں اس پر احکام شرع جاری نہیں ہوتے۔ وہ مرفوع القلم (مستثنیٰ ہے۔ کسی حکم کا تابع نہیں معافی میں ہے) اسی طرح جب سالک احوال و مقامات کی انتہا کو پہنچتا ہے تو وہ بھی ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ بظاہر اس سے تکالیف (پابندیاں) اٹھ جاتی ہیں۔ جیسا کہ وہ ابتدائی حال میں تھا ظاہراً پھر ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں سقطت عنه کلفت التکالیف (اس سے اوامر و نواہی کی بجا آوری اٹھ گئی) اس سے یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ اعمل ماشئت فانك معفو (کرو جو تم چاہو کیونکہ تم بخش دیئے گئے ہو) اس کا لحاظ کرتے ہوئے اور مسئلہ شرع میں بھی اس معنی کرتے جب کہ وہ نہ رہا تو مکلّف بھی نہ رہا وہ اس جیسا ہو جاتا ہے کہ جس سے تکالیف شرع اٹھ گئے۔ یعنی وہ غیر مکلّف ہو جاتا ہے' یہ بہت ہی نازک مسئلہ باریک بات ہے۔ ہر ایک کے بس کی نہیں۔ ہر ایک کے ساتھ یہ بات نہیں ہوتی نہ کیا کرتے ہیں۔ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ جھوٹے دعویدار' نفس کے کہنے پر چلنے والے سے متعلق نہیں کہ یہ بیہودہ بکواس کرتے ہیں۔ جو جی میں آیا کہتے اور کرتے ہیں۔ اس حال و مقام سے وہ بے فیض ہی نہیں بلکہ محروم ہوتے ہوئے (یعنی محروم ہونے کے باوجود) ایسے حضرات کی برابری کرتے ہیں۔ جھوٹے ہیں' جھوٹ کہتے نفس کی پھیر میں ہیں۔ نعوذ باللّٰہ من شرھم (پناہ چاہتا ہوں میں پناہ میں آتا ہوں اللہ کی ان کے شر' یعنی برائی بدی کرنے اور پہنچانے سے) چنانچہ فرماتے ہیں کہ جو ایسا دعویٰ کرے اس پر عمل کرے۔ ایسے کا مار ڈالنا سو ۱۰۰ کافروں کے مار ڈالنے سے بہت بہتر ہے۔ یہ وہ ہے جس کو اپنے نفس یا اپنے مال کا امین (امانت سے

رکھنے والا۔ نگہبان) نہیں بنایا جا سکتا۔ ایک اور معنی یہ بھی ہیں کہ مبداء معاد (ابتدا انتہا) اس کے لئے ایک ہو جاتا ہے جب وہ انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو جو کچھ اپنے آپ میں دیکھا کرتا تھا وہ مشاہدہ میں دیکھنے لگتا ہے۔

ایک معنی یہ کہ وہ اگرچہ حال کے پہلے مرحلہ میں تھا۔ کام کے درمیانی زمانے میں سلوک کیا۔ تجلیات وکشوفات (دِکھنا اور کھلنا) اس کے نقد وقت ہو گئے اس پر ہونے لگے وہ ایسا اور اس درجہ میں آ گیا کہ اس کے لئے آگے جانے کا راستہ نہ رہا۔ انتہا کی انتہا کو پہنچ گیا۔ ایک ایسے دریا میں ٹھہر گیا کھڑا ہو گیا کہ جس کی تہہ ہے نہ کنارا۔ اپنے آپ کو ایسا عاجز متحیر درماندہ (تنگ آ گیا ہوا۔ حیرت میں آیا ہوا۔ مجبور۔ مجبور آیا ہوا) پایا جیسے کہ وہ ابتدائی زمانے میں تھا۔ چنانچہ ایسے ہی کا یہ کہنا ہے کہ۔

ہرگز دل من زعلم محروم نشد — کم ماند ز اسرار کہ مفہوم نشد
(میرا دل کبھی علم سے محروم نہ ہوا — بہت کم راز رہ گئے جو سمجھ میں نہ آئے
چونیک نگہ کر دم ازروئے خرد — معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد
(جب میں نے اچھی طرح عقل کے لحاظ سے دیکھا تو — یہ مجھ کو معلوم ہوا کہ کچھ بھی معلوم نہ ہوا)

عطار قدس سرہ نے بھی اس طرف بہترین اشارہ کیا ہے۔

سبحان خالقے کہ صفاتش ز کبریا — در خاک عجز می فگند عقل انبیا
(پاک پروردگار کے صفات کبریائی کے پانے میں انبیاء علیہم السلام کی عقل انتہائی عاجز آ گئی)
گر صد ہزار قرن ہمہ خلق کائنات — فکرت کنند در صفت غیرت خدا
(اگر لاکھوں برس ساری مخلوق دنیا کی — اے اللہ تیری صفت میں فکر کرے)
آخر بعجز معترف آیند کا اے الہ — دانستہ شد کہ ہیچ ندانستہ ایم ما
(انتہا میں یہ مان چکے کہ اے اللہ — ہم سمجھ گئے کہ ہم نے نہ کچھ سمجھا نہ جانا)

ہمارے خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ رب (پروردگار) کو جانتے ہیں لیکن ربوبیت (پروردگاری) کو پہچانتے تک نہیں۔ یہ قول بعید الغور وقعیر الفہم یعنی یہ مقام بڑی گہرائی کے ساتھ سوچنے سمجھنے نہایت غور وخوض نزاکت باریکی کے ساتھ اپنی فکر

وسمجھ کے لڑانے کا ہے۔ ایک معنی یہ بھی ہیں کہ سالک سلوک میں آ جاتا ہے ہر نفس و ہر دم (ہر سانس ہر لمحہ) میں یہ جانتا ہے کہ ایک عالم سے (ایک مرتبہ و حال سے) دوسرے عالم میں ایک جہان (کیفیت) سے دوسرے جہان (حالت) میں جا رہا ہوں۔ جب اس کا کام انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو خود کو وہیں پاتا ہے۔ جہاں کہ وہ ابتدائی کام میں تھا اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ کولھو کا بیل۔ وہ چلتا رہتا ہے۔ سوچتا جاتا ہے کہ اتنے میل چلا ہوں گا۔ جب اس کی اندھیری (آنکھوں پر کی پٹی) کھولی جاتی ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ وہ اسی جگہ ہے جہاں کہ وہ تھا' وہیں وہ اپنے آپ کو کھڑا ہوا پاتا ہے۔

ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک وہ ہوتا ہے جس پر تجلیات پے در پے (ایک کے بعد ایک مسلسل) ہوتی رہتی ہیں۔ ایک گھڑی کی بھی اس کو مہلت و فرصت نہیں ملتی۔ آخرش یہ کہ وہ جان لیتا ہے کہ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس لحاظ سے اور اس بناء پر وہ مطلق و مقید کا قائل ہو کر اجمال و تفصیل میں آ جاتا۔ جُزی کُلّی کہنے لگ جاتا ہے۔ کلی طبعی کی مثال ایسی ہے جس کا خارج میں کوئی وجود پایا نہیں جاتا ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ جزئیات کے ضمن میں موجود پائی جاتی اور ہوتی ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ قاضی عین القضاۃ ہمدانی رحمتہ اللہ علیہم اور ان کے متبعین اور حکمائے یونانیہ سب کے سب اسی میں رہا کئے اور رہ گئے۔ مرشد محقق متابع سنت رسول اللہ تابع نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی ایسے کے پلو میں پڑ جائے تو اس کو وہاں پہنچا دیتا ہے کہ وہ ایک کے سوائے نہیں دیکھتا۔ دوبارہ وجودات پر اس کی نظر نہیں پڑتی۔ ان کو تو دیکھتا ہے نہ جانتا ہے۔ نہ پہچانتا ہے۔ اس مرتبہ میں سچائی حق و حقانیت کے ساتھ هُوَ هُوَ لَا هُوَ اِلَّا هُوْ (وہ وہ ہے نہیں وہ مگر وہ) عرفائے زمانہ انتہا کو پہنچے ہوئے (احرار آزاد اور مشائخ' محمد حسینی کے افکار پر غور کرو۔ باریکی کے ساتھ نظر ڈالو۔ سمجھو کہ اس نے کیا کہا ہے۔ ہمارے اس کہے ہوئے کو جو صدق مقال (سچی بات) ہے باور نہیں کرتے تو قیامت میں ان کا ہاتھ اور میرا دامن ہوگا۔

دوسرا حدیقہ

دل کے ساتھ اعضاء و جوارح کا ارتباط

اعمال اعضاء و جوارح سے اس کا متاثر ہونا

تم دیکھتے ہو کہ جب کسی درخت کی جڑ میں پانی دیا جاتا ہے تو تازگی نمی اس کے پتوں پھول اور میوے میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ پھول کھلتا ہے تو خوشبو پھیل جاتی ہے میوہ پر ہو جاتا بھر جاتا اور پک جاتا ہے تیار ہو جاتا ہے' تو بامغز اور مزہ دار ہو جاتا ہے۔ پتے تروتازہ ہو جاتے ہیں تو ان میں چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ ڈالیاں بڑھ جاتی ہیں تو تنا استوار ہو جاتا ہے اگر درخت کی جڑ میں آگ یا گرم راکھ رکھ دی جائے جس میں آگ کی چنگاڑیاں ہوں تو درخت پر کچھ اور ہی اثر ہوتا ہے۔ اس پر سے سمجھ لو کہ انسان کی بھی ایسی صورت ہے۔ آنکھ۔ کان۔ زبان۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ دل کے اطراف یعنی حاشیے ہیں۔ جو عمل بھی ان اطراف و جوانب حاشیوں (اعضاء و جوارح) سے کیا جاتا ہے یا سرزد ہوتا ہے۔ اس کا اثر دل میں یا دل پر ضرور پایا جاتا ہے۔ زبان اور کان سے اعمال صالحہ (نیک کام) ہوں۔ سچی بات کہی جائے یا قرآن شریف کی تلاوت کی جائے۔ دعا تسبیح کی جائے۔ سچی بات اللہ کا کلام' بزرگی کی بلند باتیں' صحیح حدیثیں سنی جائیں۔ اسی طرح اور جس قدر نیک کام زبان اور کان سے ہو سکتے ہیں یا ہوئے ہوں یا ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریمہ (نماز کی نیت باندھنے کے بعد جو اللہ اکبر کہتے ہیں) سجدہ و رکوع کرتے رہے۔ مسجد' خانہ کعبہ کو جانا ٹھہرا لے صدقہ دیا کرے۔ نماز میں کھڑا رہا کرے۔ رکوع سجدہ کیا کرے۔ چلتے ہوئے مسجد کو جائے۔ خانہ کعبہ کا سفر کرے۔ علم حاصل کرنے کے لئے کہیں جائے۔ اسی طرح کی اور نیکیاں جو کچھ ہاتھ پاؤں اعضاء و جوارح سے کی جا سکتی ہیں کرے مثلاً آنکھ اس کی نیکی جو کچھ کہ اس سے نسبت رکھتی ہے یعنی آیات میں سوچ بچار۔ شہروں اور ملکوں کا دیکھنا۔ یہ سب ایسے ہی ہیں جیسے کہ کسی درخت کی جڑ میں پاک صاف میٹھا پانی دینے سے درخت میں طراوت تازگی نمی آ جاتی ہے۔ اسی طرح ان

نیک کاموں میں رہنے سے دل میں صفائی۔ نور۔ جلوہ کا عکس و سایہ۔ چمک دمک آ جانے سے ملکوتی لاہوتی وجودات کے عکس و پرتو کا جب دل عکس پذیر ہو جاتا ہے تو وہ اثر اس کے اطراف و جوانب ہی کا ہوتا ہے۔ جو اس کی اصل میں پہنچتا ہے۔ اگر زبان سے جھوٹ کہے۔ (زبان کو جھوٹ کہنے کی عادی بنا دے) کفر بکے۔ کلمہ شرک زبان پر لائے کسی نامشروع (شرع میں جو جائز نہ ہو) کی طرف ہاتھ بڑھا ڈالے۔ چوری کرے۔ کسی کا مال زبردستی چھین لے۔ ناحق کسی کا مال ہڑپ کر لے۔ کسی پر بلا وجہ شرعی ہاتھ چلائے' زنا میں مبتلا ہو جائے۔ لونڈے بازی کرے۔ پیدل جا کر کسی بت کی پوجا کرے۔ شراب پینے چوری برے کام کرنے کے لئے نکلے۔ اسی طرح کی ساری باتیں برائیاں چھوٹے بڑے گناہ جو ہاتھ پاؤں آنکھ وغیرہ سے سرزد ہوتے ہیں۔ ان کا کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ درخت کی جڑ میں جلتی ہوئی آگ یا ایسی راکھ ڈالیں جس میں جلتی ہوئی چنگاڑیاں ہوں۔ ہم کہہ چکے ہیں یہ اطراف انسان یعنی اس کے اعضاء و جوارح ایسے ہی ہیں جیسے کہ درخت کے لئے جڑ ہوتی ہے۔ برے عمل ناجائز حرکات سے تاریکی (اندھیری) کدورت (گندلاہٹ) غفلت (بھول) دل پر آنے لگتی ہے۔ جب یہ چھا جاتی ہے تو دل کالا ہوتے ہوتے توے کی طرح ہو جاتا ہے۔ اللہ کی پناہ۔ یہاں یہ خوف پیدا ہو جاتا ہے کہ عاقبت کیسی ہو گی۔ یہ صورت کس حالت تک لے جائے گی۔ دیکھو ہوشیار ہو جاؤ۔ ذرا سوچو۔ ایسی باتوں سے بچے رہو۔ ایسی چیزوں کو دل میں جگہ نہ دو۔ نافرمانی نہ کرو۔ دل کو خراب و تباہ نہ ہونے دو۔ یہ سچ ہے کہ مومن۔ فسق (برائی۔ نافرمانی کرنے) سے کافر نہیں ہوتا۔ ایمان باقی رہتا ہے۔ ہاں ہاں بات وہی ہے جو تم کہہ رہے ہو۔ ہم جو کہہ آئے ہیں اس پر بھی تو غور کر لو۔ کہ ہم کیا کہہ گئے۔ یاد رکھو درخت کے پانی نہ دیا جائے تو اس کے پتے ڈالیاں جڑ سوکھنے لگتی ہیں تھوڑے عرصہ کے بعد درخت بھی سوکھ جاتا ہے دوبارہ اس کا ہرا ہونا۔ اس میں تازگی آنے کا امکان (موقعہ) کم ہوتا ہے۔ فاسق کے لئے دو جہت ہوتی ہیں۔ ایک کفر کی۔ ایک ایمان کی۔ اگر ان کو دو دائرے تصور کر لیں ایک کا نام ایمان۔ دوسرے کا نام کفر ہوا۔ ایمان کا جو دائرہ ہے۔

اس میں نماز، روزہ، تلاوت، صدقہ، حق سننا، حق دیکھنا، حق کہنا ہے اور اسی طرح کے اعمال و افعال ہیں۔ کفر کا جو دائرہ ہے۔ اس میں شراب پینا۔ زنا۔ لواطت۔ چوری وغیرہ اور اسی طرح کے برے اعمال و افعال ہیں۔ تمہاری جان، تمہارے سر کی قسم، تم ہی کہو کہ دوسرا دائرہ جو کفر کا ہے اس میں کفر و شرک کیا جاتا ہے۔ جھوٹ بکی جاتی ہے۔ چوری کا مال دبا لیا جاتا ہے۔ برے افعال و اعمال ہوتے ہیں۔ جو کوئی ایسے دائرہ میں آ جائے ایسے دائرہ میں ہو۔ کیا وہ ایسا ہی مومن ہے۔ جو ایمان کے دائرہ میں ہے اللہ کی پناہ۔ اگر کوئی مومن چوری۔ زنا۔ لواطت کرنا۔ شراب پینا چاہے یا جھوٹ کہنا چاہے تو اس کو ایمان کا جو دائرہ ہے اس سے نکل کر کفر کے دائرہ میں آنا پڑے گا۔ ایک دائرہ سے نکل کر دوسرے دائرہ میں پہنچنا ضروری ہو جاتا ہے۔ افسوس افسوس۔ سوچو غور کرو کہ ہم کیا کہہ گئے۔ یاد رکھو۔ جب کبھی خواہشیں آگے آ جائیں بہا لے جانے کی فکر میں ہوں تو ایسے وقت میں دلیل کے ساتھ رہو۔ دائرہ ایمان ہی میں رہنے کی کوشش میں لگ جاؤ۔ ان سے بچنے کی فکر میں لگے رہو۔ والسلام

تیسرا حدیقہ

حق تعالیٰ کی تجلّی

اللہ تعالیٰ شانہٗ، جس کی شان کی انتہا نہیں فرماتا ہے کہ الم ترا الیٰ ربک کیف مد الظل (کیا تم نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف کہ اس نے سایہ کو کیسا پھیلایا ہے) تم نے دیکھا کہ پردہ ربوبیت (پروردگاری) کے پیچھے سے عروس حضرت کیسے آنکھ مار رہی ہے آنکھیں کھولے ہوئے اس طرف آنکھیں لگائے ہوئے ہونے کے باوجود۔ اپنے آپ کو انجان بنا کر کیف مدظل (کیسا سایہ کو بڑھا دیا پھیلا دیا) کہہ رہی ہے۔ اس نظارہ میں کھلی ہوئی نظر کچھ نہ کچھ محل فکر ضرور رکھتی ہے۔ یہ تو کہو کہ اس نظارہ میں تمہیں کیا دکھلائی دیا۔ یہ تو کہنا پڑتا ہے کہ سایہ کا وجود آفتاب کے بغیر نہیں ہوتا۔ جہاں دھوپ نہ ہو۔ آفتاب نہ ہو۔ وہاں سایہ بھی نہیں ہوتا۔ جہاں آفتاب نہیں

سایہ بھی نہیں۔ جب آفتاب و سایہ دونوں بھی نہ ہوں نہ پائے جائیں تو لازماً ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ کی طرح دوری جدائی۔ بے طاقتی۔ نارسائی کا رونا۔ رونا پڑتا ہے۔ ہر ایک اپنے وقت کے لحاظ سے اس کی مناسبت سے چلا اٹھتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "وہ ہے تو میں نہیں۔" "میں ہوں تو وہ نہیں۔" ہائے رے ہائے۔ سنائی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تعریف اپنی خوبی آپ بیان کر رہے ہیں ان کی اس اپنی آپ بڑائی میں ان کی خودنمائی خودنما ہو رہی ہے۔

بے ملست او تا سنائی بامن است   با سنائی زین قبل در مانده ام

(بے میرے وہ ہے جب تک سنائی میرے ساتھ ہے   سنائی سے اس طرح میں عاجز آ گیا ہوں)

یہ سب کچھ کہنے کا مطلب لذت لینے کی قابلیت سے اپنے آپ کو باہر لے آنا ہے۔ جب یہ نکل جائے تو پھر کیا دھرا رکھا ہے کہ جس سے حصہ نصیبہ و مزہ و لذت پا سکیں یا ہاتھ آ سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اَرِنِی اُنْظُرْ اِلَیْكَ (مجھ کو دکھلا میں تجھ کو دیکھنا چاہتا ہوں) کہا۔ جواب ملا لَنْ تَرَانِی (تو مجھ کو نہیں دیکھ سکتا) یہ ملامت کا کوڑا ان کے وجود (ہستی) پر مارا گیا کہ لَنْ تَرَانِی تم کو دیکھو اور تمہارا ہم کو دیکھنا دیکھو۔ یہ ان کے وجود کی نسبت کا جواب تھا کہ وہ ان کے شہود (دیکھنے) کی روک اور پردہ بنا ہوا تھا۔ تم نے یہ بھی سنا ہوگا کہ ان کے وجود کا پہاڑ اللہ تعالیٰ کی تجلی کی آڑ تھا۔ اس پر ایک لحہ کے لئے پلک جھپکنے تک بھی تجلی نہ ہوئی کہ وہ جعلہ دکا (ریزہ ریزہ) ہو گیا۔ مٹ مٹا گیا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام پر جو گزری جو کچھ ان کے سامنے آیا وہ ظاہر ہے۔ خر موسیٰ صعقا (گر پڑے موسیٰ بے ہوش ہو کر) یہ بے ہوشی مدہوشی (گمی بے خبری) نہ تھی۔ یہ ان کی نابودگی (کچھ نہ ہونا) ان کی بے خویشی (اپنے سے گمی اپنے آپ کو نہ پانا) تھی۔ اپنے آپ سے جانا۔ جاتے رہنا تھا۔ جب وہ اپنے آپ میں آئے تو انہوں نے عدم امکان وصول (اس تک پہنچنے کو نہ پہنچنا) جان کر تُبتُ (تیری طرف رجوع کرتا ہوں) کہا وہ وہ ہے کہ جس میں نہ تو جدائی ہے نہ ملاپ نہ گمی ہے نہ پانا۔ ہاں اس قدر محسوس ہوتا ہے کہ ایک تار ہے جس کا ایک سرا مبدا۔ ایک سرا معاد ہے

(جس کی ایک ابتدا ایک انتہا ضرور ہے) دونوں سرے ملا کر وہ پکڑا ہوا ہے۔ ایک میں ایک محو یعنی گم۔ مٹا ہوا ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ (اللہ کے سوائے کسی میں حول وقوت نہیں)۔

سخن کوتاہ کن گیسو درازا کجا تو ایں سخن ہیہات ہیہات

اے گیسو دراز بات کو مختصر کردے تو کہاں یہ بات کہاں ہائے رے ہائے

جاء موسیٰ بلا موسیٰ فلم یبق شئیٌ من موسیٰ (اے موسیٰ۔ موسیٰ کے بغیر کوئی چیز باقی نہ رہی موسیٰ کی موسیٰ میں) حکماء یہ کہتے ہیں کہ الواحد لا یصدر منہ الا الواحد (ایک سے ایک کے سوانہیں نکلتا) اے محمد حسینیؔ تم کیا کہتے ہو۔ میں یہ کہتا ہوں کہ میں نے ایک کو ایک کے اندر ایک ہی دیکھا۔ خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ راز بہت خوبی کے ساتھ کھولا ہے۔ وحدت کے وجود کا جو لباس ہے اس کے دو ٹکڑے کر کے سینہ تان کر دو دکھلاتے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں کہ انا اقل من ربی بسنتین (میں اپنے رب سے دو سال کا چھوٹا ہوں) اَنَا (میں) کو حقیقت کی قوت سے گاڑ دیئے ہیں مطلب یہ ہوا کہ جب تم دو کا تحقق (ہونا) مٹا دو گے تو اقل (چھوٹے) ہی کو پاؤ گے جب اس کو بھی نکال کر پھینک دو گے تو پاک ہو جاؤ گے۔ یاد رکھو مِنْ ربی (میرے رب سے) تعدیہ (حد سے گزرنا فعل لازم کو متعدی کرنا) ہے۔ بسنتین بالجمع ہے۔ (دو سال جمع کے ساتھ ہے) ما امرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر (نہیں امر کیا ہم نے مگر ایک بار پلک جھپکنے تک) بات اسی قدر اور یہی ہے کہ ایک میں ایک ہو گئے ہیں۔ لمح بالبصر (پلک کا جھپکنا) وہم کے سوانہیں رہتا۔ اگر واقعہ یہ نہ ہوتا' ایسا نہ ہوتا تو آدم علیہ السلام کیسے کیونکر کہاں سے منہ دکھلاتے حوا علیہا السلام کس رنگ و روپ سے برآمد ہوتیں یہ سب اسی کا تلون و تکون (رنگ لینا۔ وجود پانا) ہی تو تھا کہ آب و گل (مٹی پانی) سے سر اٹھایا بات یہ ہے کہ جب تفصیل اجمال کے ساتھ ایک ہو گئی مل ملا گئی تو مقید مطلق کے ساتھ ایک ہو گیا۔ دریا کا مینڈک دریا میں جا پہنچا۔ مل گیا اگر وہ دریا سے خبر دینا چاہے تو اس کو دریا سے باہر آنا سر نکالنا پڑتا ہے۔ اس کی فریاد کون سنتا ہے۔

وہ کس کو آواز سناتا ہے۔ وہ دریا میں ہے۔ دریا میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ عجیب بھنور ہے۔ حیرت ہے ایک چکر ہے کہ جس کی نہ انتہا ہے نہ اس کی طرف کوئی راستہ نہ کوئی مفر (بھاگ جانے کی جگہ) نہ چارہ کار ہے۔

الحمد لله علیٰ اننی کصفدع یسکن فی الیم ان هی فاهت ملیت مالحاً وان سکنت مانت من الغم

(سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے کہ میں اسی مینڈک کے جیسا ہوں جو دریا میں رہتا ہے۔ اگر وہ ٹھہرتا ہے تو گل جاتا ہے اور چپ رہتا ہے تو رنج کے مارے مر جاتا ہے۔)

مچھلی سے اگر یہ پوچھا جائے کہ تو کہاں کی ہے۔ کہاں اور کس میں رہتی ہے۔ تیری حیات (زندگی) کس سے ہے۔ تیری واپسی تیرا رجوع کس کے ساتھ ہے۔ تو وہ یہی جواب دے گی کہ میں پانی میں پیدا ہوئی۔ پانی سے نکلی۔ پانی ہی میں رہتی ہوں' پانی ہی پیا کرتی ہوں۔ میری واپسی میرے لوٹنے کی جگہ پانی ہی ہے۔ قابل غور عجیب بات یہ ہے کہ حوا علیہا السلام' آدم علیہ السلام کی طرف نہیں لوٹتیں۔ آدم علیہ السلام حوا علیہا السلام کے ساتھ ایک نہیں ہو جاتے۔

بو العجب کاریست و بس طرفہ رہے گاہ من او باشم و او من گہے

(یہ عجیب کام اور نادر بات ہے (میں کبھی وہ رہتا ہوں وہ کبھی میں)

وہ میں' نہ میں وہ۔ بہر حال میں تو کا کھیل کھیلا جا رہا ہے نعوذ باللہ (اللہ کی پناہ) انه الان کما کان ویکون کما کان (وہ جیسا کہ تھا ویسا ہی ہے ویسا ہی رہے گا) فکن الان کما کنت و تکون (پس ہو جا اب بھی جیسا کہ تھا اور جیسا کہ چاہے) اے عزیز اس کوشش میں اس جنجال میں نہ پڑ کہ لوگ تقلید کے حجرہ تقلید کی حد سے باہر آ جائیں۔ حقیقت اور حقیقت الحق کے میدان میں پہنچ جائیں۔ تقلید ایک باخیر بابرکت چیز ہے۔ ایک مضبوط (ضبط سے) پائیدار شے ہے۔ جو دوسری باتوں سے محفوظ اور بچائے رکھتی ہے۔ خوف و رجا (ڈر اور امید) ذوق و شوق (مزہ پانے لطف لینے) کی چیز ہے۔ جس میں آرام و راحت ہے۔ یہ درد دوا کے ساتھ ہے۔ سوز ساز (جلنے بھننے کی حالت) رکھتی ہے۔ صوفیوں کا نعرہ سوز (تڑپ کر بلبلانا۔ جلنا بھُننا) اسی سے ہے۔ جو

مردان خدا پہاڑوں' غاروں کو اپنے ٹھہرنے کی جگہ بنائے ہوئے ہیں۔ یہ سب تقلید ہی کے مقام میں ہیں خانقاہ تقلید سے کوشش کر کے انہیں باہر لایا جاتا ہے کہ وہ تحقیق کے میدان میں آ جائیں لیکن ان میں سے بمشکل ایک ہی ایسا ہوتا ہے جو تحقیق کے شہر میں آ جاتا ہے۔ باقی سب کے سب الحاد (حق سے گزر جانے) زندقہ (بے دینی) میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ اس سے بچائے رکھے۔ اس سے بچنا سلوک کے لوازمات سے ہے۔ سلوک میں دل کے خزانے کی طلب میں رہنا۔ عبادات۔ اذکار کے جواہروں اور موتیوں سے اپنے آپ کو مالا مال کر لینا ہے۔ کوئی نہ کوئی نیک بخت۔ وہ بھی ہوتا ہے کہ عروس حقیقت جس پر جلوہ فرما ہوتی ہے اس کے باوجود بھی وہ شریعت طریقت کے طریقہ و راستہ کو پوری طور سے لئے ہوئے ہوتا ہے۔ تحقیق کو پہنچا ہوا لاکھوں میں ایک ہوتا ہے باقی سب اپنی خودی' خود رائی پر اڑے ہوئے رہتے ہیں۔ الحاد اور اباحت و زندقہ' بے دینی اور ناجائز کو اپنے وقت کا سرمایہ بنائے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں۔ خبردار۔ اپنے آپ کو ان سے بچائے رکھو۔ اس میں پھنس کر تباہ نہ ہو جاؤ۔

چوتھا حدیقہ

شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ حق الحقیقت۔ حقیقت الحق

شریعت انسان کامل کی کہی ہوئی بات کو' طریقت انسان کامل کے کئے ہوئے کام کو' حقیقت انسان کامل کے ہونے کو' حقیقت الحق انسان کامل کے بود نابود ہونے نہ ہونے کو کہتے ہیں مثلاً انسان کامل نے ایک بات کہی اس کی بات جو کچھ بھی تھی جس چیز پر شامل مشتمل تھی جس نے اس کے موافق عمل کیا اس نے دولت دیدار پائی۔ دیکھ لیا۔ جس نے جو کچھ کہا وہ ہو گیا اور جو کچھ نیک بختی پانے کے لئے کیا اس نے اس کو دیکھ لیا۔ اپنی بود (بقا) کو پہنچ گیا۔ اسی کو اس عبارت میں اس طرح کہا گیا ہے کہ التصوف علم و عمل و موھبۃ (تصوف علم و عمل و عطا ہے) اسی کے دیکھنے کے لئے۔ اسی کی خاطر اس کو علم دیا گیا۔ سمجھ کر کام کر لیا تو دولت کو پہنچ گیا۔ اس پر بخشش کی گئی۔ نعمت عطا

ہوئی۔ وہ اپنے آپ کو کسی کے ساتھ پایا ہوا پایا جیسا کہ ابو یزید (بایزید بسطامی) رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غصت فی بحر الاعمال فوجدت نفسی مربوطةً بزنانیر فاذا انا ھو (اعمال کے دریا میں غوطہ لگایا تو میں نے اپنے آپ کو زناروں میں بندھا ہوا دیکھا) جب کہ میں کسی میں تھا جب میں نے اپنے آپ کو غور سے دیکھا تو شرک میں پھنسا ہوا پایا یہ پاتے ہی میں ''ہونے'' کی طرف پلٹ آیا۔ نعرہ لگایا۔ فاذا انا ھو (جب کہ میں وہ تھا) اس سے یہ نہ سمجھنا کہ وہ نہ تھا اب وہ ہوا۔ ہمیشہ ہی سے وہ درمیان میں تھا بلکہ وہ ہونا کہ اسی کا اپنا ہونا تھا وہ نہیں ہو گیا۔ اسی کا ہونا۔ ہونا ہو گیا۔ وہی وہ تھا وہی وہ ہوا ہونے نہ ہونے ہونے میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن میرے تجربہ اور دیکھنے میں یہ بات آئی ہے کہ لوگ حقیقت کی باتیں سن جاتے ہیں۔ صدر مجلس بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کچھ کی کچھ باتیں کہنے لگ جاتے ہیں داہنے بائیں جھولتے ہیں سر ہلانے لگ جاتے ہیں۔ لوگ ان کی نسبت ایک نیک گمان کر جاتے ہیں۔ وہ اس سے خوش وقت ہو جاتے ہیں۔ حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے جب اس قسم کی باتیں لوگ کہتے تو آپ ان کو روک دیتے۔ یہ کہتے کہ یہ باتیں سب میں کہنے کی نہیں۔ ہرگز نہ کہنا چاہئے۔ کیونکہ خواہشات میں رہنے اور ان پر مرمٹنے والے لوگ سن پاتے ہیں تو اس کو اپنی صدارت کی سند بنا لیتے ہیں کہ ہم ایسے ہیں یہ یہ جانتے ہیں۔ یہ یہ بیان کرتے ہیں۔ یہ بات سب کو کہاں میسر آتی ہے۔ ان کے اسی کہنے کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ ہم ایسے ہیں ہم ویسے ہیں لَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ۔ بہتر تھا کہ میں اس قسم کی باتیں نہ کیا کرتا۔ کیا کیا جائے فلاں ابن فلاں میری باتیں سننے آتے تھے۔ جب سے کہ میں اس ملک میں آ گیا ہوں وہ میرے متعلق اور ہی گمان رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے یہ جانتے تھے کہ ایسا محقق دوسرا نہیں۔ اے حسینی اپنی زبان روک لے اپنے بیان کو مختصر کر دے۔ والسلام

پانچواں حدیقہ

عالم مجاز اور عالم حقیقت

یہ عالم مجاز یعنی عالم ظاہر ہے۔ اس کے پرے عالم حقیقت یعنی عالم باطن ہے۔ مجاز (ظاہر) مجوزت (ظہورات) محل جواز حقیقت (حقیقت کے جاگزیں و جائز ہونے، رواں ہونے کی جگہ) جسم و جسمانیت کے گزر بسر کی جگہ بلکہ گزرگاہ (گزرنے کی جگہ۔ گھاٹی) ہے۔ یہاں سے گزرنا، گزر جانا پڑتا ہے۔ یہاں سے جانا ضروری ہے۔ یہ ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مجاز وہ ظاہر ہے جو حقیقت کے جواز کی جگہ ہے۔ یہ بات ہے تو مجاز کا حقیقت کے ساتھ کچھ نہ کچھ تعلق ہونا ضروری پایا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ مجاز ہی میں حقیقت ہاتھ آتی ہے۔ عنایت ہوتی ہے۔ ایسا ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔ مثلاً ہم اگر زید شیر ہے کہیں تو اس میں ایسی ہی شجاعت (دلیری۔ بہادری) کا ہونا ضروری ہے جیسی کہ شیر میں ہوا کرتی ہے۔ تاکہ زید کو جو شیر کہا گیا وہ ٹھیک و درست ہو جائے اس عالم کو عالم مجاز کہیں تو اس کے سوائے جو عالم ہے اس کو عالم حقیقت کہنا اور جاننا ہوگا۔ اس سے یہ سمجھ سکتے ہیں۔ نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اس حقیقت کا کچھ نہ کچھ عکس پرتو اس مجاز میں ہونا ضروری ہے اور ہونا چاہئے ورنہ اس کو مجاز کہنا بے معنی بات ہوگی۔ غور کرو۔ فکر کو کام میں لاؤ۔ سوچو کہ اس جہان میں عالم قدس کا عکس و پرتو کھلے طور سے پوری طرح سے ظاہر ہے یا نہیں۔ اگر تم اس عالم کا راستہ اختیار کر لو اس کے پیچھے پڑ جاؤ تو تم پر اس کا کچھ نہ کچھ عکس و پرتو ضرور پڑ جائے گا کیونکہ ان اللہ خلق اٰدم علیٰ صورتہ (البتہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) اسی کا پتہ دیتا ہے۔ خلق اٰدم علیٰ صورۃ الرحمٰن (پیدا کیا آدم کو رحمٰن کی صورت پر) اسی کا کھلا بیان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رائت ربی لیلۃ المعراج فی احسن صورۃ (دیکھا میں نے اپنے رب کو معراج کی رات میں اچھی صورت میں) فرما کر اس عالم کی ایک خبر دی وہ یہ کہ ایک صورت مجلیٰ (روشن) مصفا (صاف) منور (نورانی) قابل

انعکاس (سایہ قبولنے والی) پیدا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب جمال قدسی کا حسن سایہ ڈالنے والی نموداری کی شکل کے ساتھ نمودار ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آئینہ میں عین وحقیقت کا مشاہدہ کرتے ہی رائت ربی فی احسن صورة (دیکھا میں نے اپنے رب کو اچھی صورت میں) فرمایا اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ فوضع کفیه علیٰ کتفی فوجدت بردها فی قلبی (پس رکھا اس نے اپنے ہاتھوں کو میرے کندھوں پر جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دل میں پائی) وہ ہتھیلی ہاتھ ایسے تھے اور ہوتے ہیں کہ جس میں نہ بند ہونا ہے نہ کھلنا نہ اس میں گرفت کا ہونا کہا جا سکتا۔ بلکہ وہ اس بات کی حکایت کرتی ہے کہ کلتا یدیه یمین الصدقة اولا تقع فی کف الرحمٰن (پہلے پہل رحمٰن کی ہتھیلی میں ڈالی جاتی ہے) یہ ہاتھ غیب ہی غیب عین ہی عین ہیں۔ یہ جو کہتے ہیں کہ مجاز گزر جانے کے معنی میں ہے۔ جاز عنه (گزر گیا اس سے) بلکہ تجاوز عنه (بڑھ گیا اس سے) کا اشارہ بھی اسی طرف ہے تاکہ کوئی عین (حقیقت) کے بجائے عکس (مجاز ہی پر قرار نہ لے لے۔ ہاں سچ ہے گزر جانا کام کی شرط ہے ضروری بات ہے۔ اللہ پاک پرے سے پرے ورے سے ورے ہے مفہوم و اصلان حقیقت (حقیقت کو پہنچے ہوؤں کی یافت وفہم سے سمجھی بوجھی ہوئی چیز) یہی ہے نہ جدائی ہے نہ ملاپ نہ دوری ہے نہ نزدیکی نہ کھونا ہے نہ پانا۔ جو کہا گیا ہے وہ اسی قول کے مطابق ہے ثابت ومحقق ہو جاتا ہے۔ والسلام

چھٹا حدیقہ

اللہ کے اخلاق سے سنور جانا اس کے اوصاف سے بن جانا

میرے خواجہ قدس سرہ العزیز حکایت فرماتے تھے کہ شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ العزیز سماع سنا کرتے تھے۔ وجد میں آ جانے کے بعد خواجہ حمید الدین ناگوری قدس سرہ شیخ (خواجہ قطب الدین قدس سرہ) کے پاؤں پر گر پڑتے تھے۔ شیخ خادم کو اشارہ کیا کرتے کہ انہیں اٹھا دو۔ خادم ان کو اٹھا دیا کرتے تھے۔ بندہ

نے خدمت خواجہ سے عرض کیا کہ یہ کیا راز ہے۔ قاضی صاحب خواجہ صاحب کے پاؤں پر گرتے ہیں۔ خواجہ صاحب انہیں اٹھاتے نہیں۔ خادم کو اٹھانے کا اشارہ فرماتے ہیں۔ جواب میں خواجہ بندگی مخدوم نے یہ مصرعہ پڑھا۔

اینجا نرسد ز ورق ہر سودائی

(یہاں ہر سودائی کی چھوٹی کشتی نہیں پہنچتی)

میں سمجھ گیا کہ ہر قسم کے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہر ایک میں اس کے سمجھنے کی اہلیت، سمجھداری نہیں ہوتی۔ ہونی بھی نہ چاہئے، ہوتی بھی نہیں۔ موقعہ کے لحاظ سے خواجہ بندگی مخدوم نے ٹال دیا۔ انجان ہو گئے۔ ان بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک نادان نے یہ کہا کہ خبر نہ ہوتی ہوگی۔ خبر نہ رکھتے ہوں گے۔ میرے خواجہ بندگی مخدوم نے اس کے کہنے کی طرف التفات نہ کیا۔ تھوڑی دیر تک بطریق مراقبہ تامل فرمایا۔ بات ختم ہوگئی۔ یہی بات ایک درویش نے ایک بزرگ سے پوچھی اور کہا کہ یہ کیا بھید تھا کہ قاضی صاحب خواجہ صاحب کے پیروں پر گرتے تھے۔ خواجہ صاحب خود نہ اٹھاتے۔ خادم کو اشارہ فرمایا کرتے کہ ان کا سر میرے پاؤں پر سے اٹھا دو۔ اس کا جواب اس بزرگ نے یہ دیا کہ شیخ قطب الدین مقام کبریا میں ہوتے تھے۔ اس کلام میں کئی اشکال ہیں (اس بات میں کئی صورتیں، کئی شکلیں کئی مشکلیں ہیں) اگر محدث (نو پیدا۔ جدید) کہیں تو مخلوق (پیدا کی ہوئی) کہنا پڑتا ہے۔ اس کو اس طرح سمجھنا پڑتا ہے کہ جب نو پیدا، باقی قائم دائم کے ساتھ بقا و قیام پاتا ہے تو اس کے صفات لے لیتا اور اس کے صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تخلقوا باخلاق اللہ (اللہ کے اخلاق سے سنور جاؤ) واتصفوا بصفات اللہ (اس کے اوصاف سے بن جاؤ اتصاف کرو) جو فرمایا وہ یہی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک صفاتی نام متکبر بھی تو ہے۔ جب کوئی سالک صفت تکبر کبریائی سے متجلی ہو جاتا ہے تو کبریا اس کے سر پر چھا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ صفت کبریا سے متصف ہو جاتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ لوہا سرد ہے سیاہ ہے (ٹھنڈا اور کالا ہے) جب آگ

میں ڈالا جاتا ہے تو گرما جاتا ہے جب خوب گرم ہو جاتا ہے تو سرخ وگرم ہو کر آگ کے جیسا جب دکھلائی دیتا ہے تو کہتے ہیں کہ ناراً وصفاً حدیدا ذاتاً (بلحاظ صفت آگ اور بلحاظ ذات لوہا) بعض کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ ناراً ذاتا حدیداً وصفاً (بلحاظ ذات آگ اور بلحاظ صفات لوہا) ہو جاتے ہیں۔ اس کہنے کے یہ معنی ہوئے کہ آگ میں ڈال کر اتنا تپاتے گرم کرتے دھونکتے ہیں کہ اس کے تمام ذرات آگ ہو کر ہوا میں اڑ جاتے ہیں۔ آگ کا جو کرہ ہے اس سے مل جاتے ہیں۔ اگر کسی کے ساتھ ایسا ہو تو اس کو وصفاً و ذاتاً کہنا درست وٹھیک ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہم یہی رہتا ہے کہ لوہا تھا جب حقیقت سے لوٹ آتا ہے تو جیسا کہ پہلے تھا ویسا ہی رہتا اور دکھلائی دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے الکبریا ردائی (بڑا پن بڑائی میری چادر) فرمایا۔ وہ اسی چادر میں مرید کے چہرہ کو ڈھانپ لیتا ہے۔ خالق سبحان (پاک پیدا کرنے والا) صورت انسان میں جو محدث (نو پیدا) زائل و فانی (جاتے رہنے والی اور مٹ جانے والی) ہے۔ تجلی کبریائی کرتا ہے تو ہر کوئی یہ گمان نہیں کرتا کہ یہ صفت کبریا سے متجلی ہے۔ وہ بادشاہ جو مالک الرقاب گردنوں کا مالک ہے جس کے قبضہ میں لوگوں کی گردنیں ہیں یعنی سب کا مالک ہے۔ وہ اندھیری رات میں مانگنے والوں کے لباس میں مانگنے والوں کا لباس لئے ہوئے لوگوں کے دروازوں پر گھومتا' روٹی ٹکڑا مانگتا ہے۔ کیا کوئی گمان کر سکتا ہے یا کسی کے وہم وخیال میں آ سکتا ہے کہ سب کا مالک سارے جہان کا مالک آیا ہوا ہے۔ سب یہی سمجھتے ہیں کہ کوئی ٹکڑ گدا ہے۔ یہ سننے کے بعد تم مانو گے یا نہیں کہ کبریائی اس کی چادر ہو گئی۔ یہ وہی صورت ہے۔ الشیخ یحی ویمیت (شیخ جلاتا اور مارتا ہے) جو کہتے ہیں وہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس پر زندہ کرنے کی صفت جلوہ کی ہوئی ہے۔ یعنی اللہ کی صفت احیاء و اماتت (زندہ کرنا۔ مار ڈالنا) سے متصف ہو جاتا ہے۔ تو وہ شیخ یحی ویمیت ہو جاتا ہے ان صفات سے متصف ہو جانے سے شیخ جلاتا اور مارتا ہے یہ وہی کرتا ہے جو خدا کرتا ہے۔ یہ صورت وہ ہے جس میں شیخ درمیانی

واسطہ (بیچ کی کڑی) سے زیادہ نہیں۔ اچھا یہ تو کہو کہ یہ کسی کا گمان ہو سکتا ہے کہ اس جہان یا اس جہان میں حضرت تقدس وتعالیٰ کا جمال ان آنکھوں سے کوئی دیکھ پاتا ہے۔ اس آنکھ کی پتلی، پایہ اور ڈھیلہ سے کہ وہ آنکھ میں ہوتے ہیں اور وہ آنکھ سر میں پیشانی کے نیچے ہوتی ہے۔ اس سے کوئی دیکھتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہی آنکھ اس بصیر و سمیع کے فیض سے فیض لے کر اسی کے فیض سے اس کو دیکھتی ہے۔ آفتاب آنکھ سے کہتا ہے کہ اے آنکھ تجھ کو شرم نہیں آتی۔ تو یہ کہتی ہے کہ میں دیکھ رہی ہوں۔ تیری یہ قدرت طاقت کہاں کہ تو دیکھ سکے۔ میرے فیض سے مستفیض (فیض پا کر۔ فائدہ اٹھا کر) ہو کر دیکھتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ میں دیکھ رہی ہوں۔ حقیقت میں میرا فیض ہی دیکھتا ہے۔ تو نہیں دیکھتی۔ مارائی اللّٰہ غیر اللّٰہ (اللہ کے سوائے اللہ کو کوئی نہیں دیکھتا) کے معنی یہی ہیں۔ مسکین بیچارے معتزلی کو یہی دھوکہ ہوا اسی سے وہ حضرت الوہیت کے جمال سے محروم ہو گیا۔ بیچارہ مسکین فقیہ کو بھی یہی وہم آ گھیرا کہ مٹ جانے والی دنیا میں باقی رہنے والے کا جمال کیسے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں کیسے اور کیونکر دیکھ سکتے ہیں۔ سچ ہے اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اپنے آپ کو آپ ہی دیکھتا ہے۔ اس کو اس کے سوائے کسی اور نے نہ دیکھا۔ اس نے اپنے آپ کو آپ ہی دیکھا۔ وہ اپنے آپ سے آپ ہی عشق کرتا ہے کسی کے ساتھ مشغول ہی نہیں ہوتا۔ اپنے آپ میں آپ ہی ہے۔ اپنے آپ سے آپ ہی مشغول ہے۔

روایت کرتے ہیں کہ سیدنا امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے سب گھر میں رہنے والوں کو جمع کیا جب بیوی بچے لونڈی غلام سب حاضر ہو گئے تو آپ نے سب سے فرمایا کہ میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں جو پوچھوں اس کا جواب سچ سچ دینا اگر نہ دو گے تو اللہ تعالیٰ کے پاس جواب دہ رہو گے اللہ تعالیٰ کا حق تمہاری گردنوں پر رہے گا۔ سب نے کہا کہ ہم سچ سچ کہیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ تم جو عیب مجھ میں دیکھتے ہو یا جو عیب مجھ میں ہے وہ میرے منہ پر مجھ سے کہہ دو۔ تاکہ میں اس کے دور کرنے کی کوشش کروں۔ سب نے ایک زبان ہو کر آپ کی تعریف وتوصیف

کی مدح وثنا میں مبالغہ کیا۔ اس کے بعد عرض کیا ہم آپ میں صرف ایک بات پاتے ہیں۔ جس کے کہنے کی جرات نہیں پاتے کہنے کی مجال نہیں رکھتے۔ اس کو آپ سے کہہ بھی نہیں سکتے۔ آپ نے فرمایا کہ میں وہی بات سننا چاہتا ہوں۔ تمہیں کہنا ہوگا۔ تو سب نے یہ کہا کہ بہترین صفات اچھی خوبیاں جو ہو سکتی ہیں ان سب سے آپ آراستہ پیراستہ ہیں البتہ تھوڑا سا کبر (بڑائی۔ میں پن) آپ میں پایا جاتا ہے۔ فرمایا ہاں۔ سچ ہے ٹھیک کہتے ہو۔ ایک زمانہ تھا کہ مجھ میں میرا کبر موجود تھا۔ اب اس کا کبر آ گیا۔ وہ میرے کبر کے بجائے ہو گیا اس کی جگہ لے لیا ہے۔ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو۔ وہ میرا نہیں اس کا ہے۔ یہ فرمایا کہ "اس کا کبر میرے کبر کی جگہ لے لیا۔" کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ "میرا کبر اس کے کبر سے متصف ہو گیا۔" جیسا کہ لوہا کہ وہ بلحاظ ذات لوہا ہے اور بلحاظ صفت آگ ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ "اس کا کبر میرے کبر کو جڑ پیڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔ جب میں خالی خولی ہو گیا تو خود میرے کبر کی جگہ لے لیا۔" یہی کہ بلحاظ ذات آگ اور بلحاظ صفت لوہا ہے جو کچھ ہم شروع سے کہتے آ رہے ہیں اسی کی یہ بھی ایک مثال ہے۔ لوہے کو آگ میں تپاتے ہیں تو اس کی کئی صورتیں، شکلیں ہوتی ہیں بیان کرنے لگ جاؤں تو قصہ طویل ہو جائے گا۔ والسلام

ساتواں حدیقہ

شیخ، اس کے فرائض واجبات

کوئی شیخ جب کسی کو شیخ بنانا یہ مرتبہ دینا، اس رتبہ سے سرفراز کرنا چاہتا ہے تو ایسے شخص کی ساری عبادتیں، طاعتیں (خدا کی بندگی فرمانبرداری) حسنات (نیکیاں) ہنات (محنتیں۔ ریاضتیں) زلات (لغزشیں۔ کم حوصلگیوں) کو جانچ لیتا ہے۔ جس قدر اس کے مرید وابستہ معتقد ہوں گے۔ ان کو اور ان کی ساری عبادتوں، طاعتوں، گناہوں اور کوتاہیوں لغزشوں کی بھی جانچ پڑتال کر لیا کرتا ہے کیونکہ ان سب کو شیخ کے اعمال کے پلہ میں تولتے ہیں۔ اگر شیخ کا پلہ بھاری ہو جائے تو اس کو شیخ کا رتبہ دے دیتے ہیں۔ یہ

جو کہا گیا کہ کل قیامت میں مریدوں کے گناہوں کو مرشد کے پلو میں باندھ دیں گے وہ یہی بات ہے۔ اس مرتبہ و مقام کے شاہد عادل امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ اور مصدق امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔ امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہم کی تصدیق ہونے کے بعد کہ یہ شیخ بنائے جانے کا مستحق و لائق ہے۔ علی کرم اللہ وجہہ کی گواہی پیش ہوتی ہے تو اجازت ملتی ہے۔ ہمارا یہ ایمان ہے اور ہم سچ جانتے ہیں کہ اس کو مقام شفاعت دیا جائے گا۔

بعض یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ طاعت۔ عبادت۔ گناہ۔ ذلت وغیرہ جس قدر بھی اعمال ہیں وہ سب اعراض ہیں ان کا وزن کیسے کیا جا سکتا ہے وہ کس طرح تولے جا سکتے ہیں۔ تولنا کیا معنی رکھتا ہے۔ میزان (ترازو) سے کیا مراد ہے وہ کیا چیز ہے۔ یہ ایسی نازک بات ہے۔ جو بیان میں نہیں آ سکتی۔ یہ کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا۔ ہر شخص کا ذہن پہنچ نہیں سکتا۔ ہر شخص کے فہم کی رسائی یہاں تک نہیں۔ عام طور سے ترازو کے دو پلڑے ہوا کرتے ہیں۔ تین ڈوریوں کے سرے کو ہر پلڑے میں لگا کر ایک ڈنڈی میں لگا دیتے ہیں۔ ڈنڈی کے دونوں سرے سے پلڑے لٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ ڈنڈی کے بیچوں بیچ ایک سوراخ ہوتا ہے جس کو عین المیزان (ترازو کے درمیانی بتانے والا حصہ) کہتے ہیں۔ ایسی صورت کی جو چیز ہو۔ اس میں اعراض کا تلنا تول میں آنا کیسے ہو سکتا ہے۔ ان پلڑوں میں ان کا سمانا کیونکر ہو سکتا ہے یہ کیا معنی رکھتا ہے امام محمد غزالی علیہ الرحمتہ کہتے ہیں کہ ایمان کا تولا جانا ایسا ہی ہے لیکن اس میں پلڑے ڈوریاں کیسی لکڑی کیا بات۔ یہ میزان اور ہی ہے۔ اس میزان میں جو چیز تلتی ہے۔ اس کو اس پر سے سمجھ لو جیسے اشعار کی میزان ہوتی ہے۔ شعر کے وزن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس بحر کا ہے کس حد تک ٹھیک ہے۔ کہاں اس میں سکتہ ہے۔ کہاں کیا عیب ہے۔ کہاں بڑھ گیا ہے کہاں گھٹ گیا ہے۔ موزوں ہے یا غیر موزوں' وزن میں کون سا لفظ گر گیا ہے۔ اسی طرح اعمال کا بھی وزن ہو گا۔ انسانی اعمال ایسی ترازو میں تلیں گے۔ یہ کلام ایسے حکمائے اسلامیہ کا ہے جنہوں نے شیخ محمد بن ناصر کی شاگردی کی ہے۔ حکمت اسلامیہ

میں تو پورا اترتا ہے۔ خواجہ محمد غزالی علیہ الرحمتہ کی تصانیف میں سب کچھ ہے۔ اس کو انہوں نے نہایت خوبی سے ثابت کیا ہے۔ اس کو عقل کے مناسب کہہ سکتے ہیں لیکن عقل معاد کے لحاظ سے صحیح نہیں۔ بلکہ اس قدر سمجھ لینا چاہئے کہ جو میزان قائم ہو گی۔ اعمال کے وزن یعنی جانچ اور بدلہ کے لئے ہو گی تاکہ بندے یقین کے ساتھ جان لیں کہ جو کچھ ہمارے ساتھ کیا جارہا ہے اس کے ہم مستحق ہیں اعمال کے تناسب میں اس کی مناسبت کے لحاظ سے ایسا اس کے ساتھ کیا جارہا ہے۔ میزان عروض (شعر کے وزن) کی خصوصیت یہ ہے کہ شعر کہنے والا اپنے کہے ہوئے کو وزن کر لیتا ہے۔ کہاں عیب ہے کہاں کمی ہے، جان لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔ جزئیات کلیات کا اس کو پورا علم ہے۔ اس کو اس کی حاجت وضرورت ہی نہیں کہ وزن کرنے کے بعد جانے کہ کیا کمی، کیا زیادتی ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ۔ انه عالم بجزئیات وکلیات (اللہ کے سوائے کسی میں حول وقوت نہیں۔ وہ بڑی چھوٹی کل جز کا جاننے والا ہے) جس کو جیسا چاہا بنا دیا۔ اپنے ازلی ارادہ کے موافق بنایا اس لحاظ سے حکماء کے کہے ہوئے بیان کئے ہوئے کو علمائے باللہ اہمیت نہیں دیتے مقدار واندازہ میں نہیں لاتے کہ یہ کوئی وزن نہیں رکھتے انشاء اللہ تعالیٰ اس کو بھی اللہ کی توفیق سے بیان کیا جائے گا۔ باللّٰہِ التوفیق (اللہ ہی توفیق دینے والا ہے) فی الوقت اس بات کو اللہ ہی پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم میں کا خواب دیکھے اس کو بیان کرے اور تعبیر لیا کرے۔ ظاہر ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر چیز کی جو نسبت ہے اس سے مطلع ہیں۔ جو باتیں خواب سے متعلق ہیں یا اس سے نسبت رکھتی ہیں۔ ان کا لحاظ کرتے ان کی مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے خواب کی تعبیر دی جاتی ہے ایک وہ نسبت جو دوسری نسبتوں میں سے باقی ہے وہ آپ کے معجزہ وکرامات میں ایک شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ ایک خوبصورت عورت اس کو مٹھائی یا مصری نیشکر دے رہی ہے۔ تعبیر دینے والا یہ تعبیر دیتا ہے کہ دنیا کی کوئی چیز اس کو ملے گی۔ دنیا اپنا حال بتلا رہی ہے۔ عورت کی صورت کا تمثل لی ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ اپنی حقیقت کے ساتھ

ظاہر ہوئی ہے کیونکہ حقیقت میں وہ خوبصورت عورت ہے۔ اگر کسی نے خواب میں یہ دیکھا کہ وہ کچرا کوڑا کھا رہا ہے تو تعبیر دینے والا اس کی یہ تعبیر دیتا ہے کہ وہ دنیا سے ہر طرح کا فائدہ پورے طور سے اٹھائے گا۔ اعمال جس میں تولے جائیں گے اس میزان کو اس کی صورت و حالت کو تصور میں لے آؤ۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ترازو کی صورت کو اس مثال کے ساتھ جو اس نے ترازو کی صورت کے جیسی ظاہر کیا ہے اعمال اعراض ہیں ان کو صورت کا تمثل دیا گیا (مشابہت دی گئی) اعمال حسنہ (نیک کام) کو ایک خوبصورت نوجوان، اچھی صورت والا، سانچہ میں ڈھلا ہوا بدن زیبا شکل دی گئی۔

آن یار گل اندام چناں شست بردلم　　　کز بہر شست دیگرے جائے دگر نماند

(وہ پھول کے جیسے جسم والا میرے دل میں ایسا اس طرح بیٹھ گیا کہ جس میں دوسرے کے لئے بیٹھنے کی کوئی جگہ ہی نہ رہی)

اعمال سیئہ (برے کام) کی صورت بڑی ڈراؤنی، بڑے موٹے ہونٹ، بہت بری چپٹی ناک بدصورت و بد ہیئت لنگڑی لولی شکل دی گئی۔ ایسا تمثل اس کو دیا گیا۔ نہایت غور انتہائی باریکی سے ان دونوں صورتوں کو ایک ایک پلڑے میں رکھ کر وزن کرنے کے بعد ان میں توازن کیا جاتا ہے۔ بھاری ہلکے کو جان لیا جاتا ہے۔ کون سا ہلکا کون سا بھاری (وزنی) ہے، پہچان میں آ جاتا ہے۔ کاغذ کے ٹکڑوں کے ساتھ سونے کے ورق کا توازن کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک ساتھ آپس میں برابری کے ساتھ وزن کرنا کیسے ہو سکتا ہے۔ اس مثال سے سمجھ سکتے ہو کہ کون سا بے قیمت کون سا قیمتی، کون ہلکا اور کون بھاری ہے۔ ہر ایک کا اندازہ و میزان کچھ اور ہی ہے۔ خدائے تعالیٰ بندوں کو ایسی سمجھ ایسا اندازہ عطا فرمائے گا جس سے ہر شخص یہ جان لے گا کہ یہ میرے برے کام اور یہ میرے اچھے کام کی صورت ہے۔ سب اسی طرح یقینی طور سے سمجھ جائیں گے کہ یہ ہمارے اپنے برے کئے ہوئے کی صورت ہے۔ ہر ایک سمجھ جائے گا کہ میں کس چیز کا مستحق ہوں۔ مجھ پر عذاب ہوگا یا مجھ کو نجات ملے گی ثواب ہاتھ آئے گا۔

ہر ایک یہ جان لے گا کہ میں اسی کا مستحق تھا۔ میں جس کا مستحق تھا وہی میرے سامنے آیا ہر شخص یہ بھی سمجھ جائے گا کہ ''صورت حسنہ'' اچھے اعمال کی ''صورت

قبیحہ" برے اعمال کی صورت ہے۔ سب سمجھ جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ صورت حسنہ کو احسن الصور (سب صورتوں میں کی اچھی صورت) بنایا۔ یہ اس کی مہربانی و نوازش' اس کا فضل و کرم ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ "اعراض" "جوہر" بنا دیئے جائیں گے۔ اس کا مطلب یہی ہے اس کے معنی یہی نکلتے ہیں لیکن وہ اس بات کی حقیقت سے غافل ہیں۔ ہم نے جو کچھ دو مثالوں میں بیان کیا ہے ان میں ایک حقیقت دوسری مجاز کی بنیاد لئے ہوئے ہے اور اس پر مبنی ہے۔ جن قیاسات کی بناء پر' جو کچھ ہم نے کہا ہے اس کو سمجھ لو۔ غنیمت جان لو۔ عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے۔ اگر حقیقت پر نظر ہو تو سارے وجودات تمثل ہی تمثل ہیں۔ لا حول و لا قوة الا باللہ۔ میں کہاں جا پہنچا۔ رجوع واپسی کی بات ایسے شخص ہی سے کہی جا سکتی ہے جو معارف کی انتہا کو پہنچ گیا ہو۔ اس سے آگے فہم کی رسائی نہیں۔ یہاں ہماری مراد اسی قول سے ہے۔ جس کا قول ہے اسی کا صاف کھلا ہوا بیان ہے۔ ماثورہ (احادیث میں آئی ہوئی دعائیں) میں ہے کہ ما ابلغ مدحتك و لا احصیٰ ثناء علیك انت کما اثنیت علیٰ نفسك (ہم تیری مدح کر نہیں پاتے تیری ثناء کر نہیں سکتے جو ہمارے اندازہ و شمار سے بالاتر و بے انتہا ہے ہاں وہی جو تو نے اپنی حمد و ثناء آپ کی ہے) کچھ سمجھے کہ یہ کیا ہے۔ ابتداء میں ہم نے جو کہا تھا وہ یہی کہ اعوذ بعفوك من عقابك (تیری معافی درگزر کی پناہ میں آتا ہوں تیرے عذاب تیری پکڑ سے) ایک فعل سے ایک فعل کی پناہ لے کر اعوذ برضاك من سخطك (پناہ میں آتا ہوں تیری خوشنودی رضامندی کی تیری ناخوشی ناراضی سے) کہا ایک صفت سے دوسری صفت کے دامن (پلو) میں آ گیا۔ پھر اس مقام سے ترقی کرتے ہوئے ذات میں پہنچ کر اعوذ بك منك (تیری پناہ میں آتا ہوں تجھ سے) کہہ دیا۔ ما ابلغ مدحتك الا احصیٰ ثناء علیك انت کما اثنیت علیٰ نفسك کو ان سب کو۔ اے مسکین اس وقت جانے گا جب اس مرتبہ میں آئے گا۔ میں نے اس مختصر میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کو بھی سمجھ لے گا کہ اس میں کیا کیا کھولا گیا ہے یہ بھی جان لے گا کہ جنت دوزخ ثواب عذاب کی صفت کا پوری طرح سے بیان ہو گیا۔ میں نے جو کہا

ہے اس کو علماء باللہ ہی جانتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تمہیں علم عطا فرمائے۔

تو چہ دانی کہ باتو نگذشت است شب ہجران و روز تنہائی
(تو کیا جانے کہ تجھ پر بیتی ہی نہیں جدائی کی رات تنہائی کا دن)

معشوق کے ساتھ خلوت (تنہائی) میں کبھی ایک نہ ہوا۔ دوئی ہمیشہ باقی رہی وصال و فراق کا کبھی احساس نہ ہوا۔ تمہیں اس بات کی کیا خبر۔ اگر اس ماثورہ سے تمہیں آشنائی (وقوف) مل جائے تو اس کو سمجھ سکو گے۔ دعائے ماثورہ یہ ہے۔ یا نور یا نور النور یا منور النور یا نور السمٰوٰت والارض (اے نور۔ اے نور کے نور۔ اے نور کے نورانی کرنے والے۔ آسمانوں وزمین کے نور)

کے بود ما ز ما جدا مانده من و تو رفته و خدا مانده
(کب ایسا ہوا کہ ہم اپنے آپ سے الگ رہے میں اور تو چلا گیا اور خدا رہ گیا)

آٹھواں حدیقہ

نماز۔ نیت۔ عمل

نیت المومن خیر من عمله (مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔) یا نیت المرء خیر من عمله (مرد کی نیت اس کے عمل سے اچھی ہے) جو کہتے ہیں۔ حدیث شریف سے بھی اس کو اچھا خاصا لگاؤ ہے۔ فرض کرلو کہ کوئی نماز ادا کر رہا ہے۔ نماز میں۔ قیام۔ قرأت۔ رکوع۔ سجدے۔ سب کچھ جیسا کہ ادا کرنا چاہئے کر رہا ہو۔ نماز کی نیت نہ ہو تو فرض ادا ہوتا ہے نہ نفل یعنی کوئی نماز ادا نہ ہوئی۔ ایسی نماز کسی حساب میں گنتی شمار میں نہیں آتی۔ ایسی حرکات کرنے والے نے جو کیا فضول، بیکار کام کیا جس میں نہ ثواب نہ عذاب۔ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ چند لوگ ایک صف میں کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے ہیں۔ ان میں ایک وہ ہو جو رسم و عادت کے لحاظ سے نجات کے لئے پڑھ رہا ہو۔ ایک وہ ہو جو مراتب پر پہنچنے جنت کی نعمتوں کے لئے پڑھ رہا ہو۔ ایک وہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے دیدار کے لئے ادا کر رہا ہو۔ ایک وہ ہو کہ صرف اس

لئے کہ وہ ہمارا اللہ ہے ہم اس کے بندے ہیں نماز میں ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی نماز ہر ایک کی نیت کے موافق قبول کرے گا۔ دکھاوے' اپنے آپ کو اچھا دکھلانے لوگوں کی نظر میں آنے کے لئے جو نماز پڑھ رہا ہے اس کے متعلق فقیہ یہ کہتا ہے کہ اس کو نہ ثواب ملتا ہے نہ عذاب۔ صوفی کہتا ہے کہ وہ خدا کے شرک کرنے والوں میں سے ہے یعنی مشرک ہے۔ اس سے یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ نیت عمل سے بہتر کیوں ہے اور کیا بات ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ عمل المرء خیر من نیته (مرد کا عمل اس کی نیت سے بہتر ہے) ان کا مطلب یہ ہے کہ نیت ہو عمل نہ ہو تو وہ نیت کس کام کی۔ اب تم ہی سمجھ لو کہ نیت عمل سے بہتر ہے یا نیت سے عمل بہتر ہے۔ مثلاً ایک شخص صاحب نصاب ہو۔ (زکوٰۃ جس پر فرض ہو گئی ہو) ایک سال گزر گیا ہو۔ اگر وہ زکوٰۃ کی نیت کئے بغیر تمام مال خدا کے راستہ میں دے دے تو کہتے ہیں کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔ اس کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث کی روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ زینوا القراٰن باصواتکم (قرآن کو اپنی آواز سے زینت دو) اس فرمانے میں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی آوازوں کو قرآن سے زینت دو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی اچھی آواز سے قرآن پڑھتا ہے تو سننے والے کے دل میں زیادہ اثر کرتا ہے۔ رقت پیدا ہوتی ہے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآن پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سننا اور فرمانا کہ تم کو داؤد علیہ السلام کی آل کی بانسری میں سے ایک دی گئی ہے اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا جواب میں یہ عرض کرنا کہ اگر مجھ کو معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں اس سے بہتر طریقہ اور عمدگی کے ساتھ پڑھتا۔ اب تم ہی کہو کہ قرآن کی زینت آواز سے ہوئی یا آواز کی زینت قرآن سے ہوئی۔ بہر حال اعتبارات مختلف ہیں۔ اس بارہ میں خاموشی ہی بہتر اور اچھا طریقہ ہے۔ والسلام

نواں حدیقہ

دل کے مراتب اور طور

علمائے اہل سنت والجماعت متفق ہیں کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا سنت موکدہ ہے۔ جماعت میں امام اور مقتدی شامل ہیں۔ امام اور اس کی اقتداء کرنے والے جہاں جمع ہوں نماز ادا کریں وہ جماعت کہلاتی ہے۔ ایک کا دوسرے کے ساتھ سب کا ایک جگہ جمع ہو جانا جماعت کا حکم رکھتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جماعت دو کا ایک ہو جانا تین کا ایک ہو جانا ہے۔ تین ہوں تو جماعت ہوتی ہے جن کا پہلا اگلا ایک ہوتا ہے۔ میرے خواجہ قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ اگر کوئی اسی سال میں ایک نماز جماعت میں آئے بغیر ادا کیا تو صوفیا اس کو گندہ کہتے ہیں۔ جب کوئی کسی شیخ کا مرید اس کے حلقہ میں آ جاتا ہے تو اس کو شیخ پہلی نصیحت یہ کرتا ہے کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا۔ اس کو لازم وضروری سمجھنا۔ بعض علماء جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کو واجب کہتے ہیں۔ سنت اور واجب میں ایک رشتہ برادری ہے جس کو بھائی چارہ بھی کہتے ہیں۔ میرے استاد مولانا عماد الدین تبریزی رحمتہ اللہ علیہ واجبات کو مکلمات کہا کرتے تھے۔ بعض علماء جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا فرض کہتے ہیں۔ ارکعوا مع الراکعین کی آیت سے سند و دلیل لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے معنی نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ اس کو حدیث شریف سے ثابت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ لوٹ جا نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اس کے متعلق مشہور روایتیں ہیں۔ یہ حدیث کافی شہرت رکھتی ہے۔ یہ بھی سن لو کہ موجودات (موالید) کی وضع قطع شکل وصورت قسم قسم کی ہے ہر نوع کا ایک موجود (حیوان۔ نبات۔ جماد) اپنے طور سے تسبیح ونماز میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو سر نیچا کیا ہوا کسی کو سر اوپر کیا ہوا پیدا کیا۔ حیوان۔ نبات۔ پرند۔ ان سب کی تسبیح ان کی نوع کے لحاظ سے ہے وہ اپنی اپنی تسبیح کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان من شئی یسبح بحمدہ (کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح وتعریف نہ کرتی ہو) اس کے معنی یہ

کرتے ہیں کہ ہر ایک کا تسبیح کرنا۔ صانع۔ علیم۔ قدیم۔ حکیم (بنانے والا۔ جاننے والا۔ قدامت والا۔ حکمت والا) کے وجود کی دلیل ہے۔ جس کی سب تسبیح کرتے ہیں۔ ہر ایک کی تسبیح ایک قسم کی ہے ہر ایک اپنی اپنی خاص مخصوص تسبیح کیا کرتا ہے۔ اہل کشف و عیاں (اہل اللہ) نے یقین کے ساتھ اس کی خبر دی ہے۔ علیؓ مرتضی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ اور اس چیونٹی کی حکایت جو آپ کے نعلین کے چمڑے سے زخمی ہو چکی تھی، کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ فرماتا ہے کہ وسخرنا مع داؤد الجبال یسبحن (ہم نے پہاڑ کو داؤد کے حکم میں کر دیا اور وہ تسبیح کرتے ہیں) کنا فاعلین (ہم ہی کرنے والے ہیں اس کے با انصاف گواہ ہیں) بحمدہ۔ جو ضمیر (اسم اشارہ) ہے وہ اللہ کی طرف راجع ہوتی (لوٹتی) ہے اگر شئی (چیز) کے ساتھ راجع ہے۔ کہیں بھی تو ہوسکتا۔ کیونکہ وما من موجود الاولہ (نہیں ہے کوئی موجود مگر اسی کے لئے) یعنی جس مرتبہ میں بھی جو کوئی ہے اس کی ایک نسبت اپنی طرف اور ایک نسبت اپنے پروردگار کی طرف ہوتی ہے۔ لہٰذا جب توجہ پروردگار کی طرف ہو تو وہ وجہ اور نسبت جو کسی چیز میں ہے وہ بھی تو پروردگار ہی سے نسبت رکھتی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہی طرف لوٹتی ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ کوئی چیز ایسی نہیں جو اپنی خاص و مختص تسبیح نہ کرتی ہو۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ میں کہاں جا پہنچا۔ اب ہم اسی گفتگو میں آ جاتے ہیں جو ہم کر رہے تھے۔ ایک مخلوق ایسی بھی ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت لوٹتے پوٹتے چت لیٹے ہوئے کیا کرتی ہے۔ انسان ہی وہ مخلوق ہے جو سیدھا کھڑے ہو کر، جھک کر، زمین پر سر رکھ کر بیٹھ کر، لیٹ کر ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا ہے۔ اس کی ایک مخلوق ایسی بھی ہے جو سر نیچا کئے ہوئے اس کی عبادت میں مشغول ہے۔ ومنهم من یمشی علیٰ اربع۔ (ان میں کے وہ جو چار پاؤں پر چلتے ہیں) یعنی چوپایہ۔ اس کی ایک مخلوق وہ بھی ہے جو پیٹ کے بل گھستے رینگتے ہوئے چلتی ہے جس کی نسبت ومنهم من یمشی علی بطنه (وہ جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں) جیسے کہ سانپ وغیرہ سارے اقسام وانواع کی مخلوق کے لئے ایک طرح سے ادائی مقرر ہے۔

ایک انسان ہی وہ ہے کہ وہ ہر قسم و ہر نوع کی عبادت میں رہتا ہے۔ مثلاً اگر کھڑا ہوا ہے تو کھڑے ہوئے بھی عبادت میں ہے جس کو قیام کہتے ہیں۔ جھکا ہوا ہے تو جھک کر بھی عبادت میں ہے جس کو رکوع کہتے ہیں۔ یہ چوپایوں کی عبادت کی صورت ہے۔ اگر پیشانی اور منہ کے بل چلنے والوں کی عبادت کی صورت ہے کہ وہ سر جھکائے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ غور کرلو کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے کیا معنی ہوئے۔ یہی کہ اللہ ہی کے ہو جانا۔ اللہ ہی کے لئے اللہ کی عبادت کرنا۔ ارکان میں برابری کو فرض کہا گیا حق و حقیقت کی حقیقتاً یہی نماز ہے۔ نماز کا جماعت کے ساتھ ادا ہونا یہی ہے۔ غور سے سنو انسان ایک جسم ایک دل۔ ایک روح۔ ایک سر (روح الروح) اور ایک انتہائی باطن رکھتا ہے جس کو خفی کہتے ہیں۔ یہ پانچوں ایک ہی خانہ میں قرار لیتے ٹھہرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد (ملاپ) کی صورت رکھتے ہیں۔ دل خفی میں اس طرح جمع ہو جاتا ہے جیسا کہ قطرہ دریا میں۔ ایک کے دوسرے کے ساتھ اتحاد کی یہی مثال ہے۔

اے عزیز۔ نماز جماعت کے ساتھ۔ حق کی قسم۔ رب العزت کی معرفت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے سوائے کچھ نہیں۔ للہ ہے۔ اللہ ہی کے لئے ادا کی جاتی ہے۔ اللہ ہی اللہ نماز میں ہوتا ہے۔ انا من اھویٰ من اھویٰ (میں ہی ہوں میرے سوائے کون ہے) کہا گیا۔ والسلام

دسواں حدیقہ

دل اور اس کی کیفیت

قرآن کی تفسیر کرنے والے دین کے علماء و حکماء سب اس میں ایک رائے ہیں۔ سب کا اتفاق اس پر ہے کہ اللسان ترجمان القلب (زبان دل کی ترجمان ہے) جو دل میں ہوتا ہے وہ کہتی ہے دل کی ترجمانی کرتی ہے۔ یہ نظریہ کلام باری تعالیٰ و تقدس کے ساتھ کسی طرح سے بھی ٹھیک و درست ربط نہیں پاتا۔ کیسے پا سکتا ہے کہ اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں اپنی زبانوں سے۔ ان کے دلوں میں کچھ نہیں۔ وہ آیت یہ ہے یقولون بالسنتھم ما لیس فی قلوبھم۔ بہت ساروں سے جنہیں علمی گفتگو، نازک باریک باتوں سے واقف و باخبر ہونے کا دعویٰ تھا میں نے اس بارہ میں سوال کیا۔ جواب خاموشی تھی۔ ان کا چپ رہنا۔ گھبرائی ہوئی پریشان صورت لئے ہوئے تھا۔ چونکہ ہمارا مقصد تحقیق کے ساتھ بیان کرنا سمجھانا ہے اس لئے ہم تھوڑی سی تمہید و تفہیم کے ساتھ بیان کریں گے۔ سنو۔ دل کے سات طور بتلائے گئے ہیں ایک کو قلب (دل) دوسرے کو فواد (گہرائی دل) تیسرے کو خفاف (دل کی ستھرائی) چوتھے کو جاش (دل کی توڑ موڑ) پانچویں کو خلد (دل کی دائمی) چھٹے کو ہاجہ (دل کا تحرک) ساتویں کو جمال (دل کا ابھار) کہتے ہیں۔ ان ہی ساتوں کے اور بھی نام ہیں۔ جو بھی ہیں وہ دل کے طور کے نام ہیں۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کے دل میں جو کچھ ہوتا ہے وہ زبان سے نہیں کہتا بلکہ اور ہی کہہ جاتا ہے۔ اس کے کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے دل کے پردوں میں ایک پردہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے زبان سے کچھ اور کہہ جاتا ہے۔ دل میں جو ہے وہ نہیں کہتا۔ کلام اللہ کا حافظ قرآن پڑھتا جاتا ہے اور اس کا دل قسم قسم کی باتیں اس سے کرتا جاتا ہے۔ حکایتوں کا بیان ان سات پردوں میں سے ایک پردہ میں ضرور ہے۔ عاشق مبتلا، جس پر محبت غلبہ پا جاتی، وہ چوتھے درجہ میں ہوتا ہے۔ حق کے سوائے دوسرے کی محبت چوتھے پردہ تک ہے اللہ کی محبت جب دل کی گہرائیوں میں آ جاتی ہے گھر کر جاتی ہے تو "اللہ" کے سوائے جو کچھ ہیں ان کا گزر اس تنہائی میں نہیں ہونے پاتا۔ اگر حافظ قرآن اس طرح پڑھے کہ جو کچھ وہ زبان سے ادا کر رہا ہے پڑھ رہا ہے۔ اس کا دل بھی وہی کہتا جائے تو بہت جلد قرآن کے اسرار و رموز اس پر کھل جائیں۔ یائے حروف اس کی مراد کے موافق اسی کے ہاتھ آ جائے۔ لطیف زمانہ (کم وقت) میں الم سے والناس تک حرفاً حرفاً حروف و مخارج کے ساتھ بغیر کسی غلطی یا سہو یا لغزش کے تلاوت قرآن ہاتھ آ جائے۔ یہ بات نادر یہ معنی ایسی اچھوتی ہے کہ علمائے باللہ کو ان

کے جگر پانی پانی ہونے، خون تھوکنے کے بعد ہاتھ آتی ہے۔ وہ بہت ہی نیک بخت ہے، جس کی بغل میں یہ عروس ازلی (ہمیشہ کی دلہن) آ جائے۔ سنائی رحمۃ اللہ علیہ اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

عروس حضرت قرآن نقاب انگہ بر اندازد   کہ دارالملک ایمان را مجرد بیند از غوغا[1]

(حضرت قرآن اپنا راز اس وقت کھولتا ہے   جب کہ ایمان کے دارالسلطنت کو گڑبڑ سے پاک صاف دیکھتا ہے)

اس مقام اس مرتبہ میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق اللہ تعالیٰ اپنے کلام نفسی سے ازلاً و ابداً کلام میں ہے وہ اسی طرح سے گفتگو میں ہے کہ خاموشی، چپ ہونا اس کے لائق و سزاوار نہیں۔ حدوث (نو پیدا) زوال (گھٹ جانا) اور جمع کلام میں اس کا کلام جمع کرنا چاہیں تو وہ عربی میں ہو یا عبرانی میں، قرآن میں ہو یا توریت و زبور و انجیل میں، یہ سب ایک ہی حرف ہے۔ اگر کوئی طے حروف کو پہنچ گیا۔ اس کی صفت سے متصف ہو گیا تو اس کا کلام اس کی گفتار ویسی نہیں ہوتی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ شانہٗ بِسۡمِ اللّٰہِ فرماتا ہے تو پورا فرماتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ پہلے باء پھر سین پھر میم وغیرہ۔ جنہوں نے اس کا کلام اس ترتیب سے سنا ہے اگر ان کے قصے بیان کئے جائیں تو کئی جلدیں ختم ہو جائیں اور بات پوری نہ ہو۔ اس بارے میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہ کہ وہ ایک حرف ہی ہے اگر اس کو تحریر و تقریر میں لایا جائے تو ایک کتب خانہ بھی کافی نہ ہو۔

بعض محققین نے کلامٌ لیس بحرف ولا صوت ولا غیر حرف و صوت (یہ وہ کلام ہے کہ نہ تو حرف کے ساتھ ہے نہ آواز کے ساتھ نہ غیر حرف نہ غیر آواز)۔

سخن کوتاہ کن گیسو درازا   چو میدانی کہ محرم در جہاں نیست

(اے گیسو دراز بات ختم کرو   جب تم یہ جانتے ہو کہ دنیا میں کوئی رازدار نہیں)

یہاں لفظ و حرف بیان نہیں۔ اشارے رمز کنایہ پلک مارنے اور اشارہ چشم

---

[1] عروس حضرت قرآن اس وقت اپنا نقاب الٹتی ہے جب کہ ایمان کے غوطہ سے دور مومن کے دل کو مجرد تنہا اور یکسو دیکھے۔

کے سوائے کچھ نہیں۔ کوئی چارہ ہی نہیں۔ کچھ کہنے میں آ نہیں سکتا کچھ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ سالک مرشدوں پیروں کے سہارے کھڑا ہوا ہے۔ یہ جاہل عالم، نابالغ بوڑھے سپید سر، سپید داڑھی والے بچے اندھیرے میں ہیں۔ اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ اس لئے تم اپنی زبان روک لو۔

مرد معنی را طلب آر ایں میان　　اہل صورت را نباشد اعتبار
(ان میں سے باطن کے مرد کو ڈھونڈ نکال　　ظاہر کے لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں)

☆ نوٹ: اس کے بعد گیارہواں اور بارہواں حدیقہ ہے۔ بعض قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں دس کے بعد پہلا دوسرا حدیقہ لکھا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ پہلے اور دوسرے کا تکملہ معلوم ہوتا ہے لیکن قائمہ حدیقہ ہے۔ (مترجم)

گیارہواں حدیقہ

محبت حق۔ ازلیت۔ ابدیت

سب کاموں سے زیادہ اہم کام ساری بزرگیوں میں بڑی بزرگی اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ تعالیٰ اللہ عن الزوال والانصرام (اللہ تعالیٰ پاک برتر ہے گھٹنے پورے ہو جانے سے) جب کوئی سمجھدار تعلیم یافتہ، علم و حکمت کا ذائقہ پایا ہوا سوچتا ہے کہ اپنی عمر (زندگی) کو کس کام میں لگائے کس کی طلب میں صرف کرے۔ زندگی کا مقصد و مطلب کیا ہونا چاہئے تو وہ اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ کسی سے محبت پیدا کرنی چاہئے۔ جب غور وفکر کرتا ہے تو سب کو نزول و زوال میں دیکھتا ہے۔ محبت کے اسباب و لوازم قسم قسم کے پاتا ہے۔ گم ہونے مٹ جانے اتر جانے گھٹنے کے چکر میں دیکھتا ہے۔ ہر چیز کو فنا کے پھیر میں پاتا ہے تو آخرش اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ سب سے بہترین چیز سارے مطالب و مقاصد میں اعلیٰ ترین مقصد و مطلب پروردگار تعالیٰ و تقدس کی عبادت ہے اس کو بھی عدم یعنی "غیب کے پردہ" "نہیں" ہی کے بھنور میں چھپی ہوئی پاتا ہے۔ فرض کرو کہ کوئی للہ فی اللہ (اللہ کے واسطے اللہ کے لئے) نماز کہ بہترین نیک کام

ہے۔ اس کو پورے شرائط وارکان کے ساتھ ادا کرے۔ اگر اس کو خداوند تعالیٰ نے قبول کیا تو اس کی جزا (بدلہ) دے گا۔ اس لحاظ سے نماز خیال ہی کے پھیر میں پڑ جاتی ہے کہ وہی جگہ انعام واکرام کی ہے عبادت بندگی محنت مشقت برداشت کی جگہ نہیں وہاں آرام ہی آرام ہے اگر کوئی نماز پڑھنے لگ جاتا ہے اس کو اس پر استقامت مل جاتی ہے تو وہ لذیذ ترین' پسندیدہ ترین چیزوں میں ایک چیز ہو جاتی ہے۔ اصل حقیقت یہ کہ اس کی نماز اس کے ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ یعنی اس کی نماز خدا کی نماز نہ رہی بلکہ اس کی پسندیدہ مرغوب چیز ہوگئی۔ عبادت میں مزہ ملنے گا۔ معبود سے جس کی عبادت کیا کرتا تھا اس کا خیال نہ رہا۔ ذریعہ وزینہ ہی کی ہوا وفضا میں مگن ہو گیا۔ اس پر سے قیاس ہو سکتا ہے کہ جو کچھ ہے وہ جہل ہی ہے۔ دولت۔ مرتبہ۔ قوت۔ عیش سے فائدہ اٹھانا۔ آرام پانا خیال بازی ہی خیال بازی ہے۔ نماز جو حسنہ اور عین حسنہ ہے اس کا یہ حال یہ صورت ہے تو مال مرتبہ جاہ وعزت طاقت زور راحت و آرام وغیرہ کس شمار و قطار میں آئیں گے۔ ان کے علاوہ اور چیزوں کی نسبت کیا کہا جا سکتا ہے اس سے صرف یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر کوئی چیز ہے تو وہ اللہ کی محبت ہے۔ اللہ کی محبت ایسی محبت ہے جو ازل ابد کے صفات رکھتی ہے۔ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی۔ اس کے ساتھ محبت کرنا ازلی و ابدی کے ساتھ ہو جانا ہے۔ اس لئے ہر سمجھدار تعلیم یافتہ سب سے منہ موڑ کر سب کی طرف پیٹھ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرف رخ کرتا ہے۔ حکیم سنائی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

گرت نزہت ہمی باید بصحرائے قناعت شو — کہ آنجا باغ در باغ است خاں در خاں وو ا درو ا

(اگر خوشی چاہتا ہے تو قناعت کے میدان مرتبہ میں آجا — کہ وہاں باغ میں باغ گھر میں گھر اور کھلے میں کھلا)

در از زحمت ہمی ترسی ز نا اہلاں ببر صحبت — کہ از دام زبوں گیراں بعزلت رستہ شد عنقا

(اور اگر خرابیوں سے ڈرتا ہے تو نااہلوں کی محبت چھوڑ — کیونکہ برے شکاریوں کے جال سے بچنے کے لئے عنقا کنارہ کرلیا)

مرا بارے بحمد للہ ز راہ ہمت و حکمت — بسوئے خطۂ وحدت برد عقل از خط اشیاء

(مجھ کو اللہ کا شکر۔ ہمت و حکمت کے راستے سے — وحدت کے مرتبہ میں۔ کثرت کے مرتبہ سے عقل لے پہنچی)

حکیم سنائی رحمتہ اللہ علیہ یہ فرمارہے ہیں کہ میری حکمت و ہمت کا تقاضا یہ ہوا

کہ میں خداوند تعالیٰ سبحانہٗ کے سوائے کسی کا طالب نہ رہوں۔ اسی کی طلب' اس کی محبت میں اسی کے لئے اپنی عمر صرف کر دوں۔ سمجھو کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ ہماری بات ذہن نشین کرلو۔ نہایت سمجھداری' پورے اہتمام کے ساتھ' سب سے اونچے مرتبہ میں منقش و منثبت (بٹھالو۔ ثابت) کرلو۔ محبت سے بھرا ہوا طالب' مرمٹا ہوا عاشق اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ جو اس کا ہو گیا اس کے دل میں اللہ کی طرف سے القا ہونے لگتا ہے۔ قدوسی سبوحی کا طالب وہ ہوتا ہے جس کا وجود سارے وجودات سے بالکل الگ اور ساری نسبت و اضافت سے پرے ہو وہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ استاد۔ فقیہ۔ واعظ۔ مفسر۔ محدث۔ ناصح۔ سب ہی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے۔ طالب مولیٰ کو نصیحت کیا کرتے ہیں کہ یا ابن نساء الحیض ابن التراب ورب الارباب و ابن الماء والطین من حدیث رب العالمین (اے حیض آنے والی عورت کے بیٹے۔ کہاں مٹی پانی اور کہاں سارے جہان کا پروردگار) تم کیا تمہاری ہستی کیا۔ تم کو دیکھو۔ اس بات کو دیکھو۔ عبُودیت (بندگی) کے دائرہ ہی میں مضبوطی کے ساتھ رہ کر امیدوار رہو گے تو تمہیں نجات مل جائے گی۔ اگر تمہیں بڑے مرتبہ مل جائے۔ جنت میں جانا نصیب ہو جائے تو اسی کو ذلك فضل الله یوتیه من یشاء (یہ ہے اللہ کا فضل وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے) سمجھ لو جب عاشق سالک ان حضرات سے یہ سنتا ہے تو بیچارہ مسکین سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ چپکے چپکے سوچنے لگ جاتا ہے یہی سوچ لگ جاتی ہے کہ نصیحت کرنے والوں نے نصیحت کے کرنے کا جو حق تھا اس کو اچھی طرح سے ادا کیا۔ مجعول (بنایا گیا ہوا) محمول (بوجھ لادا گیا ہوا) تجھ کو اللہ تعالیٰ سے کیا نسبت استغفر اللہ (پناہ مانگتا ہوں اللہ کی) اس سے محبت کیسے ہو سکتی ہے۔ محبت کے لئے ہم جنس (ایک ہی قسم کے) ہونا لازمی وضروری ہے۔ شرط اہم یہی ہے۔ جب یہ نہیں تو

دلا دامن فراہم کن کجا ما و کجا ایشان (اے دل دامن سمیٹ لے ہم کہاں وہ کہاں)

اپنے آپ میں کہنے لگتا ہے کہ دل کو اس سے لوٹا لا۔ نماز' روزہ' تلاوت ہی میں اپنے آپ کو لگائے رکھ۔ پھر وہ جب اپنے آپ میں غور کرتا ہے تو اپنے دل کو اس

کی محبت میں مشغول، اسی میں پھنسا ہوا پاتا ہے تو تنگ آ کر رونے لگتا ہے۔ چیخنے چلانے تڑپنے بلبلانے لگ جاتا ہے۔ اپنے ساتھی، راز دار سے یہ کہتا ہے۔

دل را زعشق چند ملامت کنم کہ ہیچ — ایں بت پرست کہنہ مسلماں نمی شود

(دل کو عشق کے بارے میں جتنا بھی برا بھلا کہوں نہیں مانتا — یہ بت کا پرانا پجاری مسلمان ہی نہیں ہوتا)

یہ رباعی بھی اس کے حسب حال ہو جاتی ہے۔

صوفی شوم و خرقہ کنم فیروزہ — دردے سازم ز درد تو ہر روزہ

(صوفی ہو جاؤں خرقہ نیلا کروں — تیرے درد کی رٹ ہر روز کرنے لگوں)

زنبیلے بدست دیوانہ دہم — تا از در تو درد کند دریوزہ

(دیوانے کے ہاتھ میں جھولی دے دوں — تا کہ تیرے دروازہ سے درد کی بھیک مانگے)

میرے خواجہ قدس سرہ نے "تا از در تو درد کند دریوزہ" کی کئی دفعہ تکرار فرمائی اور فرمایا "تا از در تو درد کند دریوزہ" مشتاق، مبتلا، گرفتار اس شعر کو بار بار اپنے آپ میں دہرایا کرتا ہے۔

محمد را ز حال او چہ پرسی — گرفتارم گرفتارم گرفتار

(محمد سے اس کا حال کیا پوچھتے ہو — گرفتار ہوں گرفتار ہوں گرفتار)

محمد حسینی اپنے آپ سے کہا کرتا تھا کہ ہاں ہاں وہ عزیز بزرگوار میں ہی ہوں۔ والسلام

بارھواں حدیقہ

ارادت و طلب

جب کسی طالب سے پوچھا جائے کہ تم نے اہل تصوف کا راستہ، ان کا طریقہ، ان کی ارادت کیوں اختیار کی۔ ان کے کہنے میں ان کے زیر حکم کیوں آ گئے۔ اپنی جان جہاں (سب کچھ) اور اپنے آپ کو ان کے پاؤں کے تلے کی خاک کیوں بنا لیا۔ اس کے جواب میں ممکن ہے کہ وہ اپنے راز دار دوست سے یہ کہے کہ حق تعالیٰ کی محبت

میرے دل میں القاء ہوئی (ڈالی گئی) حق کے جمال وکمال کے دیدار کا ولولہ میرے دل میں پیدا ہو گیا۔ میں حیران وسراسیمہ (پریشان ومتعجب) رہ گیا۔ بہتیرا چاہا کہ دل کو اس سے لوٹا لاؤں لیکن وہ اس سے باز نہ آیا۔ فقہاء، محدثین، مفسرین سے پوچھا تو وہ سب کے سب انگلی دانتوں میں داب لئے۔ سب نے یہی کہا کہ خبردار ایسی بات زبان پر نہ لانا۔ جب قیامت ہو گی سب جنت میں پہنچ جائیں گے جنت کی ساری نعمتیں پوری ہو جائیں گی تو یہ دولت نصیب ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے جمال لایزال کا مشاہدہ یعنی دیدار اس کا دیکھنا وہاں نصیبؔ ہو گا۔ حقیقی بات یہی ہے۔ برخلاف اس کے تم اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں اور فی الوقت طلب کر رہے ہو یہ محال ہے دنیا میں میسر نہیں ہو سکتی۔ توبہ کرو، استغفار کرتے رہو۔ دنیا میں اس سے ملنے، اس کے دیکھنے کے خطرہ کو دل سے نکال باہر کرو معذرت چاہو۔ معافی مانگو۔ یہ سب کچھ سننے کے باوجود وہ اپنے آپ کو اس بات پر نہ لا سکا۔

فقہاء، محدثین، مفسرین کی تعلیم یہی تھی کہ تم کہاں وہ کہاں۔ توبہ توبہ اُس کے باوجود بھی میں خود کو اسی کا خواہاں اسی کا چاہنے والا، اسی کے لئے اپنے دل کو بے چین مضطرب پایا۔ یہ شعر میرے حسب حال ہو گیا۔

دل را ز عشق چند ملامت کنم کہ ہیچ ۔۔۔ ایں بت پرست کہنہ مسلماں نمی شود

(دل کو عشق کے بارے میں چاہے کتنا ہی برا بھلا کہوں) ۔۔۔ یہ پرانا بت کا پوجنے والا مسلمان نہیں ہوتا)

حیرت ایسے بھنور میں لائی کہ جس کا آگا پیچھا نہ تھا میں اس میں گھر گیا تھا۔ ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے اسی چکر میں تھا کہ یکایک میں نے یہ سنا کہ صوفیاء کا گروہ ہی ایسا گروہ ہے جو اس کا پتہ دیتا ہے۔ یہ ان ہی کے معاملات ہیں وہ اسی قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ اسی کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ ہر وقت یہ دو شعر پڑھا کرتے ہیں۔

انا نکہ ریاضت کش و سجادہ نشیند ۔۔۔ باید کہ خدا را بنمایند و بینند

(وہ جو محنتیں اٹھاتے ہیں مصلی پر بیٹھتے ہیں) ۔۔۔ انہیں لازم ہے کہ وہ خدا کو دکھلائیں دیکھیں)

ور خود نہ نمایند نہ بینند بہ تحقیق ۔۔۔ از اہل سماوات کے ماجوج زمیند

(اپنے میں نہیں دکھلاتے نہ دیکھتے ہیں ۔۔۔ آسمان والے زمین کے فسادی ہیں)

جیسے ہی یہ سنا۔ ان کی بارگاہ عالیہ کی طرف سر کے بل چلتا ہوا پہنچا۔ ان کے آستانہ پر اپنی پیشانی رکھی۔ ان کی دہلیز چومی۔ ان کے قدموں میں خود کو ڈال دیا۔ ان کا ہو گیا تو میرے کانوں میں یہ آواز آئی کہ ان میں کا ایک لَیْسَ فِی جھبتی سواللّٰہ (نہیں ہے میرے شاید میں اللہ کے سوائے) اور ایک انا الحق (میں حق ہوں) اور ایک سُبحانی ما اعظم شانی (میں سبحان (پاک) ہوں میری کیسی بڑی شان ہے) میرے دل نے گواہی دی میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ بات کسی سے اس وقت تک ظاہر نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے دیدار سے نصیبہ نہ پائے۔ بہر حال میں اپنے آپ کو ان کے پاس لے آیا۔ ان کے قدموں سے مشرف کرا کے ان کی سلک میں منسلک ہو گیا۔ جو تعلیم کی، اس کے آثار علامات کھلے اور ظاہر دیکھا۔ اہل تصوف کا راستہ اختیار کرنے کی یہی وجہ ہوئی۔ شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے خود مجھ سے فرمایا۔ ارشاد کیا۔ ہدایت پانے والے کے لئے ہزاروں ایثار ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔ توبہ توبہ یہ محض عقلمندوں کی نہیں طالبوں سمجھداروں کی راہ ہے۔ یہ بڑی قوت ہے۔ ایسی ایسی ہے۔

والسلام

تَمَتُ الرِّسالَة

ترجمہ یازدہ رسائل

رسالۂ پنجم

وجود العاشقین

معروف بہ

رسالہ عشقیہ

تصنیف

قطب الاقطاب سید محمد حسینی گیسودراز خواجہ بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبدالصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم۔

الحمد للّٰہ۔ ایسی تعریف جس کی کوئی انتہا نہیں اور ایسی توصیف کہ وہ شمار میں نہیں آتی، گنی نہیں جا سکتی۔ قادر مطلق، حاکم برحق، عاشقوں کی جان کی جان، ساری دنیا جہان کے صاحب و مالک ہی کے لائق، اسی کو سزاوار ہے۔ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق شناس، محبّ درگاہ، محبوب شہنشاہ، معین العاشقین، مفید المحققین والتابعین المقربین (احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق کے پہچاننے والے، عاشق محبت کرنے والے، اعلیٰ کے اعلیٰ اور بادشاہوں کے بادشاہ کے محبوب۔ عاشقوں کی مدد کرنے والے کہ آپ محققین اور آپ کی پیروی واتباع کرنے والوں کے لئے فائدہ مند) ہیں آپ پر اور آپ کی آل بزرگ پر بے انتہا درود وسلام۔

اما بعد (حمد وثناء کے بعد) عشق کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں اس پاک جان کی جس کی نہایت نہیں۔ چند باتیں ہو اللّٰہ (وہی ہے اللہ) کی عنایت اور حسبی اللّٰہ (بس ہے اللہ) کے اشارت (اشارہ) سے لکھی جاتی ہیں تاکہ محبت والوں کی محبت، دوستی رکھنے والوں کی دوستی زیادہ ہو کر محبت اور دوستی کا انہیں راستہ بتلائے۔ وصول الی اللّٰہ (اللہ تک پہنچنے، اس سے ملنے کی) کی امید۔ لا تقنطوا من رحمة اللّٰہ (اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا) سے ان میں پیدا ہو جائے۔

اے عزیز۔ اچھی طرح سے اس کو سمجھ جاؤ کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ یہی تین ہیں جن کو عاشق۔ عشق۔ معشوق کہتے ہیں۔ اس کے سوا جن کو ہیں کہتے ہیں وہ سب ہیچ بیکار وفضول ہیں، کسی کام کے نہیں۔ یہی ظاہر وظہور، باطن وبطون ہیں۔ ظاہر سے خلق، باطن سے خالق مراد ہے۔ ظاہر وباطن، ذات کے دو مرتبے جو کہے جاتے ہیں، وہ حقیقت

میں ایک ہی مرتبہ ہے۔ جس کے بہت سارے مراتب ہیں سمجھنے کی بات اس قدر ہے کہ احد (ایک) میں جو الف ہے وہ عشق اور حاء عاشق اور دال معشوق کے معنے لئے ہوئے ہے۔ درحقیقت توحید کی جمع میں یہ تینوں ایک ہیں۔ بلاتمثیل ایسے ہی ہیں جیسے دریا۔ اس کی موج' اس کا جھاگ درحقیقت یہ تینوں دریا ہی کے اعتبار ہیں۔ جب کسی پر حقیقت کا دروازہ کھل جاتا ہے تو اس میں "میں" "تو" باقی نہیں رہتا۔ وہ جان لیتا ہے کہ یہ میں اور تو' ایک ہی دم ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ وَمَا اُمِرُذَا اِلَّا وَاحِدَۃً (اور ہم نے امر نہ دیا مگر ایک یعنی ہم نے ایک ہی حکم دیا ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری صفت ایک ہے یعنی "ذات" جو صفت میں آ سکتی صفت لے سکتی' صفت ہو سکتی ہے "وہ ایک ہے۔ ایک سے زیادہ نہیں" نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ العشق ناراً اذا یقع یحرق ماسوی المحبوب (عشق ایک آگ ہے جب وہ ڈالی جاتی ہے تو محبوب کے سوائے سب کو جلا ڈالتی ہے) یعنی محبوب کے سوائے جو کچھ ہو اس کو نیست و نابود کر دیتی ہے کسی کو رہنے نہیں دیتی۔ عشق ہی رہ جاتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

جہاں عشق است دیگر زرق سازی ہمہ بازیست الا عشق بازی

(دنیا جہان عشق ہے دوسری باتیں دھوکہ سب کھیل کھلونے ہیں کام کی چیز عشق ہی ہے)

جب یہ آگ ہاتھ آ جاتی ہے تو تن کی لکڑی جل جاتی ہے۔ تم تم نہیں رہتے۔ عشق ہی عشق رہ جاتا ہے۔ تم نہیں جانتے عشق ہی جانتا ہے۔ تم اپنے آپ کو ہار دیتے ہو۔ اپنی خودی سے آپ ہی چھٹکارا پا جاتے ہو۔ آب و گل (مٹی پانی سے یعنی بدن کی آلائش (جسم وجسمانیت) سے دونوں ہی (عشق اور دل) پاک ہیں۔ مطلب یہ کہ عشق جہاں کہیں سر اٹھاتا ہے۔ اپنی آنکھیں آپ ہی ملتا ہے۔ اپنے میں آپ ہی ہمیشہ روتا رہتا ہے۔

مجنون عشق را دگر امروز حالت است کہ اسلام عشق لیلیٰ و دیگر ضلالت است

(عشق کے مارے ہوئے کی آج اور ہی حالت ہے لیلیٰ کا عشق اس کا اسلام اس کے سوائے سب کچھ گمراہی ہے)

سچ ہے مجنوں کا بھید مجنوں جانے یعنی دیوانہ کا راز دیوانہ ہی جانتا ہے۔ عقلمند

کی یہاں رسائی نہیں اس کی عقل یہاں کام نہیں کرتی۔

عشق میں تین حرف ع ش ق ہیں۔ ع سے عقل کی نفی (دور کرنا۔ دور ہونا) یعنی عقل سے ہاتھ دھونا۔ ش سے شرم شرک کی نفی (حیا اور دوٹھہرانے کو مٹا دینا) ق سے جسم و جسمانیت کی نفی (ہونے کے توہم کا ملیامیٹ کر دینا) تین کی نفی کا مطلب یہ ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب عشق آ جاتا ہے تو تینوں کی نفی ہو جاتی ہے ان کو فراموش کرا دینا' بھلا دینا' ہیچ کر دیتا ہے' چنانچہ اسی کو عاشق ہادی شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

چو عشق آمد از عقل دیگر مگوے — کہ در دست چوگان اسیر است گوے

(جب عشق آ گیا تو پھر عقل کی باتیں نہ کیا کرو — کیونکہ گیند بلے کے اختیار و قابو میں آ گئی ہے)

عشق کے مراتب پانچ بیان کئے گئے ہیں۔ پہلے مرتبہ کو شریعت یعنی محبوب کے جمال کا شوق پیدا ہونے کے لئے خبر کا سننا۔ دوسرے مرتبہ کو طریقت یعنی محبوب کا طالب ہو جانا۔ معشوق کی پے میں لگ جانا۔ طلب کا راستہ طے کرنا۔ تیسرے مرتبہ کو حقیقت یعنی محبوب کے حسن اس کی حضوری میں ہمیشہ رہنا۔ چوتھے مرتبہ کو معرفت یعنی اپنی مراد (مطلب۔ آرزو۔ خواہش) کو محبوب کی مراد میں محو و گم کر دینا۔ مٹ جانا خود ملیامیٹ ہو جانا۔ پانچویں مرتبہ کو وحدت یعنی اس میں فنا ہونے والے وجود کے ظاہر و باطن کو توڑ کر نابود کر دینا۔ محبوب ہی کو ظاہر و باطن میں موجود مطلق رکھنا۔

یہ پانچ مراتب جن کو مقام بھی کہتے ہیں۔ اس مقام کے پانچ ملحد ہوتے ہیں۔

ملحد شریعت اس کو کہتے ہیں جو شرع شریف کے خلاف کام کرتا ہو خود کو محقق جانتا ہے۔

ملحد طریقت وہ ہے جو گزر بسر کی خاطر پیسہ ٹکا حاصل کرنے کے لئے مخلوق کی خدمت کیا کرتا۔ اپنے آپ میں رہا کرتا ہے۔

ملحد حقیقت وہ ہے کہ جو خود کو فقیر کہتا ہے۔ کہلاتا ہے۔ غیروں کی خوشامد کرتا ہے۔

ملحد معرفت وہ ہے جو خود کو عارف جانتا ہے غیر بین (دوسرے کا دیکھنے والا)

ہوتا ہے غیر و غیریت "میں۔تو" سے نہیں نکلتا۔

ملحد وحدت وہ ہے کہ اس کو حاضر جانتا' پاتا ہے۔ ہاتھ اٹھا کر عرش پر نظر رکھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا مدد و امداد کا طالب ہوتا ہے۔

جب کوئی اس الحاد سے گزر جاتا ہے' ان ملحدوں کو مار لیتا ہے تو اس مرتبہ کا کمال پورا ہونے سے انتہائے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ محبوب ہی محبوب۔ عشق ہی عشق ہو کر رہ جاتا ہے۔ عشق و معشوق کی موج' عشق کے دریا میں لاپتہ ہو جاتی ہے۔ یعنی عاشق معشوق عشق میں ڈوب جاتے ہیں۔ ایک بزرگ کا فرمان ہے کہ الوجود بین العشقین کا الطھر بین الدمین (وجود دو عشق کے درمیان ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ مدت حیض جو دو حیض کے درمیان میں ہوتی ہے۔ اس کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ وجود عشق کے دو مراتب کے بیچوں بیچ ہے۔ ابتداء میں بھی عشق ہے۔ انتہا میں بھی عشق ہے۔ یعنی عشق ہی عشق ہے جو ہمیشہ رہتا ہے۔ اتنا سمجھ لو کہ وجود عشق کے سوا نہیں یعنی وجود ہی عشق ہے۔ عشق ہی وجود ہے۔ 'وجود میں عشق ہی ہے" کوئی عشق کے بغیرہ رہ نہیں سکتا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اول آخر ظاہر باطن عشق ہی ہے۔ جو کچھ ہے عشق ہے۔

چیست آدم چیست حوا عشق بس   گرچہ آیند صد ہزاراں پیش و پس

(آدم' حوا کیا ہیں عشق ہی تو ہیں   اگر ہزار ہا ایک کے بعد ایک آئیں)

تم نے عشق کی بنیاد سن لی۔ اب ذرا کان لگا کر عشق کے کمالات بھی سن لو۔ ان کو اچھی طرح سے سمجھ لو۔ عشق وہ تخم (بیج) ہے جس سے ایک درخت پیدا (ظاہر) ہوا اسی کو وجود جانتے اور جسم کہتے اور تن بولتے ہیں۔ اسی درخت وجود کی پانچ اصل (جڑیں) ہیں۔ جن کو عقل۔ وہم۔ روح۔ علم اور جان بولتے ہیں۔ حقیقت بھی کہتے ہیں۔ ان پانچ میں سے ہر ایک میں سے پانچ شاخ (ڈالیاں) نکلی ہیں۔ عقل سے بینائی (دیکھنے کی قوت) وہم سے شنوائی (سننے کی قوت) روح سے گویائی (بات کہنے۔ کرنے کی قوت) علم سے دانائی (سمجھنے کی قوت) جان سے توانائی (طاقت قوت) ان پانچ ڈالیوں میں سے پانچ پتے نکلے' بینائی سے حرص (لالچ) شنوائی سے کینہ (دل کا کھوٹ)

گویائی سے غضب (غصہ) توانائی سے حسد (ڈاہ) دانائی سے کبر (بڑا پن اکڑ) ان پانچوں کو نفس اور ان پانچوں کو دل کہتے ہیں مرتبہ ذات میں یہ ایک ہیں اسی کو شریعت کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

نفس و روح و عقل و دل جملہ یکسیت — مرد معنی را دریں رہ کے شک ایست

(نفس روح عقل دل سب ایک ہیں — معنی کے جاننے والے کو اس میں کب شک ہے)

تم نے جڑ۔ ڈالی۔ پتہ کو سن لیا بلکہ پا لیا۔ اب پھول اور میوہ کو بھی سن لو۔ اس کے پھول بھی پانچ ہیں۔ طاعت۔ زہد۔ تلاوت۔ قناعت اور سخاوت۔ مجموعی طور سے اسی کو طریقت کہتے ہیں۔

اے عزیز۔ میوے بھی پانچ ہیں۔ شفقت۔ محبت۔ رحمت۔ برکت۔ ہمت۔ جن کو مجموعی طور سے حقیقت کہتے ہیں۔ یہ پانچوں مرتبہ عشق میں، معنی عشق میں ایک ہی ہیں۔ جس کو معرفت کہتے ہیں۔ یہ بھی سن لو کہ میوے میں جو تخم ہے اس کو وحدت کہتے ہیں کہ ابتداء بھی تخم اور انتہا میں بھی تخم ہی ہے۔ اسی کو عشق کہتے ہیں۔ **العشق ھُو اللّٰہ** (عشق وہ اللہ ہی ہے) کہ جس سے سب ظاہر ہوئے ظہور میں آئے ہیں۔ یوں سمجھو کہ وہی وہ ہے جو اس طرح سے اپنے آپ کو جلوہ دیا ہے۔ وہی دائم قائم یعنی ہمیشہ قائم و برقرار ہے۔

اے عزیز۔ تم نے جڑ۔ ڈالیاں۔ پتے پھول۔ پھل کو سن لیا۔ جڑ پیڑ کے ساتھ ڈالی، ڈالی کے ساتھ پتے، پتے کے ساتھ پھول، پھول کے ساتھ پھل اور پھل کے ساتھ تخم کو پا لیا یعنی شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ معرفت۔ وحدت کو سن کر سمجھ لیا۔ اب دل کی گہرائیوں کے ساتھ یہ بھی سن لو کہ وجود کے درخت کی چار طبیعتیں ہیں۔ جن کو حرارت۔ رطوبت۔ برودت۔ یبوست (گرمی۔ سردی۔ تری۔ خشکی) کہتے ہیں اس کے علاوہ چار عناصر۔ آتش۔ باد۔ آب۔ خاک (آگ۔ ہوا۔ پانی۔ مٹی) بھی بتلاتے ہیں۔ یہ آٹھ حقیقتاً چار ہی ہیں۔ یہ بھی سن لو کہ درخت وجود کے باہر جو کچھ ہے وہ عدم کا درخت ہے۔ جو کچھ ہیں یہی چار ہیں۔ جب تم نے اس کو سن لیا سمجھ لیا تو یہ بھی سن لو سمجھ لو کہ اس

درخت کی جنبش (ہلنا۔ حرکت) شہوت کے لئے۔ قال (کہنا) اس درخت کا خیال وصال (ملنے کی دھن) کی استواری کے لئے۔ حیات (زندگی جینا) اس درخت کی بیداری اور ہوش میں رہنا ہے۔ موت اس درخت کی خواب (نیند) فراموشی (بھول) ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ النوم اخ الموت (نیند موت کی بہن ہے) تم نے اس درخت کا رہنا بسنا جینا مرنا سن لیا تو یہ بھی سن لو کہ اس درخت کی نہا (اصلیت) کیا ہے۔ کس زمین میں یہ درخت اُگا ہے۔

اے عزیز اس درخت کی جڑیں فنا کی زمین میں ہیں۔ جس کو بقا۔ وجہ اللہ' حرم اللہ' دار اللہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کل من علیها فان ویبقیٰ وجه ربك ذوالجلال والاکرام (جو کچھ اس پر ہے وہ فنا ہونے والی مٹ جانے والی ہے اور باقی رہنے والی ذات ذوالجلال والاکرام ہی کی ہے) یہ سمجھ جاؤ کہ فنا بقا ہی میں ہے۔ اس درخت کے اندر باہر کو بقا گھیرے ہوئے ہے اس کے ظاہر و باطن سے مل گئی ہے۔ درخت کی عین ہو کر اس طرح ایک ہو گئی ہے کہ دوئی باقی ہی نہ رہی۔ اس درخت میں جو کچھ ہے وہ بقا ہی بقا ہے اسی کو عشق کہتے ہیں۔ یہ عشق لاحد ولا نہایت لا مثل ولا غایت (جس کی کوئی حد نہایت مثل غایت نہیں۔ "حد" انتہا۔ کنارہ۔ فاصلہ دو چیز کا۔ تعریف کسی چیز کی اس کی ذاتیات سے کرنا۔ "نہایت" انتہا۔ انجام۔ مثل و مانند جو سب صفتوں میں برابر ہو۔ مساوی ہو۔ "غایت" آخر۔ غرض۔ مطلب۔ کسی چیز کی انتہا ہے۔ سینکڑوں شکلیں' ہزاروں صورتیں' بے شمار رنگ بے انتہا خوشبو رکھتے ہوئے بھی وحدہ لاشریك له (ایک ہے کوئی اس کا ساجھی و شریک نہیں) جب تم یہ سن چکے تو اس کے کمالات بھی ہوش کے ساتھ سن لو سمجھ لو۔

معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکست اینجا   چوں وصل در نگنجد ہجراں چہ کار دارد

(معشوق عشق و عاشق تینوں یہاں ایک ہیں   جب ملنے ہی کی گنجائش نہ ہو تو دوری جدائی کا کیا سوال)

اے عزیز۔ یہ درخت' جو اپنے آپ سے آپ ہے وہ تمہارا ہی وجود۔ تمہاری ہی ہستی ہے۔ جس کی شکل و صورت تمہارے ہی افعال و اوصاف (کام خوبیاں) ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان اللّٰہ خلق اٰدم علیٰ صورتہ (البتہ اللہ نے پیدا کیا آدم کو اپنی صورت پر) ایّ علیٰ صورۃ الرحمٰن (بلکہ رحمٰن کی صورت پر) اس سے سمجھ جاؤ کہ تم ہی ہو کہ عین بقا۔ عین عشق۔ مطلق۔ مقید ہو۔ یہ سب شاہ عشق رضوان اللہ تعالیٰ ہی کا ظہور ہے۔ اللہ کی ذات روح ہے مطلق ہے۔ تم ہی تم ہو۔ تمہارے سوا اور کوئی نہیں۔ تم نے خود کو خود ہی چھوڑ رکھا ہے۔ کسی طرح کی کوئی دوئی جدائی نہیں۔ سمجھنے کی بات یہی ہے کہ تم اسی سے ہو۔

وجودے ندارد کسے جز خدا ہماں بودہ باشد ہمیشہ بجا
(خدا کے سوائے کوئی وجود نہیں رکھتا وہی تھا' ہے اور رہے گا

جب تم نے اپنے نفس یعنی اپنے آپ کو پہچان لیا۔ اپنی حقیقت کو پالیا تو عین بقا ہو گئے۔ نبی کریم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مَنْ عرف نفسہ بالعجز والفناء فقد عرف ربہ بالقدر والبقاء (جس نے پہچانا اپنے نفس کو عجز وفنا سے پس پہچان لیا اس نے اپنے رب کو قدر و بقا سے (عزت بزرگی اندازہ عظمت کے ساتھ) جب کوئی اپنے نفس کو پہچان لیا وہ بقا پا گیا۔ جیسے ہی فانی فی اللّٰہ (اللہ میں مٹ گیا فنا ہو گیا) ہوا۔ باقی باللّٰہ (اللہ سے باقی) ہو گیا۔ چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

ہر چند کہ پر دردی کہ محرم ما گردی فانی شو فانی شو تا محرم ما گردی
(اگرچہ درد سے بھرا ہوا ہے تا کہ ہمارا محرم ہو جائے فنا ہو جا فنا ہو جا تا کہ ہمارا محرم ہو جائے)

بیان کرتے ہیں کہ ایک درویش سے یہ کہا گیا کہ جرد جرد (مجرد ہو جا۔ مجرد ہو جا یعنی اکیلا۔ تنہا۔ دنیا کا چھوڑنے والا ہو جا) یہ آواز سنتے ہی اس کے بدن کے تمام بال جھڑ گئے۔ سچ ہے۔ مقام حیرت۔ بہترین مقام ہے کہ جہاں درویش مقام حیرت محمود میں رہے۔ حدیث میں ہے کہ الحادث اذا قرن بالقدیم لیست لہ اثر (جب نو پیدا قدیم سے مل جاتا ہے تو اس کا اپنا کوئی اثر نہیں رہتا یعنی وہ وہ نہیں رہتا) نمک کو پانی میں ڈالتے ہی وہ پانی پانی ہو جاتا ہے۔ اس کا کوئی نشان نہیں پایا جاتا' اسی طرح جب تم نہ رہے تو عشق رہ جاتا ہے۔ تم نہ جانو تو عشق جانتا ہے۔

دریائے کہن چو بزند موج نو | موجش خوانند در حقیقت دریا است
(پرانا دریا جب موج مارتا ہے | تو اس کو موج کہتے ہیں وہ حقیقت میں دریا ہے)

یہی وہ ہے جس میں سب گم ہو جاتے ہیں۔ گفتگو جستجو (بات چیت۔ تلاش۔ ڈھونڈا ڈھونڈی) نہیں رہتی۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ من عرف اللّٰہ کلّ لسانہ (اللہ کو جس نے پہچان لیا۔ اس کی زبان بند ہو گئی) عاشق ہادی شیخ سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔ ؎

چو بلبل روئے گل بیند و بالش در نوا آید | مرا از دیدن رویت فروبست است گویائی
(بلبل جب پھول کا چہرہ دیکھتا ہے تو اس کی زبان چلنے لگتی ہے وہ چہچہانے لگ جاتی ہے | مجھ کو تیرے چہرہ کے دیکھنے سے چپ لگ جاتی ہے زبان بند ہو جاتی ہے)

یہ بھی سمجھ لو کہ یہاں دوست کے شوق میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ شوق کے کمال کے اعتبار سے ٹھیک ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ من عرف اللّٰہ طال لسانہ (اللہ کو جو پہچان لیتا ہے اس کی زبان بڑھ جاتی یعنی کھل جاتی ہے) یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ عام قاعدہ یہی ہے کہ جب باد صبا (تیز ہوا) چلتی ہے تو جو کچھ بند تھے یا ہوتے ہیں وہ کھل جاتے کھول دیئے جاتے ہیں تو یہ شعر زبان پر آ جاتا ہے۔ ؎

عجبے نیست کہ سرگشتہ بود طالب دوست | عجب این است کہ من واصل و سرگردانم
(دوست کا طالب پریشان سرگرداں ہو جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں | تعجب کی بات تو یہ ہے کہ میں ملا ہوا ہوتے ہوئے بھی آوارہ و پریشان ہوں)

جب تم نے یہ سب کچھ پورے طور سے سمجھ لیا تو باضابطہ و باہوش رہو۔ ان کو نگاہ میں رکھو۔

اے عزیز۔ تمہارے وجود میں تین مقام ہیں۔ اعلیٰ۔ اوسط اسفل (اونچا بیچ کا۔ نیچا) نچلے درجہ میں ہونے سے ناف کو نفس کہتے ہیں۔ اس کا تعلق دوزخ سے ہے۔ دیو۔ پری۔ سانپ۔ بچھو۔ گرمی۔ سردی۔ وہ ساری چیزیں جو دوزخ کے لوازمات و متعلقات ہیں۔ وہ اسی میں ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ابلیس کا یعنی نفس کا ظہور ہے۔

مقام اوسط میں ہونے سے دل کو قلب کہتے ہیں۔ اس کا تعلق جنت سے ہے۔ یعنی جنت کے میدان۔ محلات۔ حور۔ قصور۔ پھل۔ پھول۔ باغ۔ کیاریاں۔ ناز و نعمت کے وہ سارے ساز و سامان جو اس کے لوازمات ہیں وہ اسی مقام میں ہیں۔ شاہ عشق کا اس مرتبہ و مقام میں احمد و محمد کے نام سے ظہور ہے۔ مقام اعلیٰ میں ہونے سے جان کو روح کہتے ہیں۔ اس کا تعلق حق سے ہے۔ یہی احد ہے۔ یعنی اس مقام میں فرشتے۔ عرش۔ کرسی۔ لوح و قلم۔ آسمان۔ آفتاب۔ چاند۔ ستارے اور جو کچھ کہ لوازمہ نور حق ہیں وہ سب اسی مقام میں ہیں۔ یہاں شاہ عشق کا اللہ کے وصف سے یعنی روح الروح سے ظہور ہے۔ یہ عشق کے میوے اس کے درخت کا کمال بلکہ عشق کا وصف ہے بلکہ وہ وہی ہے جو اس طرح سے ظہور کیا ظاہر ہوا ہے۔ سچ ہے۔ ہر مقام میں اس کا نام کچھ اور ہی ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اَنَاُ فی ورای العرش احد و فی السماء احمد و فی الارض محمد و فی تحت الثرائی محمود (میں عرش کے پرے احد۔ آسمانوں میں احمد۔ زمین میں محمد۔ زمین کے سب سے نچلے حصہ میں محمود ہوں) ہر مقام میں کچھ اور ہی نام ہے۔ یعنی وہی وہ ہے کہ احد احمد محمد محمود نام پایا۔ جب تم نے اس مقام کو اس کے کمال کو اس کے اتمام (پورے ہونے) کو اچھی طرح سے سن سمجھ لیا تو یہ بھی سن لو کہ آدم عالم (انسان ساری کائنات) سب عشق ہی ہے کہ وہ قِدم (پرانا۔ قدیم۔ قدامت) اول آخر (اگلا پچھلا۔ پہلا دوسرا) نہیں رکھتا۔

ایں جہاں صورت است و معنی دوست	وز بہ معنی نظر کنی ہمہ اوست
(یہ دنیا صورت اور دوست معنی ہے	اگر معنی میں نظر کریں تو سب وہی وہ ہے)
نقشے نمودم من عیاں در صورت انسان نہاں	ظاہر مکن باکس مگو خوش خوش بیا بر دار ما
(ایک نقش ظاہر میں انسان کی صورت میں چھپا ہوا دکھلا دیا	ظاہر نہ کر کسی سے نہ کہہ ہنسی خوشی سے ہمارے دروازے پر آ)

یہ بھی سمجھ لو کہ وہ آیا ہے نہ جائے گا۔ دائم قائم (ہمیشہ برقرار) ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لم یلد ولم یولد ای لم یخلق ولم یخلق (نہ پیدا ہوا۔ نہ پیدا کیا گیا بلکہ نہ بنا نہ بنایا گیا) ہو ہو ہو (وہ وہی وہ ہے) یہ جو سمجھ گیا وہ سب کچھ سمجھ گیا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ۔

عشق سلطان است در ہر دو جہاں عقل را مدخل نباشد اندراں

(عشق دونوں جہاں کا بادشاہ ہے عقل کی وہاں رسائی نہیں، عقل کا دخل نہیں)

بات یہ ہے کہ یہ دریا ایسا بھیانک ہے کہ جس کی تہہ نہیں ملتی کنارا ہاتھ نہیں آتا۔ اس کو جیسا کہ وہ ہے کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ بیان میں نہیں آ سکتا۔ اگر تم سے سوال ہو کہ ھی ھی تو مونث کی ضمیر عورت کے لئے بولی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ کس طرح ٹھیک ہو سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی تجلیاں حضرت خواجہ عالم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر معراج کی رات میں صورت مونث ہی میں ہوئیں۔ یوں بھی ذات کو مونث جانتے ہیں۔ اس لئے آپ نے ضمیر مونث استعمال فرمائی۔

اے عزیز۔ اس پر بھی ذرا غور کر لو کہ تمہارا رہنا بسنا کس میں ہے۔ تم کس میں ہو محبت کی محبت میں۔ اسی محبت میں تمہیں رہنا بسنا ہے اسی کو عشق کہتے ہیں۔ محبت سے دور اس سے الگ رہنے کی کوئی صورت نہیں۔ رہ بھی نہیں سکتے۔ جس کسی سے تم محبت کرتے ہو۔ دوست بناتے یا دوست رکھتے ہو۔ محبوب جانتے سمجھتے ہو۔ جس کسی طرف توجہ یا رخ کرتے رہو۔ وہ تم ہی تو ہو۔ تم نے اپنے آپ کو دوست رکھا محبوب بنایا۔ جو چیز تم دیکھتے ہو یا جس چیز سے تم محبت رکھتے ہو۔ وہ تم ہی تو ہو۔ حضرت نبی کریم افضل الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ رائت ربی بربی (دیکھا میں نے اپنے پروردگار کو اپنے پروردگار سے) یہ بھی فرمایا کہ ما رائت شیئاً الا رأیت اللّٰہ فیہ (نہیں دیکھی میں نے کوئی چیز مگر دیکھا میں نے اللہ کو اس میں) یہ بھی فرماتے ہیں۔ رائت ربی فی لیلۃ المعراج فی احسن صورۃ امرد شاب قطط (دیکھا میں نے معراج کی رات میں اپنے پروردگار کو اچھی صورت میں گھنگھر والے بال والا)

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدائے عزوجل کو اپنے آپ ہی میں دیکھا۔ اس کی سند و دلیل آیت کریمہ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ (میں تمہارے نفس تمہاری

حقیقت میں ہوں پھر بھی تم مجھ کو دیکھ نہیں پاتے) ہے۔ اللہ تعالیٰ سبحانہ فرماتا ہے کہ میں تم میں ہوں۔ تمہاری حقیقت تمہاری ذات میں ہوں۔ میں ایسا ہوں اس کے باوجود ابھی تم مجھ کو دیکھ نہیں پاتے۔ ایک قول ہے کہ نہیں دیکھا میں کسی چیز کو مگر دیکھا میں اللہ کو اس میں وہ بھی اسی کی شہادت ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ انا واللہ فی الوحدت واحد (میں اور اللہ تعالیٰ یکتائی میں ایک ہیں) بھی اس کی بہترین دلیل وسند ہے۔ کسی بزرگ نے یہ فرمایا ہے۔

احمد است این جا احد اے مرد کار ‏ ‏ دائماً با عشق باشد بے قرار
(اے کام کے آدمی احمد ہی یہاں احد ہے ‏ ‏ ہمیشہ عشق سے بے چین بے قرار رہتے ہیں)

اے عزیز۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ وہی وہ ہے۔ جو ہمیشہ اپنی دیکھ بھال میں آپ ہی ہے۔ اپنا آپ ہی دیکھنے والا ہے۔ اسی بارے میں ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

اے۔ خدا چوں توئی غم و شادی ‏ ‏ تہمت ما و تو چہ بنہادی
(اے پروردگار جب رنج وخوشی تو ہے ‏ ‏ یہ میں تو کی تہمت کیوں لگا دیا)
ہم تو لیلیٰ و ہم تو مجنونی ‏ ‏ ہم تو شیریں و ہم تو فرہادی
(لیلیٰ بھی تو ہے مجنوں بھی تو ہے ‏ ‏ شیریں بھی تو ہے فرہاد بھی تو ہے)

ایک اور بزرگ یہ فرماتے ہیں۔

خدا بود عاشق بخود اے گدا ‏ ‏ جہاں کردہ آئینہ و خودنما
(اے مانگنے والے! خدا اپنے آپ پر آپ عاشق تھا ‏ ‏ اس نے جہان کو اپنے آپ کو دکھانے والا آئینہ بنایا)
تماشائے خود را بخود وا نمود ‏ ‏ ہموں عاشق و عشق و معشوق بود
(اپنا تماشا اپنے آپ کو آپ ہی دکھلایا ‏ ‏ وہی عاشق وہی عشق وہی معشوق تھا)

تم نے محبت کو بھی سن لیا۔ جیسا کہ پانا تھا پالیا۔ یہ بھی سن لو۔ اس کو بھی سمجھ لو کہ محبت ہی کو آب حیات (زندگی کا پانی) کہتے ہیں۔ یہ ظلمات (اندھیرے) میں یعنی آنکھ میں ہے۔ آنکھ ہی سے محبت ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے پہلے آنکھ ہی کو پہچان لو کہ وہ کیا ہے۔ کون ہے سنو۔ تمہارے وجود کا صاحب (حاکم۔ مالک۔ ساتھی) تمہارے جسم

(تن) کا مالک (متصرف) تخم اول (پہلا بیج) ہی تو ہے۔ سب کا ظہور اسی سے ہوا ہے۔ خواجہ عبداللہ انصاری رحمتہ اللہ علیہ اپنی مناجات میں فرماتے ہیں کہ الٰہی اپنی ہستی وجود پر کیا ناز کروں۔ مجھ کو وہ آنکھ دے جو تیری جنت نگاہ ہو اس کو آنکھوں میں ہمیشہ قائم اور دائم برقرار رکھ۔ جس کو اپنی آنکھوں کی جنت نگاہ بنالوں۔ جو ہمیشہ رہے۔ اپنے آپ کو آپ ہی اپنے آپ سے دیکھ۔ اپنے آپ کو اپنے تفویض و سپرد کر دے۔ اپنے آپ کو اپنا بنا لے۔ کسی بزرگ نے یہ فرمایا کہ ؎

چشمے دارم ہمہ پراز صورت دوست
(میں وہ آنکھ رکھتا ہوں جو دوست کی صورت سے بھرپور ہے

تا دیدہ مرا خوش است چوں دوست دراوست
میری آنکھ مجھ کو اس لے عزیز ہے کہ دوست اس میں ہے)

از دیدہ و دوست فرق کردن نہ نکوست
(آنکھ اور دوست میں تمیز کرنا جدا سمجھنا اچھا نہیں

یا اوست بجائے دیدہ یا دیدہ ہم اوست
یا وہی آنکھ کے بجائے ہے یا آنکھ ہی وہ ہے)

اے دوست ترا بہر مکاں می جستم
(اے دوست میں نے تجھ کو ہر جگہ ڈھونڈا

ہر دم خبرت ز این و آن می جستم
ہر وقت تیری خبر اس سے اس سے پوچھا)

دیدم بہ تو خویش را تو خود من بودی
(تجھ کو میں نے اپنے آپ میں دیکھا کہ تو میں ہی تھا

خجلت زدہ ام کز تو نشان می جستم
شرمندہ ہوں کہ تیرا پتہ پوچھتا پھرتا رہا تو مجھ ہی میں تھا)

جب تم نے آنکھ کی خوبی سن لی آب (پانی) کو سمجھ گئے تو یہ سن لو کہ جس کو نور کہتے ہیں وہ درحقیقت ہوا ہے جس کو عربی میں ریح کہتے ہیں۔ روح بھی بولتے ہیں۔ چنانچہ الارواح مرکب من ریح (ارواح یعنی جانیں ترکیب دی گئیں۔ بنائی گئی ہیں، ہوا سے) اس کا مطلب یہ ہوا کہ دم قدم سے مل گیا ایک ہوگیا جیسے پھول میں خوشبو دودھ میں مکھن۔

اے عزیز۔[۱] بلا تمثیل یہ سمجھ لو کہ اللہ کے ساتھ بندہ۔ بندہ کے ساتھ اللہ۔ ایسا ہی ہے جیسے دودھ مکھن۔ یہ سب کچھ دودھ مکھن ہی تو ہے۔ تم دیکھتے نہیں۔ دم ہی کو روح کہتے ہیں۔ نور بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ اپنے آپ کو آسمانوں اور زمین کا نور ہوں فرمایا ہے۔ نور اور روح ہی کے ذرہ کو عبارت و اشارت میں لایا گیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے

---

[۱] بندہ با حق ہم چو شیر و روغن است آمیختہ   ایں ہمہ شیر است و روغن ہم توئی لا یبصرون

کہ وہ حقیقتاً کوئی نام ونشان (اتہ پتہ) حد وحصر (کنارہ۔ گنتی) نہیں رکھتا۔ وہ ایسی ذات ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ختم ہی نہیں ہوتی۔ ایک دریا ہے جس کا نہ کنارا دکھائی دیتا ہے نہ تہہ ملتی ہے۔ ذات کا نور ہمیشہ اپنی تجلی میں آپ ہے کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا۔

بے نشاں شو از رہ نام و نشان   تا جمال خویش را بینی عیاں
(اتہ پتہ سے لاپتہ ہو جا   تا کہ اپنے جمال کو کھلے طور سے کھلا دیکھے)

چنانچہ فرماتے ہیں۔

پس کلامی تا ہمین ست جملہ عالم خاک و باد   ظاہرا صورت چہ بینی ہر چہ بینی یاد باد
(گفتگو یہیں تک ہے کہ سارا عالم مٹی اور ہوا ہے   ظاہری صورت کو کیا دیکھتا ہے جو کچھ تو نے دیکھا وہ تجھ کو یاد رہے)

جب تم نے یہ سنا اور سمجھ گئے کہ یہی دم قدم ہے یعنی دم ہی ہے جو قدم سے ملا ہوا ہے اب ہوش کے ساتھ سنو اور سمجھو کہ روح۔ ریح۔ خدا۔ رسول۔ نام دیتے ہیں۔ ظلمت و نور (اندھیرا۔ اجالا) جانتے ہیں۔ حضرت جبرائیل' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل کہتے ہیں۔ جنت۔ دوزخ۔ آسمان۔ زمین۔ سورج۔ چاند۔ رات۔ دن۔ جنات۔ انسان۔ جاندار۔ پرند۔ کفر۔ اسلام۔ دین۔ دنیا۔ کعبہ۔ بت خانہ کہا کرتے ہیں۔

مسجد و دیر توئی کعبہ و بت خانہ یکیست   ہر کجا گوش نہادم ہمہ غو غائے تو بود
(مسجد مندر تو ہے کعبہ بت خانہ ایک ہے   جہاں کہیں کان لگایا تیری ہی چیخ پکار تھی)

جو کچھ کہا گیا۔ وہ حقیقتاً عشق کی حقیقت کا بیان ہے۔ وہ خود بخود اپنے آپ سے آپ ہی ایسا ہے۔ وہی وہ ہے جو ظاہر ہے۔ وہی وہ ہے جو باطن ہے۔ جو ہونا چاہتا ہے۔ ہوتا ہے۔ جو کرنا چاہتا ہے کرتا ہے۔ واللّٰہ علیٰ کل شئیٍ قدیر (اور اللہ سب چیزوں پر قادر ہے) عشق کے بارے میں کہا گیا ہے کہ۔

عشق مشاطہ ایست رنگ آمیز   کہ حقیقت کند برنگ مجاز
(عشق ایک بہروپیا دلال ہے   جو حقیقت کو مجاز کا رنگ دے دیتا ہے)

عشق می بازد خدا با خویشتن   شد بہانہ درمیان مرد و زن
(خدا اپنے آپ سے آپ عشق کرتا ہے   عورت و مرد میں بہانہ ہو گیا)

یہ مثنوی عشق کے بارے میں لکھی جا رہی ہے۔ تا کہ عشق کو سمجھ سکیں کہ اس کو پا سکیں۔

عشق گوھر بے بہا و بے نشان
(عشق لاقیمت موتی ہے لاجواب جوہر ہے لاپتہ ہے
بہر عشقش ہر دمے تو جان فشان
اس کے عشق کے لئے تو ہر وقت جان لڑا)

عشق پنج و ہفت باشد عشق چار
(عشق پانچ، سات اور چار ہے
عشق نور و عشق نار و عشق دار
عشق نور، نار (آگ) اور سولی ہے)

عشق باد و عشق آتش آب و خاک
(عشق ہوا آگ پانی۔ مٹی ہے
در حقیقت عشق باشد جان پاک
حقیقت میں عشق پاک جان ہے)

عشق اول عشق آخر جاوداں
(عشق پہلا پچھلا ہمیشہ کا ہے
با خودی خود عشق بازد درمیاں
اپنے آپ سے آپ ہی عشق کرتا ہے)

عشق شاہ و عشق ماہ و عشق راہ
(عشق بادشاہ عشق چاند اور عشق راستہ
برسر خود عشق پوشد صد کلاہ
عشق اپنے سر پر سو تاج پہنتا ہے)

عشق عرش و عشق کرسی رازداں
(عشق عرش عشق کرسی راز سمجھ
ہم قلم ہم لوح محفوظ است داں
عشق قلم ہے لوح محفوظ ہے سمجھ جا)

عشق شمس و ہم سماء و ہم زمیں
(عشق سورج بھی آسمان بھی زمین بھی
ہم فرشتہ در شمار و در مکیں
عشق فرشتہ بھی شمار میں بھی گھر والے میں بھی)

عشق روشن ہم نجوم و ہم بروج
(عشق روشنی بھی ہے تارے اور برج بھی
با خودی خود نزول و ہم عروج
اپنے آپ میں آپ ہی اترتا چڑھتا ہے)

عشق بیخ و عشق شاخ و عشق گل
(عشق جڑ اور عشق ڈالی اور عشق پھول
عشق میوہ عشق تخم و عشق ہل
عشق پھل عشق بیج اور عشق رس و شراب)

عشق در صورت جمال خود نمود
(عشق ظاہر میں صورت لے کر اپنا جمال دکھلایا
جملہ اشیا در حقیقت عشق بود
ساری چیزیں سب کچھ حقیقت میں عشق ہی ہے)

تَمَّتُ الرِسَالَه وَالتَرجِمه

ترجمہ یازدہ رسائل

رسالۂ ششم

توحید خاص

توحید برائے خواص

تصنیف

حضرت سید محمد حسینی خواجہ گیسودراز بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبدالصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوۡلِهٖ مُحَمَّدٍ وّٰ اٰلِهٖ اَجۡمَعِیۡنَ (سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ درود وسلام اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی سب آل پر)

اما بعد (خدائے تعالیٰ کی تعریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثناء کے بعد) رسالہ توحید خاص۔ مقام اہل اختصاص (خصوصیت پائے ہوئے مرتبہ میں آئے ہوئے حضرات کے لئے لکھا جا رہا ہے۔ جو بھی تعریف ہو سکتی ہے یا کی جا سکتی ہے وہ اللہ ہی کے لئے ہے کہ اس کے سوا کوئی موجود یعنی "ہے" ہی نہیں۔ درود وسلام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ آپ کے سوائے کوئی مقصود نہیں۔ تمہاری درخواست' انتہائی عاجزانہ عرض جو اصرار کے ساتھ تھی پہنچی۔ اس کے جواب میں یہ چند باتیں توحید خاص کی لکھنے کے لئے جب قلم اٹھایا گیا تو تائید ربانی (پروردگار کی مدد امداد) سے یہ لکھنے میں آ گئے۔ تا کہ تمہارے شک وشبہ کو جو یقین کے دامن پر بچے کھچے ہوں' تحقیق کے سچائی سے دھل دھلا کر صاف کر دے۔ زمانہ و وقت سے جیسا بھی لکھایا جا رہا ہے لکھ رہا ہوں۔ انتہائی توجہ' انصاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے سنو۔ انّ فی ذٰلك لذکریٰ لمن کان له قلب (اس میں نصیحت اس کے لئے ہے جس کے دل ہو) (سمجھ بوجھ ہو) والمَوَفِقُ هُوَ اللّٰه (توفیق دینے والا وہی اللہ ہے)

عالم میں دو طرح کے موجودات پائے جاتے ہیں ایک کو عالم صورت' دوسرے کو عالم معنی کہتے ہیں جس کو عالم صورت کہتے ہیں وہ کھلا اور ظاہر ہے اور جس کو عالم معنی کہتے ہیں۔ وہ بالکل چھپا اور باطن ہے۔ عالم صورت میں بعض وہ ہیں جو ظاہری

آنکھوں سے دکھائی دیتے۔ دیکھنے دکھنے میں آتے ہیں جیسے کہ عالم ملکی (دنیا کی چیزیں' دنیا) بعض وہ ہیں جو باطنی آنکھوں سے دیکھے جاتے دکھائی دیتے ہیں جیسے کہ مَلکُوتی (روحانی عالم۔ دوسری آنے والی دنیا کی چیزیں) عالم معنی (باطن) ہے وہ دیکھنے میں نہیں آتا دکھائی نہیں دیتا۔ اگر دکھائی دیتا ہے یا دیکھنے میں آتا ہے تو اسی عالم صورت میں یعنی عالم ظاہر میں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ظاہر و باطن اسی کی صورت ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس صورت کے ساتھ ظاہر میں دکھلاتا۔ دکھائی دیتا۔ دیکھنے دکھنے میں آتا ہے۔ ؎

ہر نقش کہ بر تختۂ ہستی پیداست | آں صورت آن کس است کیں نقش آراست
(جو نقش بھی کہ ہستی کی تختی پر ظاہر ہے | وہ اس کی صورت ہے جس نے یہ نقش بنائے)
دریائے کہن چو بر زند موج نو | موجش خوانند در حقیقت دریا است
(پرانا دریا جب نئی موج مارتا ہے | تو اس کو موج کہتے ہیں وہ حقیقت میں دریا ہے)

موحد یہ کہتے ہیں کہ وہ "ایک نور" ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ساری صورتوں میں نمودار کیا۔ دکھلایا۔ سب لباس میں اپنے آپ کو ظاہر کیا وہی وہ ہے جو لیلیٰ مجنون کی صورت میں وامق عذرا کی شکل میں تجلی کئے ہوئے ہے۔ وہی وہ ہے کہ مجنون کی آنکھ سے اپنے ہی جمال کو آپ ہی اپنی نظر میں لا کر لیلیٰ میں دیکھا۔ اپنے آپ کو آپ ہی چاہا محبوب و معشوق بنایا۔ یہ ظاہر ہے کہ تم جس کسی کو دوست بناؤ محبوب مطلوب ٹھہراؤ۔ جس کی طرف رخ کرو۔ متوجہ ہو جاؤ۔ تمہارا رخ تمہاری توجہ تم چاہو یا نہ چاہو اسی کی طرف ہے' اسی کو تم نے اپنا دوست محبوب و مطلوب بنایا۔ ؎

میل جملہ خلق عالم تا ابد | گر بباشد ور نباشد سوئے تست
(ساری مخلوق ساری کائنات کی توجہ آخر تک | چاہے ہو یا نہ ہو وہ تیری ہی طرف ہے)
جز ترا چوں دوست نتواں داشتن | دوستی دیگراں بر بوئے تست
(جب کہ تیرے سوائے کسی کو دوست نہیں بنا سکتے | دوسروں کی دوستی تیری خوشبو سے ہے)

مجنون کی نظر صرف لیلیٰ ہی کے حسن و جمال (اچھائی خوبصورتی) پر ہے۔ لیلیٰ

کے حسن و جمال کے سوائے جو کچھ بھی ہے جو کچھ بھی اس کی نظر میں آتا ہے وہ اس کے پاس قبیح (برا۔ بدصورت) ہے مجنون اس کو جانے یا نہ جانے۔ اِنَّ اللّٰهَ جَمِیْلٌ وَ یُحِبُّ الْجَمَالَ (اللہ خوبصورت ہے خوبصورتی کو دوست رکھتا ہے) مطلب یہ ہے کہ اس کے غیر میں جمال ہی نہیں۔ جب یہ حقیقت ہو کہ اس کے سوا ظہور میں کوئی نہیں تو پھر کسی میں جمال کیسے ہو سکتا ہے۔ کسی کو جمیل کیسے کہا جا سکتا ہے۔ جو کچھ ہے اسی کا جمال ہے بلکہ وہی وہ جمال لیا ہوا ہے۔

یارے دارم کہ جسم و جان صورت اوست	چہ جسم چہ جاں جملہ جہاں صورت اوست
(ایک دوست رکھتا ہوں کہ جسم اور جان اس کی صورت ہے	جسم و جان ہی کیا سارا جہان اسی کی صورت ہے)
ہر معنی خوب و صورت پاکیزہ	اندر نظر تو آید آن صورت اوست
(ہر اچھا معنی اور پاکیزہ صورت	جو تیری نظر میں آئے وہ اسی کی صورت ہے)

کہتے ہیں کہ خواجہ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی شخص آیا۔ کہا کہ اے شیخ مجھ کو توحید سمجھائیے۔ زبان مبارک سے کچھ فرمائیے۔ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے شکر منگوائی جب وہ لے کر آیا تو اس کو شکر بتلا کر آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے اس نے کہا یہ شکر ہے۔ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا کہ اس شکر سے گھوڑا، بیل، آدمی کی شکل بنا۔ آپ کے فرمانے پر اس نے شکر کی مختلف صورتیں بنائیں۔ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو وہ شکلیں ایک ایک بتلا کر پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ یہ بیل ہے۔ یہ آدمی ہے۔ یہ گھوڑا ہے۔ پھر خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب کو توڑ کر ایک کر دیا۔ جب ایک کر دیا تو اس سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے۔ جواب دیا شکر ہے۔ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا۔ چلا جا۔ میں نے توحید کو تجھ سے پورے طور پر بیان کر دیا ہے۔

یک عین متفق کہ جز اُو ذرۂ نبود	چوں گشت ظاہر ایں ہمہ اغیار آمدہ
(ایک وہ جو اپنے آپ میں آپ ہی تھا کوئی اس کے سوائے نہ تھا	جب ظاہر ہو گیا تو یہ سب اور ہی نکل آئے)
اے ظاہر تو عاشق و معشوق باطنت	مطلوب را کہ دید طلبگار آمدہ
(تیرا ظاہر عشق تیرا باطن معشوق ہے	مطلوب کو کس نے دیکھا جو طالب بن کر آیا)

موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اسی بات نے آرنی (دکھلا مجھ کو) کہلایا۔ لَنْ تَرَانِیْ (مجھے نہیں دیکھ سکتا) کا جواب سنا۔ درخت کی زبان سے اسی بات نے اِنِّی اَنَا اللہ (میں ہی ہوں اللہ) کہا۔ موسیٰ کے کان سے اسی نے سنا۔

چون جمالش صد ہزاراں روئے داشت	بود در ہر ذرہ دیدارے دگر
(چونکہ اس کا جمال ہزار ہا صورتیں رکھتا تھا	ہر ذرہ میں ایک اور ہی دکھلاوا تھا)
لا جرم ہر ذرۂ بنمود یار	تا بود ہر دم گرفتارے دگر
(لازماً ہر ذرہ کو یار نے دکھلایا	تاکہ ہر وقت ایک نیا گرفتار ہو جائے)

اس کی تجلیات کی انتہا نہیں۔ ہر عاشق اس کا اور ہی پتہ دیتا ہے۔ ہر عارف اس سے اور ہی مراد لیتا ہے اور ہی الفاظ و عبارت میں لاتا ہے۔ ہر محقق اس سے اور ہی اشارہ فرماتا ہے۔ اس سرِّ عزیز (نادر راز) کی اطلاع و خبر کس کو دی جاتی ہے کیونکر دی جاتی ہے وہ کون ہوتا ہے کیسا ہوتا ہے جس کو اس سے واقف (خبردار) کیا جاتا ہے۔ سنو یاد رکھو۔ صرف اس کو دی جاتی ہے جو دل کے مقام میں پہنچ گیا ہو۔ سراپا دل ہو گیا ہو۔ اس کے دل کا حظ (مزہ و لذت) وہی ہو گیا ہو۔ جیسے کہ بھوکا ہوتا ہے۔ اس کے دل میں ہر وقت کچھ نہ کچھ کھانے کا تقاضا ہوتا رہتا ہے۔ ہمیشہ اس کے دل میں یہی رہتا ہے کہ کچھ کھالوں۔ ایک بزرگ کا فرماتا ہے کہ محبت و معرفت ہاتھ آنے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ محبّ عارف کا عیش (جان پہچان والے عاشق کی زندگی) اس کی لذت و غذا (کھانا پینا) ہو جائے۔ اس کا کھانا اس کے خیال میں اس کا کہنا اس کے خیال میں اس کا رہنا بسنا اس کے خیال میں ہو جائے۔ جب سب حرکات و سکنات اس سے اس کے بغیر نہ ہوں تو ایسا شخص اہل دل ہو جاتا ہے۔ بخلاف اس کے کوئی شخص ایسا ہو کہ تھوڑی دیر کے لئے محبوب کے حضور میں اس کا دل لگ جائے۔ تھوڑی دیر میں بھاگ کھڑا ہو جائے۔ جیسے کہ ہرن جب اس کو باندھ دیا جائے تو کھڑا رہتا ہے۔ جب چھوٹ جاتا ہے۔ پھندا کھل جاتا ہے تو بھاگ کھڑا ہوتا ہے ایسے کو اہل دل نہیں کہتے بلکہ اہل نفس کہتے ہیں۔ سالک کہہ سکتے ہیں۔ صوفی نہیں کہہ سکتے۔ متصوف کہہ سکتے ہیں (تکلف

سے صوفی بنا ہوا کہہ سکتے ہیں) صوفیوں کا راستہ چلنے والا۔ ان کا راستہ اختیار کیا ہوا نہیں کہہ سکتے اس کو صوفی ہرگز نہیں کہہ سکتے وہ صوفی نہیں۔ سنو۔ صوفی وہ ہے جو حقیقت کی کان میں گر کر حقیقتاً حقیقت ہو گیا ہو۔ باقی انعام (بیل۔ بکری) سب بے خبر جاندار ہیں۔ صرف علماء ہی علم سے باخبر ہیں۔ متصوف۔ صوفیوں کے راستے کے چلنے والے کو کہتے ہیں۔ صوفیاء حق کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ "حق" ہوتے ہیں۔ ؎

تابہ کے عطار ایں حرف مجاز　　برسر اسرار توحید آئی باز
(اے عطار کب تک یہ ظاہری باتیں　　توحید کے راز کی طرف آ جاؤ)

ہمارا قلم وحدت کے میدان میں چل رہا ہے جہاں فرق وتمیز کفر ہے' ایک نور ہے جو ساری صورتوں میں محیط ہے ساری صورتوں کو لئے ہوئے ہے اس مرتبہ میں اس کو نور مطلق کہتے ہیں۔ توحید مطلق کی تعریف یہ ہے کہ کسی چیز کو کسی چیز سے کسی راہ کو کسی راہ سے کسی کام کو کسی کام سے کسی صحبت کو کسی صحبت سے جدا علیحدہ نہ کیا جائے کسی چیز سے پیٹھ نہ پھیری جائے کسی چیز کی طرف رخ نہ کیا جائے۔ اگر یہ نہ ہو تو توحید مطلق سے نکل جاتے ہیں کیونکہ اگر کسی مقید چیز کی طرف رخ کرو گے تو اس کی طرف پیٹھ کرنی ضروری ہو جائے گی' یہی توحید مطلق سے نکل جانا ہے۔ حقیقی مسلمان وہی ہے جو توحید مطلق میں پہنچ گیا ہو۔ توحید مطلق جس کے ہاتھ آ گئی ہو' جو کوئی توحید مقید میں رہ گیا وہ تقیدٗ میں پھنس گیا' وہ مسلمان مجازی ہے' مسلمان حقیقی نہیں۔ یہ سمجھ رہا ہوں کہ تم نہیں جانتے کہ میں کیا لکھ رہا ہوں۔ جاننا دیکھنا ہو تو میری آنکھوں میں آ جاؤ اور دیکھو تو تم پر کھل جائے کہ واقعی معاملہ یہی ہے جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں' وہی بات ہے۔ ؎

آفتابے در ہزاراں آبگینہ تافتہ　　پس برنگے ہر یکے تابے عیاں انداختہ
(ایک آفتاب ہزاروں آئینوں شیشوں میں چمکا　　ہر رنگ کے لحاظ سے ہر ایک پر ایک شعاع ڈالا
جملہ یک نور است لیکن رنگہائے مختلف　　اختلاف این و آں را درمیاں انداختہ
(سب ایک نور ہے رنگ مختلف ہیں　　یہ اور وہ کے اختلاف کو درمیان ڈالا)

جس پر اس حقیقت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے تو "میں اور تو" کی اضافت

نسبت اس سے جاتی رہتی ہے۔ ساری اضافتیں نسبتیں جو کچھ ہیں وہ میں تو کی ہیں وہ اس سے الگ ہو جاتی ہیں۔ ستر ہزار حجاب (پردے۔ روک) نور و ظلمت (روشنی۔ اندھیرے) کے جو سالک کے سامنے ہوتے ہیں ان سب کو ایک نقطہ میں تمہیں دکھلا رہا ہوں۔ سو سال کا راستہ ایک گھڑی میں طے کرا رہا ہوں۔ تمہیں اس میں گم کر رہا ہوں۔ تمہارا محبوب سے غافل رہنا ہی پردہ اور روک ہے۔ جب غفلت نکل جاتی چلی جاتی ہے تو پردہ اٹھ جاتا ہے روک باقی نہیں رہتی کوئی پردہ باقی نہیں رہتا۔ وہی پردے رہ جاتے ہیں جن کو نورانی ظلمانی کہہ چکا ہوں۔ اگر نماز۔ روزہ۔ تلاوت قرآن۔ عبادتوں کی حلاوتیں لذتیں تمہیں محبوب کے دیکھنے اس کے یاد کرنے سے روک رکھیں تو سمجھو کہ یہ نورانی پردے ہیں۔ اندھیرے پردے، وہ مشغولیتیں ہیں جو خواہشات نفس کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

ہم بتلا چکے ہیں کہ وہ ایک نور ہے تو پھر نور و ظلمت کے پردے کہنے کے کیا معنی ہوئے ہاں ٹھیک ہے۔ سنو۔ تم نور کے ساتھ رہو ایک لحہ کے لئے بھی اس سے غافل نہ ہو تو تمہارے لئے کوئی پردہ نہیں۔ جیسے ہی تم اس سے غافل ہو گئے۔ پردہ میں آ گئے اس غفلت کے پردے سے باہر آنا پڑتا ہے۔ محبوب سے غافل رہنا تمہارا گناہ ہے۔ اگر تمہارا' تم ہونا تم میں ہے۔ تو یہ تمہارا تم ہی تو تمہارا غیر ہے۔ یہی پردہ ہو جاتا ہے۔ "سب ایک نور ہے۔" جس کی کوئی انتہا نہیں لہٰذا جو کچھ عالم صورت و عالم معنی میں ہے وہ اسی کی صورت ہوئی۔ لیکن یاد رہے کہ وہ کسی صورت میں مقید نہیں۔ تمہاری توبہ۔ تمہارا رجوع لوٹ آنا یہی ہے کہ تم اس قید سے نکل کر توحید مطلق میں آ جاؤ۔

حجاب روئے تو ہم روئے تست در ہمہ حال ‏ ‏ ‏ نہانی از ہمہ عالم ز بس کہ پیدائی

(تیرے منہ کا پردہ تیرا ہی منہ ہر حال میں ہے ‏ ‏ ‏ سارے عالم سے چھپا ہوا یوں ہے کہ انتہائی طور سے ظاہر ہے)

بات یہ ہے کہ تمہارے دل کے میدان میں غیر کی سمجھ بوجھ آتے ہی دو کا ہونا آ جاتا۔ دوئی ظاہر ہو جاتی ہے۔ سامنے پردہ آ جاتا ہے۔

دوئی را نیست رہ در حضرت تو ‏ ‏ ‏ ہمہ عالم توئی و قدرت تو

(تیری بارگاہ میں دو کی گنجائش نہیں ‏ ‏ ‏ سارا علم تو ہے اور تیری قدرت ہے)

جب پندارِ غیر (غیر سمجھنے کی سوجھ بوجھ۔ غیر سمجھنا) اور دوئی (دو کا ہونا۔ من تو) دل کی سرزمین سے اٹھ جاتے ہیں تو زبان حال سے یہ کہتا ہے۔

شب با تو غنودیم و نمی دانستم روزان بتو بودم و نمی دانستم
(رات میں تیرے ساتھ سویا اور نہ جانا دن میں تیرے ساتھ رہا اور نہ جانا)
ظن بردہ بودم کہ من بودم من من جملہ تو بودم و نمی دانستم
(گمان کیا ہوا تھا کہ میں تھا میں میں سب تو ہی تھا اور نہ جانا)

اے اللہ۔ ہم کو ہمارے سامنے سے اٹھا لے۔ خود کو خود، خود کی آنکھ کے سامنے دائم قائم رکھ۔ یہ چند باتیں درویش کی یادگار ہیں، ان کو جان کے برابر رکھنا۔ ہر شخص کو نہ بتلانا۔ ہاں جو کوئی اس کی طلب میں ہو اس کو بتلایا جا سکتا ہے۔ ہفتہ میں ایک دفعہ اس رسالہ کو دیکھنا، ناغہ نہ کرنا۔ بہت فائدہ مند ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

تَمّتُ الرِّسَالَہ

ترجمہ یازدہ رسائل

رسالۂ ہفتم

اذکار

افادات

حضرت قطب الواصلین سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمتہ اللہ علیہ

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبد الصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ (سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ درود و سلام اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی سب آل پر)

وہ سب اذکار جو سلوک حق میں کئے جاتے ہیں' قوم (گروہ صوفیاء) میں رائج ہیں۔ وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سینہ بسینہ پہنچے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو ذکر کی تلقین فرمائی۔ اس کے کرنے کے طریقے قاعدے بتلائے اور سمجھائے اور بعض صوفیاء کے مستحسنات میں سے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ نے صحابہ اور تابعین صحابہ رضی اللہ عنہم کو جس ذکر کی تلقین کی' وہ اب تک اہل سلوک حق میں بدستور جاری ہے۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے علی آؤ ہم تم کو وہ راہ بتائیں جس سے تم اللہ کو دیکھو۔ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا بہت بہتر۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کہو لا الہ الا اللّٰہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تو میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں۔ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جیسا میں کہتا اور کرتا ہوں' ویسا اور جو میں تعلیم دوں اسی طرح کیا کرو اور کہا کرو۔ میں نے ویسا ہی کیا اور دہرایا۔ کلمہ کی تلقین ذکر کرنے کا طریقہ پایا۔ صحابہ و تابعین کو سکھلایا۔ کلمہ کی تلقین و تعلیم جو مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہنچی تھی اس کو پہنچانے کا حکم مجھ کو تھا۔ میں نے پہنچایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بروایت حضرت علی' حضرت بلال' حضرت

صدیق، حضرت سلمان رضی اللہ عنہم سے جو اذکار آئے ہیں ہم وہ بھی کہتے ہیں اور جو قوم میں رائج ہیں ان کے مستحسنات سے ہیں وہ بھی لکھتے ہیں۔ بعض ذکر دو حلقی ہیں۔

(۱) دہانہ قلب (دل کا وہ حصہ جو داہنی جانب جھکا ہوا ہے اس کے سرے) سے لا الٰہ کہتے ہوئے، باہر کی طرف یعنی داہنے شانہ کی طرف کھینچ لاتے ہوئے یہ تصور کیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے سب کو دل سے نکال باہر کر رہا ہوں۔ داہنے شانے سے بطور دائرہ لے جا کر سر کو بائیں جانب گھما کر ذرا اونچا کر کے الا اللّٰہ کہتے ہوئے دل کے اوپر کے حصہ پر ضرب لگاتے ہوئے یہ تصور کیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے انوار میں سے ایک نور کو دل میں لا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے سوائے جو کچھ دل میں ہے اس کو دل سے نکال رہا ہوں۔ لا الٰہ کہہ کر دل کے مقام سے داہنے کندھے تک بطور دائرہ کے جب سر کو گھماتے ہیں تو تصور کرتے ہیں کہ دنیا کو پیچھے ڈال دیا، دل سے نکال دیا۔ جب داہنے کندھے سے سر تک پہنچاتے ہیں تو یہ تصور کرتے ہیں کہ عقبیٰ کو بھی دل سے نکال دیا۔ داہنے کندھے سے جب دل پر ضرب لگاتے ہیں تو یہ تصور کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دل میں بٹھا رہا جگہ دے رہا ہوں۔ کم از کم دس مرتبہ اور زیادہ سو سے ہزار تک کرتے ہیں۔ دس مرتبہ لا الٰہ الا اللّٰہ کہنے کے بعد گیارہویں مرتبہ محمد الرسول اللّٰہ کہتے ہیں۔

(۲) دل کے دہانے سے لا الٰہ کہتے ہوئے داہنے شانے تک گردن کو گھما کر لاتے ہیں۔ داہنے کندھے سے سر کو گھما کر گردن کو جھٹکا دے کر آواز کو بلند کر کے الا اللّٰہ کی ضرب دل پر لگاتے ہیں تاکہ الا اللّٰہ الا اللّٰہ الا اللّٰہ کی ضرب کے رابطہ سے وہ نور ذکر دل میں جم جائے۔

(۳) لا الٰہ کہتے ہوئے آنکھیں بند نہ کریں کھلی رکھیں۔ جو کچھ دیکھنے دکھنے میں آتا ہے وہ کچھ نہیں ہے کے تصور کے ساتھ الا اللّٰہ کہتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں اور نور اللّٰہ کے پئے میں رہیں (اس کی تعداد بھی وہی ہے۔)

چاہے ذکر میں ہوں یا مراقبہ میں سب میں ہوں یا تنہا ہوں اسی تصور میں

ہمیشہ رہا کریں کہ اللہ حاضر موجود ہے۔ میں اس کے حضور میں (سامنے) ہوں۔ وہ مجھے دیکھ رہا ہے میں اس کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔ ذکر میں جس کا مذکور ہو رہا ہے اسی کا تصور رہے تصور حضوری (سامنے ہونے کا خیال) جب پختہ ہو جائے تو ذکر و شغل نتیجہ لاتا ہے واقعہ یہی ہے ایسا ذکر' ذکر بھی ہے مراقبہ بھی ہے۔ فکر کے ساتھ ذکر ذکر کے ساتھ فکر یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ یہی تصور' یہی خیال (دھن) ہر ذکر میں رہنا لازمی ہے۔ اسی تصور سے کبھی خالی یا غافل نہ رہیں۔ یقین کے ساتھ جانیں کہ اللہ حاضر و ناظر اور ایسا قریب ہے کہ شہ رگ بھی نہیں۔ وہ شہ رگ سے بھی قریب تر ہے جب تک اسی تصور اور اسی خیال کو لئے ہوئے ذکر نہ کیا جائے ذکر کوئی فائدہ جیسا کہ دینا چاہئے نہیں دیتا۔ دل کو پراگندہ خیالات خطرات سے بچائے رکھنا ضروری ہے۔ ان کے دور ہونے کے لئے پیر سے التجا کرنی ضروری ہے۔ پیر کی طرف متوجہ ہونے توجہ کو لگائے رکھنے سے خطرات دور ہو جاتے ہیں۔ نور ذکر آنے لگتا ہے۔

(۴) بعض دو حلقی وہ ہیں جن میں سر کا سینہ و مقام دل سے گھمانا۔ گردن کا پھیرنا۔ بطور دائرہ لا کر ضرب لگانا۔ ظاہر نہیں ہوتا۔ ربط یعنی قول لا الہ الا اللّٰہ کو ظاہراً کہا اور کیا نہیں جاتا۔ کوئی حرکت یا آواز نہیں کی جاتی۔ ایسے ذکر کو خفی اور جس میں حرکت و آواز ہوتی ہے اس کو جلی کہتے ہیں۔ جلی خفی ظاہری باطنی ہر ذکر میں ہوتا ہے۔ پاس انفاس (آتے جاتے دم کی نگہبانی) کے ساتھ ہر حال میں ذکر کرتے رہیں تو جلد مقصود کو پہنچ جاتے ہیں۔ فنا بقا کے اذکار نفی و اثبات میں لے آتے ہیں جن کو ذکر دوی بھی کہتے ہیں۔

(۵) بعض اذکار اس طرح کئے جاتے ہیں۔ جیسے کہ لوہے کو دھونکتے ہیں ان کو ذکر حدادی کہتے ہیں۔ ہر ذکر و حالت ذکر میں یہ تصور رہتا ہے کہ اللہ ہی بندگی کے لائق ہے۔ اللہ ہی ہے۔ وہی وجود۔ اس کے سوائے کوئی موجود نہیں۔ ربط جو پاس انفاس کے ساتھ ہو اس میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے۔ نتیجہ جلد برآمد ہوتا ہے معنی کے تصور کے لحاظ سے کشف ہوتا' غیب کھلتا ہے۔

(۶) ''ذکر فنا و بقا'' جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ' بلال رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم کیا ہے سکھلایا ہے اس ذکر میں' نماز میں' جیسا کہ التحیات پڑھتے وقت بیٹھتے ہیں' اسی طرح بیٹھتے ہیں۔ **لا الٰہ** کہتے ہوئے سر اونچا کر کے سینہ سے داہنے کندھے تک لے جا کر کچھ اور اونچا کر کے **الا اللہ** کہتے ہوئے نیچے لا کر دل پر ضرب لگاتے ہیں۔

رابطہ کے ساتھ اپنے سر کو قبلہ کی طرف اٹھاتے ہیں۔ **لا الٰہ** کہتے ہیں **اِلاَّ اللہ** کہتے ہوئے سر نیچا کر کے دل پر ضرب لگاتے ہیں۔

اشارہ۔ دہانہ قلب۔ محل قلب (دل کے سرے۔ دل کے مقام) کا پہچاننا لازمی وضروری ہے اس ہنر کی بنیاد قوم (صوفیاء) کی ڈالی ہوئی ہے ان ہی سے یہ حاصل ہوتی ہے۔ بائیں پستان کے دو انگل نیچے ایک لوتھڑا صنوبر کے جیسا یعنی تکون ہے۔ یہ جگہ وہ ہے جس کے ساتھ روح حیوانی تعلق کی ہوئی ہے۔ روح انسانی کو حکماء نفس ناطقہ کہتے ہیں اور صوفیاء اس کو روح اعظم۔ روح الروح کہتے ہیں یہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کا فیض اور اس کے اوامر میں سے ایک امر۔ اسی کے شیون میں سے ایک شان ہے۔ ھُوَ غیر مخلوق (وہ پیدا کی ہوئی نہیں) ارواح جمادی' نباتی' حیوانی' مخلوق ہیں روح حیوانی کے انزہاق (نیست ہو جانے نکل جانے) کو موت کہتے ہیں۔ صوفیاء اور حکماء اس بارہ میں آپس میں متفق ہیں۔

امام محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ روح حیوان کے تعلق کے منقطع ہونے کو موت کہتے ہیں۔ یہ بات امام صاحب اور آپ کے متبعین کے پاس ثابت ومحقق ہے۔ یہ گوشت کا لوتھڑا جو بائیں جانب سینہ میں رکھا ہوا ہے۔ ذکر کرنے والے کا ربط وضرب اسی کے ساتھ ہے اور ''ربط وضرب'' میں جو کیا کرتے ہیں وہ اسی مقام پر واقع ہوتا ہے اور اثر کرتا ہے **الا اللہ** کی ضرب سے چربی کا گاڑھا پن جو کچھ دل میں ہوتا ہے وہ جل جاتا ہے' بہہ جاتا ہے یہی دو چیزیں ہیں جن کے ہونے سے دل بند رہتا ہے جب یہ بہہ جاتی' پگھل جاتی ہیں تو دل جاری ہو جاتا ہے' یعنی ذکر کرنے لگ جاتا ہے۔ اسی لئے

فرماتے ہیں کہ جب صوفی ذکر سے فارغ ہو جائے تو مراقبہ میں ہو جائے۔ پاس انفاس کرے۔ دم کو آہستہ آہستہ چھوڑے جلدی جلدی نہ چھوڑے۔ ذکر کی کثرت یعنی اس کے زیادہ کرنے سے دل کا دہانہ کھل جاتا ہے۔ کم سے کم عدد ایک سو ایک اور زیادہ پانچ سو اور ہزار بھی بتلائی گئی ہے۔ ذکر چاہے وہ دو حلقی ہو یا کوئی اور بہرحال ذکر جس قدر زیادہ اور اس کے شرائط ولوازم کے ساتھ کیا جائے اور مقررہ عدد کے بعد مراقبہ و پاس انفاس میں رہیں تو مراد جلد حاصل ہو جاتی ہے یعنی ذکر ہاتھ آ جاتا ہے۔ جو ذکر بھی کریں اس کو جلدی جلدی کر کے ختم نہ کریں۔ آہستہ آہستہ غور وفکر کے ساتھ ایک سو کیا ایک ہزار تک بھی کر سکتے ہیں تا کہ ذکر میں مشغولی کی صورت رہے تعداد ختم کرنے کا خیال نہ رہے۔ ذکر میں دو زانو' چوزانو یعنی جیسے کہ التحیات میں بیٹھتے یا آرام سے بیٹھتے ہیں بیٹھ کر ذکر کیا کرتے ہیں بعض اذکار کی خاص نشست اور وضع بھی ہوتی ہے۔

(۷) ذکر فنا و بقا۔ نفی اثبات کا ایک طریقہ یہ ہے کہ داہنا زانو کھڑا رکھتے ہیں۔ سینہ کو قلب کی طرف بڑھا کر پہلی ضرب دل پر لگاتے ہیں۔

(۸) ذکر فنا و بقا ایک یہ بھی ہے کہ سر کے بل کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دونوں زانو کو بڑھا کر سینہ کے نزدیک لے جاتے ہیں۔ پہلی ضرب قبلہ کی طرف دوسری ضرب دل پر لگاتے ہیں۔ یہ ذکر ابدالوں کا ہے۔

(۹) ذکر فنا و بقا کا ایک طریقہ یہ ہے کہ سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں داہنے پاؤں کو آگے بڑھا کر جھک جاتے ہیں۔ اسی حالت میں ایک ضرب نچلے طرف ایک ضرب دل پر لگاتے ہیں۔

(۱۰) ذکر فنا و بقا کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ داہنا قدم آگے بڑھا کر بلند آواز کے ساتھ پہلی ضرب لگاتے ہیں پھر ایک قدم پیچھے ہٹ کر دوسری ضرب دل پر لگاتے ہیں۔

(۱۱) ایک طریقہ فنا و بقا کا یہ ہے کہ چار مصحف (قرآن شریف) کھولیں۔ ایک سیدھے جانب' ایک بائیں جانب' ایک گود میں' ایک سامنے رکھیں۔ پہلی ضرب داہنی

جانب رکھے ہوئی قرآن پر' دوسری ضرب بائیں جانب والے قرآن پر' تیسری ضرب سامنے والے قرآن پر' چوتھی ضرب گود میں رکھے ہوئے قرآن پر لگاتے ہیں۔ اس ذکر میں تجلی قرآنی ہوتی ہے لیکن ذاکر کو ذکر ہی میں رہنا' ذکر کرتے ہی رہنا چاہئے۔

(۱۲) اسی ذکر فنا و بقا کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایک قرآن شریف کھول کر سامنے رکھیں۔ ایک ضرب قرآن شریف پر دوسری ضرب دل پر لگائیں۔ اس ذکر میں رب تعالٰی کی تجلی ہوتی ہے۔

(۱۳) ذکر فنا و بقا کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایک انگیٹھی میں آگ جلائیں۔ اس کو سامنے رکھیں پہلی ضرب آگ پر دوسری ضرب دل پر لگائیں۔ اس ذکر میں ذکر کرنے والے کے دل کے سرے پر انوار کے ظہور ہوتے ہیں۔

تنبیہہ : تمام اذکار میں دل کی سوزش دل کی لگن دل کی آگ شرط اور پوری توجہ' پورا تعلق و لگاؤ مقصود کی طرف رہنا ضروری و اہم ہے۔ ذکر میں جب ہوں تو دل میں مقصود کے سوائے کچھ بھی نہ آئے۔ اس کے حضور کے تصور کے سوا کچھ نہ رہے۔ ذکر کرنے والے کو شریعت میں جو کام منع ہیں ان سے بچنا۔ پرہیزگاری اختیار کرنا لازمی ہے۔ یہ ہوں تو دل کو وہ ذوق نصیب ہوتا ہے جس کو خیر کثیر کہتے ہیں یعنی بہت سی خوبیاں مل جاتی ہیں جس میں پوری طہارت نفس اور توجہ ہو تو مقصود جلد ہاتھ آ جاتا ہے۔ کوئی شغل۔ کسب۔ ہنر۔ پیشہ کسی کا ہو چاہے وہ سلطنت ہو یا حکومت' امارت ہو یا قضائت' تجارت ہو یا زراعت' درس ہو یا تدریس (پڑھنا' پڑھانا) یا اور کوئی کام ذکر کرنے والے کو نقصان نہیں دیتا بلکہ اس کا کام ہر طرح سے بنتا جاتا ہے۔

(۱۴) ایک طریقہ ذکر فنا و بقا کا یہ ہے کہ چت لیٹ جائیں۔ پہلی ضرب بائیں جانب دوسری ضرب داہنی جانب لگائیں۔

(۱۵) ایک ذکر نقشبندی ہے۔ وہ یہ کہ خیال چہرہ پر رکھیں۔ سینہ کو اس کا محل تصور کریں اس تصور و خیال میں پہلی ضرب میں سر کو اوپر کی طرف اٹھائیں دوسری ضرب میں نچلی طرف لائیں۔ سر کو اٹھاتے نیچے کرتے ہوئے اپنے آپ کو فانی حق کو باقی

جائیں۔

(۱۶) ایک طریقہ ذکر فنا و بقا کا یہ ہے کہ بیٹھ جائیں۔ داہنے ہاتھ سے داہنے پاؤں کا اور بائیں ہاتھ سے بائیں پاؤں کا انگوٹھا پکڑے رہیں۔ اچھل کر اپنی بیٹھک کے داہنی جانب ربط کے ساتھ پہلی ضرب لگائیں۔ پھر اچھل کر بائیں جانب ربط کے ساتھ دوسری ضرب لگائیں۔ پھر اچھل کر اپنی جگہ آ جائیں۔ آگے کی طرف اچھل کر ضرب لگائیں۔ پھر اچھل کر اپنی جگہ آ جائیں ضرب لگائیں۔

(۱۷) ایک ذکر فنا و بقا کا اس طرح بھی کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ التحیات پڑھتے ہوئے نماز میں بیٹھتے ہیں۔ اس طرح بیٹھ جاتے ہیں۔ ربط کے ساتھ پہلی ضرب داہنی جانب دوسری ضرب بائیں جانب۔ تیسری ضرب دل پر لگاتے ہیں۔ اس ذکر کو سہ رکنی کہتے ہیں۔

(۱۸) ایک ذکر فنا و بقا کا یہ ہے کہ پہلی ضرب داہنی جانب' دوسری ضرب بائیں جانب' تیسری ضرب دل پر' چوتھی سامنے لگاتے ہیں۔ اس کو ذکر چار رکنی کہتے ہیں۔

(۱۹) ایک ذکر فنا و بقا کا یہ ہے کہ پہلی ضرب داہنی جانب۔ دوسری ضرب بائیں جانب۔ تیسری ضرب سر کے اوپر۔ چوتھی ضرب دل پر۔ پانچویں ضرب سامنے' پانچویں ضرب لگاتے ہوئے سر جھکا دیتے ہیں۔ اس کو ذکر پنج رکنی کہتے ہیں۔

(۲۰) ذکر فنا و بقا کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ پانچوں انگلیوں کو ملا دیتے ہیں۔ ایک دفعہ پیشانی پر' دوسری دفعہ داہنے کندھے پر' تیسری دفعہ دل پر رکھتے ہیں۔ اس کو ذکر محبوبی کہتے ہیں۔ رابطہ و ضرب ملحوظ رکھتے ہیں۔

(۲۱) ایک ذکر وہ ہے جس کو ذکر جبرئیل کہتے ہیں۔ یہ ذکر سہروردیہ کا ہے۔ شیخ خالد رحمتہ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ اس کے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دوزانو بیٹھ جائیں سینہ کے درمیانی حصہ پر نظر رہے۔ لا الٰہ کہتے ہوئے گردن کو داہنی جانب اونچی کر کے داہنے کندھے تک لے جائیں الا اللہ کہتے ہوئے بائیں جانب گردن گھما کر ضرب لگائیں۔ اس ذکر کو یک رکنی کہتے ہیں۔

(۲۲) ذکر کرّوبیں و جبروتیں یہ ہے کہ دل کی طرف گردن جھکائیں لا الہ کہتے ہوئے مقام دل سے اوپر کی طرف گردن کو گھما کر بطور حلقہ لے جائیں پھر مقام دل کی طرف لا کر الا اللّٰہ کی ضرب لگائیں۔

(۲۳) ذکر ابدال اسی طرح کرتے ہیں۔ دونوں ہاتھوں کو آگے اوپر کی طرف بڑھاتے ہیں۔ جیسے کہ کسی چیز کو ہوا میں سے پکڑ رہے ہوں۔ پھر ہاتھ نیچے لاتے ہیں اس تصور کے ساتھ کہ اللّٰہ تعالیٰ کا نور ہاتھ میں سے منہ میں ڈال رہے ہوں الا اللّٰہ کی ضرب لگاتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اپنے آپ میں ایک حرکت پیدا کرتے اور خوشی و سرور کو جس قدر ہو سکے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کو بیٹھے ہوئے کھڑے ہوئے بھی کرتے ہیں۔ منہ میں ڈالنے کے تصور کے وقت بغل کی طرف نظر رکھتے ہیں۔ منہ میں ڈال دینے کے بعد نظر کو اوپر کی جانب پھیر لیتے ہیں۔

(۲۴) ابدال کا ذکر یہ بھی ہے کہ نماز میں جس طرح بیٹھتے ہیں اس طرح بیٹھنے کے بعد داہنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہیں۔ خود بھی اوپر کی طرف کا رخ کرتے ہیں۔ لا الہ کہتے ہوئے مٹھی کو بند کر لیتے ہیں۔ بند کرتے ہوئے یہ تصور کرتے ہیں کہ خدا کے سوائے جو کچھ ہے اس کو بند کر رہے ہیں۔ مٹھی میں لے رہے ہیں۔ کھینچ کر باہر نکال رہے ہیں' دل سے باہر پھینک رہے ہیں۔ ان کو مٹھی میں کرتے ہوئے الّا کہتے ہوئے۔ یہ سمجھتے ایسا تصور کرتے ہیں کہ خدا کا نور پا رہے ہیں۔ اپنے منہ میں ڈال رہے ہیں۔ جب ڈال لیا کے تصور میں آتے ہیں تو ایک ضرب الا اللّٰہ کی دل پر۔ ایک سامنے۔ ایک بائیں۔ ایک دائیں۔ پھر سینے پر لگاتے ہیں یہ بہت پر تاثیر ذکر ہے۔ یہ ذکر مداومت کے ساتھ کریں تو حضور و شہود حاصل ہو جاتا ہے۔ ابدال آتے اور ذکر کرنے والے کے ساتھ ذکر کرنے لگ جاتے ہیں۔

اشارہ: ہمیشہ ذکر میں رہیں۔ ذکر کرتے رہیں تو ذکر کرنے والے میں ذکر اثر کرتا ہے ذکر کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ دل ذکر کرنے لگ جاتا ہے۔ خود بخود ذکر جاری رہتا ہے۔ ذکر کرنے والا۔ دل کے ذکر کی آواز سن پاتا ہے بلکہ جو بھی ذکر کرنے

والے کے پاس بیٹھے ہوئے ہو تو وہ بھی سن لیتا ہے۔ دل کا ذکر جب استقامت پا جاتا ہے تو روح بھی ذکر کرنے لگ جاتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ذکر اللسان لقلقۃ (زبان کا ذکر ایک رٹ ہے ذکر القلب وسوسۃ (دل کا ذکر بار بار خود بخود خیال آنا ہے) ذکر الروح مشاہدۃ (روح کا ذکر حضوری سامنا پانا ہے)

(۲۵) ذکر السّر معاینۃ (سر کا ذکر عین ہو جانا آنکھوں سے دیکھنا ہے) ذکر الخفیٰ مغائبۃ (خفی کا ذکر اپنے آپ سے غائب اور اس سے حاضر اور حضوری پانا ہے۔) ہر ایک ذکر کے درجات و حالات ہیں جن کو ان کے اہل ہی جانتے ہیں۔

(۲۶) ان ہی اذکار میں سے ایک ذکر اَنَا فِیْهِ وھو فی (میں اس میں وہ مجھ میں) ہے۔ اَنَا کہتے ہوئے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گردن کو گھما کر دل کی طرف لاتے ہیں۔ گردن جھکا دیتے ہیں پھر سر اٹھا کر آسمان کی طرف اونچا کر کے اَنَا فِیْهِ کہتے ہیں۔ فوراً ہی سر نیچا کر کے وَھُوَ فی کی ضرب دل پر لگاتے ہیں۔ ذکر کرتے ہوئے ذکر میں اَنَا مَنْ اھویٰ و مَنْ اھویٰ اَنَا کا تصور رکھیں۔ اگر چاہیں تو اَنَا فِیْهِ وَھُوَ فِیْ کو لوٹا لیں۔ ذکر اَنْتَ اَنَا۔ اَنَا اَنْتَ کو بھی اسی طرح سے کیا کرتے ہیں۔ ذکر اَنَا ھُوَ و ھُوَ اَنَا کو بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ یہ تین ذکر الہامی ہیں' اولیاء اللہ قدس سرہم کو اس طرح کرنے کا الہام ہوا ہے۔ ان کے پیرو کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ روایت بروایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آئے ہوئے اذکار میں سے نہیں یعنی روایت صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہیں ہیں اگر متذکرہ صدر تین اذکار کو اردو میں کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں "ہوں تو۔ تو ہوں" یہاں بھی تو وہاں بھی تو۔ یہ بھی تو وہ بھی تو اسی طرح کرتے ہیں جیسا کہ اَنَا فِیْهِ اَنَا اَنْتَ میں کرتے ہیں۔

(۲۷) ایک ذکر ھُوَ ھُوَ (وہی وہ) کا بھی ہے۔ اس ذکر کے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو زانو یا چو زانو یا جیسے بیٹھنے میں آرام ہو' بیٹھ کر سامنے رخ کر کے منہ اٹھاتے ہیں۔ چہرہ کو بلند کر کے ھُوَ کہتے ہیں۔ داہنی جانب رخ پھیر کر ھُوَ کہتے ہیں۔ بائیں جانب رخ پھیر کر ھُوَ کہتے ہیں اور ھُوَ کہتے ہوئے دل پر ضرب لگاتے ہیں۔

(۲۸) ایک طریقہ اس ذکر کا یہ بھی ہے کہ ھُوْ کہتے ہوئے سر کو اٹھائیں آسمان کی طرف نظر کریں۔ ھُوْ کہتے ہوئے دل پر ضرب لگائیں۔

(۲۹) ایک طریقہ ھُوْ کے ذکر کا یہ ہے کہ دم کو اندر لیتے ہوئے ھُوْ چھوڑتے ہوئے ھُوْ خیال کے ذریعہ سے کہتے رہیں۔ تو چند دن کے بعد معلوم ہوگا کہ یہ عجیب و غریب شے ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہے کہ رات دن میں چوبیس ہزار دم ہوتے ہیں جو دم یاد کے بغیر گزرے اس کی نسبت سوال ہوگا انہوں نے کہا کہ میں دم لیتے ہوئے چھوڑتے ہوئے ذکر کیا کرتا ہوں۔

(۳۰) ایک ذکر یَا ھُوْ کا یہ ہے کہ یَا ھُوْ کہتے ہوئے دائیں بائیں، آگے پیچھے، اوپر نیچے ضرب لگائیں۔

(۳۱) ایک ذکر لَا ھُوْ اِلا ھُوْ کا بھی ہے۔ لَا ھُوْ کہتے ہوئے سر کو اٹھاتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ دل سے اللہ کے سوائے سب کو نکال باہر کر رہا ہوں۔ پھر سر کو نیچا کر کے اِلَّا ھُوْ کی ضرب دل پر لگاتے اور یہ تصور باندھتے ہیں کہ اللہ کو دل میں بٹھا رہا ہوں۔ تجلی ذات کے ذکر میں الف و لام کو گرا دیتے ہیں۔

(۳۲) بعض ذکر روح کے کھولنے کے ہیں جس کو کشفِ ارواح کہتے ہیں۔ ان اذکار کے کرنے سے جو روح بھی، جہاں کہیں بھی ہو اس کا کشف ہو جاتا ہے ذکر کے لئے جس طرح بیٹھا کرتے ہیں۔ اسی طرح بیٹھ جائیں "یا رب" اکیس مرتبہ کہیں یا روح الروح کہتے ہوئے دل پر ضرب لگائیں۔ پھر سر کو انچا کر کے یا روح کہیں۔ مراقبہ میں ہو جائیں۔

(۳۳) ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ یَا رَبْ اکیس مرتبہ کہیں۔ یا روح کہتے ہوئے دل پر ضرب لگائیں۔ یا روح یا روح الروح کہیں۔ یا رب کی ضرب دل پر لگائیں، مراقبہ میں آ جائیں۔ اپنے دل اپنی روح کو مطلوب کی طرف لگائے رکھیں دل و جان سے متوجہ ہو جائیں تا کہ وہ ظاہر ہو جائے۔ جب ظاہر ہو جائے تو روح سے جو چاہیں سوال کریں۔

(۳۴) ایک ذکر یہ بھی ہے کہ آسمان کی طرف رخ کر کے یا روح کہتے ہیں اور اپنے دل کی طرف رخ کر کے یا روح الروح کہتے ہیں۔ مراقب ہو جاتے ہیں۔

(۳۵) بعض ذکر کشف قبور، معرفت اہل قبور کہلاتے ہیں یہ ذکر اس لئے کئے جاتے ہیں کہ قبر میں جو ہے اس کا حال معلوم کریں۔ نیک بخت ہے یا بد بخت اس کے معلوم کرنے کے لئے بھی کرتے ہیں وہ کس مرتبہ کا ہے اور کون ہے۔ کشف روح کے ذکر کی طرح یہ ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ بعضوں نے بتلایا ہے کہ مرید کو چاہئے کہ وہ میت کی قبر کے چہرے کے برابر بیٹھ جائے۔ مراقبہ کرے۔ اگر کامل ہے تو اس کو قبر تک جانے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی وہ مرے ہوئے کا حال جان جاتا ہے کہ وہ کس حال میں ہے کامل جہاں کہیں بھی ہو کامل ہے۔ چاہے سب میں ہو یا تنہائی میں۔

(۳۶) کشف قبور کا ایک ذکر اس طرح کیا جاتا ہے۔ قبر کے نزدیک میت کے سینہ کے مقام کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ یا نور کہتے ہوئے سر اونچا کر کے آسمان کی طرف بلند کرتے ہیں۔ پھر یا نور کہتے ہوئے دل پر ضرب لگاتے ہیں تو اکشف بی (مجھ پر کھل جا) کہتے ہیں تیسری ضرب قبر پر لگاتے ہیں۔

(۳۷) بعض ذکر اجابت۔ دعوت۔ میت کی بخشش چاہنے کے بھی ہیں۔ وہ اس طرح کرتے ہیں کہ دائیں جانب یَا قَرِیْبُ۔ بائیں جانب یَا رَقِیْبُ۔ دل کی جانب یَا مُحِیْطُ کی ضرب لگاتے ہیں۔ سر کے اوپر آسمان کی طرف رخ کر کے یَا مُجِیْبُ کہتے ہوئے دو زانو پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر پھر نیچے لا کر منہ پر پھیر لیتے ہیں۔ اسی طرح ختم تک دل کو حضور کے ساتھ مقصود سے لگائے رکھتے ہیں جو بھی مقصود یا مراد ہو وہ بر آجاتی ہے۔

(۳۸) بعض شیوخ نے اپنے مریدوں کو صرف یا مُحیط یا مُجیب کی اور بعض یا محیط یا رفیق کی بعض یا شفیق یا رفیق کی تلقین کی ہے۔

(۳۹) اجابت دعوات کا ذکر جو صاحب فصوص کے اذکار میں سے ہے (محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ) اس کے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یا رب کہہ کر پہلی ضرب داہنی

جانب۔ دوسری ضرب بائیں جانب۔ تیسری ضرب قبلہ کی جانب چوتھی ضرب آسمان کی جانب لگائیں۔ ذکر جاری رکھیں۔ ختم ذکر دبی کہتے ہوئے مراقب ہو جائیں۔

(۴۰) ایک ذکر النور کا بھی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ یا نور کہتے ہوئے داہنی جانب ضرب لگاتے ہیں۔ یا نور کہتے ہوئے بائیں جانب ضرب لگاتے ہیں' یا منور کہتے ہوئے دل پر لگاتے ہیں۔ ہر روز اس طریقے سے ذکر کریں تو انوار کھل جاتے ہیں۔

(۴۱) ایک ذکر اَلْحَقّ کا ہے اس کو سہ رکنی چار رکنی ذکر کی طرح کر سکتے ہیں۔ سہ رکنی میں تیسری دفعہ چار رکنی میں چوتھی دفعہ دل پر الحق کی ضرب لگاتے ہیں اس ذکر میں ذکر کرنے والے پر جلال کی تجلی ہوتی ہے۔ جو اس کو برداشت کر لیتا ہے ٹھہر جاتا' صابر رہ جاتا ہے تو بہت ساری مرادوں کے لائق ہو جاتا ہے۔ بہت بزرگ و اعلیٰ چیزیں کھل جاتی' دِکھ جاتی ہیں۔ آخری ضرب میں حَقِّیّ بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۴۲) ایک ذکر حق حقی کا بھی ہے۔ حق کہتے ہوئے داہنی جانب ضرب لگاتے ہیں' حق کہتے ہوئے بائیں جانب ضرب لگاتے ہیں۔ حقی کہتے ہوئے دل پر ضرب لگاتے ہیں۔

(۴۳) چند ذکر اردو میں بھی کیے جاتے ہیں۔ ''وہ ہی ہے'' کہتے ہوئے داہنی جانب ''یہی ہے'' کہتے ہوئے بائیں جانب ''یہیں ہے'' کہتے ہوئے دل پر ضرب لگاتے ہیں۔

(۴۴) بعض ذکر وہ ہیں جس میں چوزانو بیٹھتے ہیں اس آسن پر بھی بیٹھتے ہیں جیسا کہ جوگی بیٹھا کرتے ہیں۔ آنکھیں کھلی رکھ کر آسمان کی طرف نظر کر کے ''وہ وہی ہے'' ہزار مرتبہ دہراتے ہیں۔ اس ذکر میں۔ ذکر کرنے والے پر ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ گھر الٹ گیا ہو۔ جب ذکر کرنے سے ٹھہر جاتا ہے' رہ جاتا ہے تو پھر اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے۔

(۴۵) چند مخصوص اذکار میں سے ایک ذکر شیخ کا بھی ہے۔ شیخ کا نام لیا جائے' سرو

چہرہ کو اٹھایا جائے۔ نیچے لاکر دل پر ضرب لگائی جائے۔ یہ ذکر اصلی ہے جس قدر زیادہ کریں بہتر ہے۔ کاٹنے والی تلوار زود اثر اور بہت با اثر ہے۔

(۴۶) بعض ذکر امراض اسقام درد دکھ کے دور کرنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ دو زانو یا چوزانو جس طرح بیٹھیں۔ داہنی جانب یا احد بائیں جانب یا صمد دل کی جانب یا نچلی جانب یا فرد۔ سر اٹھا کر سر سے اوپر یا وتر کی ضرب لگائیں فرد کی جگہ وتر اور وتر کی جگہ فرد بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۴۷) حقائق کے کشف کا ذکر۔ اس ذکر کے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یا احد کہتے ہوئے سامنے اوپر کی طرف گردن اٹھائیں۔ یا صمد کہتے ہوئے دل پر ضرب لگائیں اگر چاہیں تو داہنی جانب بھی ضرب لگا سکتے ہیں۔

(۴۸) تجلیات کے سمجھنے کے اذکار میں سے ایک ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی چیز دیکھیں تو اس میں فکر کریں۔ غور کرنے لگ جائیں یا رب فھم بی یَا ھُوَ کہیں۔ فکر کے ساتھ اس چیز میں آنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے رجوع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس چیز کی فہم دے دیتا ہے۔

(۴۹) ایک ذکر فنا بقا کا بھی ہے جو چلتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ اگر جلد چل رہے ہوں تو قدم اٹھاتے ہوئے لا الہ الا اللہ کہتے جاتے ہیں۔ اگر آہستہ چل رہے ہیں تو وقار کے ساتھ سیدھے قدم کو اٹھاتے ہوئے لا بائیں قدم کو اٹھاتے ہوئے الہ سیدھے قدم کو اٹھاتے ہوئے اِلّا بائیں قدم کو اٹھاتے ہوئے اللّٰہ کہتے ہیں۔

(۵۰) ایک ذکر ہے جس کو عروج سمٰوٰت (آسمانوں پر پہنچنا) کہتے ہیں۔ اس ذکر میں یا علی یا عالی یا رافع یا رفیع کہتے ہیں۔

(۵۱) ایک ذکر وہ ہے جس کو کشف العرش واستویٰ (عرش اور عرش پر براجا) کہتے ہیں۔ اس کے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ گردن اٹھا کر آسمان کی طرف رخ کر کے یَا مَنْ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کہتے ہیں اور پھر سر کو نیچے کر کے عَلَی الْعَرْش کی ضرب دل پر لگاتے ہیں۔ ذکر جبروتین کروبین میں جیسا کچھ جو بتلا دیا گیا اسی طرح کرتے ہیں۔

(۵۲) ایک وہ ذکر ہے جس کو کشف ملکوت (عالم باطن عالم فرشتگان کا کھلنا) کہتے ہیں۔ اس ذکر میں روح کا کشف ہوتا ہے۔ فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اس کے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سُبُّوحٌ کہتے ہوئے بائیں جانب۔ قُدُّوسٌ کہتے ہوئے دائیں جانب قبلہ کی طرف رخ کر کے سر اٹھا کے رَبُّ الْمَلَائِکَۃُ اور دل پر وَالرُّوحِ کی ضرب لگاتے ہیں۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ دائیں جانب سُبُّوحٌ بائیں جانب قُدُّوسٌ کہہ کر بائیں کندھے سے بطور حلقہ دائیں کندھے کی طرف سر کو لاتے ہوئے رَبُّ الْمَلَائِکَۃُ اور دل پر وَالرُّوحِ کی ضرب لگاتے ہیں۔ یہ ذکر سہ رکنی چار رکنی دو حلقی سہ حلقی کروبین، جبروتین کے اذکار کی طرح بھی کیا جا سکتا ہے۔ خیال و تصور سے بھی کیا جاتا ہے۔

(۵۳) بعض ذکر وہ ہیں جو قدیم اردو الفاظ میں کئے جاتے ہیں۔ شیخ المشائخ بابا فرید گنج شکر اجودھنی قدس سرہ العزیز سے مروی ہیں۔ اکثر بزرگوں نے اس کی روایت کی ہے۔ اس کے کرنے کے طریقے بتلائے ہیں۔ رو بقبلہ ہو کر بطور قاعدہ نماز بیٹھ جائیں۔ تنزیہہ میں آ جائیں۔ جہت سے۔ سمت سے ارفع ہو کر دائیں جانب ''ایتھاں توں'' بائیں جانب ''اوہاں توں۔'' آسمان کی طرف ''اوتھا توں'' کی ضرب لگائیں۔ ہر جگہ وہ ہے کا تصور رکھیں لیکن ایسا نہیں ہے جیسے ہم تم ہوتے ہیں اس میں مراقب ہو جائیں۔ روایت کرتے ہیں کہ سلسلہ بہ سلسلہ یہ ذکر آیا ہے۔ بندگی شیخ الاسلام خواجہ فرید الحق والدین بابا گنج شکر قدس سرہ یہ ذکر بہت کیا کرتے تھے۔

(۵۴) ایک ذکر یا احد یا صمد یا فرد یا وتر کا بھی ہے۔ اس کے کرنے کا طریقہ یہ بتلایا گیا ہے کہ بائیں آستین کھینچ کر کندھے پر ڈال لیں، دایاں قدم آگے بڑھائیں یا احد یا احد جلد جلد کہیں دائیں جانب ضرب لگائیں۔ یا صمد یا صمد جلد جلد کہیں دائیں جانب ضرب لگائیں۔ یا وتر یا وتر جلد جلد کہیں بائیں جانب ضرب لگائیں جو قدم بڑھایا تھا وہ کھینچ لیں۔ جیسے کہ تھے ویسے رہ جائیں۔ والسلام

تمت ترجمة الرسالہ

ترجمہ یازدہ رسائل

رسالۂ ہشتم

مراقبہ

از تصنیف

حضرت خواجہ صدر الدین ابوالفتح سید محمد حسینی گیسودراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبدالصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ
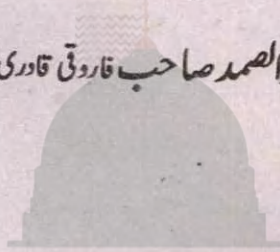
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰی رَسُوۡلِه مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِه اَجۡمَعِيۡنَ (سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو دونوں جہان کا پروردگار ہے۔ ڈرنے والوں، احتیاط و پرہیز کرنے والوں کے لئے آخرت کی بہتری ہے۔ درود و سلام اس کے رسول پر کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ کی سب آل پر۔)

اما بعد۔ (حمد و نعت کے بعد) یہ جاننا ضروری ہے کہ سالکِ طریقت پہلے مجاہدہ اس کے بعد مراقبہ (ابتدائی کام ریاضت۔ یعنی عبادت میں لگاتار کوشش، اس کے بعد نگہبانی کرنا۔ گردن ڈال دینا ہے) پھر مشاہدہ (دیکھنا) اور مکاشفہ (کھلنا وجود وہمی کا جاتے رہنا) اس رسالہ میں ہم مراقبے لکھتے ہیں۔ لغت میں مراقبہ کے معنی اونٹ کی گردن پر سوار ہو کر دوست کی طرف جانا ہے۔ سلوک کی اصطلاح میں حضور دوست میں گردن ڈال دینا ہے۔ (محبوب۔ معشوق۔ مطلوب کے سامنے جھک جانا۔ اس میں منہمک ہو جانا ہے) دوست کو آنکھوں میں رکھنا (معشوق کو آنکھوں میں بسا لینا ہے) اس رسالہ میں چھتیس مراقبے لکھے جا رہے ہیں تا کہ ''طالب'' مقصود و مطلوب تک جلد پہنچ جائے۔ ہم نے اس رسالہ کا نام رسالہ مراقبہ رکھا ہے۔

(۱) **مراقبہ حضوریت** : اپنے آپ کو ہمیشہ ہر حال میں ہر وقت اس کے سامنے حاضر سمجھے۔ اس کو عین حاضر (موجود و مشہود) پائے۔ الم یعلم بان اللہ یریٰ (کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ دیکھ رہا ہے) کی آیت کے لحاظ سے حاضر ناظر جانے۔

سنو۔ اس کا فرمان ہے کہ کہ جو کوئی گناہ کرتا ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ

اس کو دیکھ رہا ہے۔ سچی بات یہی ہے کہ وہ حاضر (سامنے موجود) ہے۔ دیکھ رہا ہے یعنی جو حرکت یا کام انسان کرتا ہے' اس کو اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے۔ یہی وہ مراقبہ ہے کہ جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حدیث احسان یعنی ان تعبد اللّٰہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس طرح خدا تعالیٰ کی عبادت کیجئے کہ جیسے کہ آپ خدا کو دیکھ رہے ہیں اگر آپ یہ جانیں کہ آپ اس کو نہیں دیکھ رہے ہیں تو یہ جانیں کہ وہ آپ کو دیکھ رہا ہے) سے دی ہے۔ ''حضوریت'' یہی ہے ''مراقبہ حضوریت'' اسی کو کہتے ہیں۔

(۲) مراقبہ موجودیت: وہ یہ کہ۔ ہمیشہ۔ ہر وقت۔ اس کو دل میں رکھنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وھو اللّٰہ فی السمٰوٰت و فی الارض (وہی اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے) آسمان کو دل' زمین کو جسم تصور کرنا' یعنی یہ جانیں کہ وہ دل میں ہے۔ دل جسم میں ہے۔ یہی موجودیت ہے۔ اس لئے اس کو موجودیت (یعنی ہونے) کا مراقبہ بھی کہتے ہیں۔

(۳) مراقبہ قربیت: وہ یہ کہ ہمیشہ ہر وقت اس کو اپنے نزدیک سمجھنا اور رکھنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید یعنی ''ہم تم سے تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔'' امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے قول میں اسی کا اشارہ فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ انہ مع کل شئی لا بمقارنۃ و غیر کل شئی لا بمزایلۃ یعنی تحقیق کہ خدا تعالیٰ ہر چیز کے ساتھ موجود ہے مگر اتصال کے ساتھ نہیں اور غیر ہے ہر شے کا مگر انفصال کے ساتھ نہیں جیسے کہ آئینہ میں شخص۔ یہی نزدیکی ہے اسی کو نزدیکی کا مراقبہ کہتے ہیں۔

(۴) مراقبہ معیت: وہ یہ کہ اس کو ہمیشہ ہر وقت اپنے ساتھ جانیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَھُوَ مَعَکُمْ یعنی وہ تمہارے ساتھ اَیْنَمَا کُنْتُمْ یعنی جہاں کہیں بھی تم ہو۔ اس کے ساتھ ہونے اس کی ساتھ داری کا مراقبہ یہی ہے آیت میں اسی طرف

اشارہ کیا گیا ہے۔

(۵) **مراقبہ احاطت** : وہ یہ کہ اس کو اپنی ذات پر اور تمام ذوات (جمع ذات) پر محیط (احاطہ کیا ہوا۔ گھیرا ہوا) جانیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ مِنۡ وَّرَآئِہِمۡ مُّحِیۡطٌ (اور اللہ ان کو سب جانب سے ہر طرح سے گھیرے ہوئے ہے) یعنی خدا تعالیٰ ان میں ایسا شامل (ملا ہوا۔ سرایت کیا ہوا۔ احاطہ کیا ہوا) ہے جیسے کہ پانی کپڑے میں۔ سب میں اور اپنے میں اس کی احاطت کا ہونا' اسی طرح جانیں بلکہ اس سے بھی سوا جانیں۔

(۶) **مراقبہ افعال** : وہ یہ ہے کہ جس کسی چیز کو اس کی حرکت اس کے کام کو اس میں اس کے لگے رہنے کو دیکھیں تو یہ سمجھ لیں کہ اس فعل (کام و حرکت) کا خالق (پیدا کرنے والا) اللہ تعالیٰ ہے۔ مخلوق (خلق۔ جاندار) کو نظر میں نہ لائیں یعنی پیدا کئے گئے ہوئے پر نظر نہ رکھیں۔ خالق (پیدا کرنے والا جان عطا کرنے والا) پر نظر رکھیں اسی کو "ہے" جانیں اور ظاہر ہے (کھلا اور موجود ہے) سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ واللہ خلقکم وما تعملون (اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تم کو اور جو کچھ کرتے ہو یعنی عملوں کو) فرماتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو بھی پیدا کیا اور تمہارے فعل یعنی جو تم کرتے ہو اس کو بھی پیدا کیا۔ اس بناء پر ہر فعل میں اس کو کھلے طور سے پائیں اور ظاہر جانیں تاکہ ہوتے ہوتے ہر فعل ہر کام ہر حرکت کے پیچھے خدا ہی کا راز دکھلائی دیا کرے۔

(۷) **مراقبہ صفات** : وہ یہ کہ ہمیشہ اس کی بزرگی میں مشغول و مستغرق (لگے ہوئے منہمک ڈوبے ہوئے) ہو جائیں کہ وہ کریم ہے۔ ہر چیز کو اپنی نعمت پہنچاتا' رحمت سے سرفراز کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وسعت کل شئی رحمۃ و علماً یعنی ہر چیز اس کی رحمت اس کے علم کو پہنچ سکتی ہے اس کی رحمت کا اس کے علم تک پہنچنا یہی ہے کہ رات دن اپنے خیال اپنی سمجھ بوجھ کو اللہ تعالیٰ کے صفات و اوصاف میں رکھیں۔ اسی کے صفات و اوصاف میں رہیں۔ نعمت و رحمت پاتے رہیں۔

(۸) **مراقبہ فنا**: وہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو مقام فنا (کچھ نہیں جو ہے وہ اللہ ہی ہے) میں لے آئیں۔ اپنے آپ کو مردہ (مرے ہوئے) کے جیسا تصور کریں اور کرتے رہیں۔ مرا ہوا جانیں اس مراقبہ میں یہ قصہ ہے کہ مقام عدم میں لے آتے وجود وہی سے مٹ مٹا کر خود کو وجود اللہ (وجود حقیقی) سے ظاہر و پیدا ہوں گا[1] سمجھتے ہیں۔)
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ ثُمَّ اَنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ۔ (تم بھی مرنے والے ہو۔ وہ بھی مرنے والے ہیں پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس خصوصیت کے دعویدار، خصوصیت پائے ہوئے ہو گے) تحقیق اے محمد تم مرے ہوئے ہو۔ وہ بھی مرے ہوئے ہیں پس تحقیق قیامت وہ ہے جو جیسا کہ دعویدار ہے اس کو اپنے پاس لے آئے گا۔[2]

(۹) **مراقبہ ذات**: وہ یہ ہے کہ خود کو محو (اپنے آپ کو گم۔ مٹا ہوا) کر کے اس کی یگانگی (یکتائی۔ وحدت۔ دوستی) میں آ جائیں اس کی یگانگی پیدا کر کے یگانگی میں آ جائیں یعنی ایک ہی کو شمار میں لائیں کہ "وہی" ایک ہی ہے جانیں سب کو ناپید (گم، نیست) (نہیں ہے) جانیں، ایک جانیں ایک ہو کر رہیں۔ قل ھو اللہ احد (اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیجئے کہ اللہ ایک و یگانہ و یکتا ہے) کی آیت شریفہ میں توحید ذاتی کا اشارہ ہے۔

(۱۰) **مراقبہ سویٰ**: (برابری) وہ یہ ہے کہ پروردگاری کے سارے علامات کو بلند تر مرتبہ میں لائیں۔ عالم (دنیا جہاں) کو پست کر دیں۔ نیچا دکھائیں۔ مطلب یہ کہ غلبۂ ربوبیت (الوہیت کا زور اور قوت) حاصل کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ (ہم دکھلاتے ہیں ان کو نشانیاں اپنی۔ آفاق یعنی ملکوت میں) ہم اپنی نشانیاں پوری کرتے ہیں اور ان کو بالاتر مراتب یعنی ملکوت اعلیٰ عنقریب دکھلاتے ہیں۔

---

[1] ظاہر و پیدا ہوتا ہوں ظاہر و پیدا ہوں سمجھتے ہیں۔
[2] قیامت کے دن ہر وہ جیسا کہ دعویدار ہے اس کو اس کے رب یعنی ہمارے سب کے رب کے پاس لے آئے گا۔

(۱۱) مراقبہ شہود : وہ یہ ہے کہ ہر وقت اس کو حاضر جانیں یعنی یہ کہ وہ ہر دم ہر وقت ''سامنے ہے'' ''موجود ہے'' سمجھتے رہیں یہ یقین رکھیں کہ اس کی الوہیت کی سارا عالم گواہی دے رہا ہے کہ وہی شاہد و مشہود (دیکھتا۔ دکھتا) ہے اسی میں مستغرق ہو جائیں۔ اسی دُھن میں لگ جائیں۔ لگے رہیں۔

(۱۲) مراقبہ وجود : یہ جاننا ہے کہ وہ ہر جگہ ہے اَیْنَمَا تَوَلُّوْا فَثَمَّ وجھه الله (جدھر بھی رخ ہو ادھر اللہ کی وجہہ ہے) کی آیت کے لحاظ سے۔ جہاں کہیں تم ہو۔ وہاں اللہ کی ذات موجود ہے۔ اس میں مستغرق ہو جائیں۔

(۱۳) مراقبہ سرادق : وہ یہ ہے کہ دل میں اس کا تصور (خیال) لاتے رہیں۔ اس میں اپنے دل کو لگائے رکھیں۔ جس رنگ میں بھی ہو لیکن سونے کا رنگ (پیلا رنگ) بہتر ہے۔ یہ جانیں کہ دل کے اندر اس کے ٹھہرنے' قرار پانے کی جگہ ہے۔ اسی میں منہمک مستغرق ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ الم تر الیٰ ربك کیف مدظل (کیا تم نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف کہ اس نے سایہ کو کیسا پھیلایا ہے) یعنی کیا آپ نہیں دیکھتے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پروردگار کی طرف کہ وہ سایہ کو کس طرح دراز کرتا پھیلاتا ہے اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ امتداد ظل (سایہ کا بڑھنا۔ پھیلنا) اس کا پردہ ہے (خیمہ ہے) وجود آفتاب ہے۔ جو مقصود ہے جس کی طلب ہے۔

(۱۴) مراقبہ جمال : وہ یہ ہے کہ خیال کو اس کے ڈھونڈھنے' اس کی تلاش میں لگائے رکھیں' اسی خیال میں ڈوب جائیں۔ اسی دھن میں رہیں کہ فَاَمَّا ان کان من مقربین فروح (یعنی یہ سمجھتے رہیں کہ جو بھی اس کے مقربوں (پاس والوں) میں سے ہیں وہ راحت میں ہیں یہ پہلے مراقبہ کا ایک جُزو ہے۔

(۱۵) مراقبہ مصدر و مرجع : (اترنا اور لوٹنا) وہ یہ کہ اسی خیال میں لگ جائیں کہ وہی وہ ہے کہ ظاہر کرتا ہے اور لے جاتا ہے۔ ھُوَ یُبْدِیءُ وَیُعِیْدُ (وہی ابتدا کرنے والا نازل کرنے۔ نزول میں لانے والا۔ انتہا کرنے۔ واپس بلانے لوٹا لے جانے والا ہے۔)

(۱۶) مراقبہ ارتسام : (منقش کرنا۔ تصویر کھینچنا) وہ یہ ہے کہ ان چار سورتوں یعنی والعصر۔ والضحیٰ۔ واللیل۔ والشمس کو کھلے الفاظ میں خیال میں معنی کے ساتھ ادا کرتے رہیں۔

(۱۷) مراقبہ امانت : وہ یہ ہے کہ خود کو امین (امانت کا رکھنے والا) اور جو کچھ سامنے ہے اس کو امانت تصور کریں۔ یہ جانیں کہ یہ مقام تسلیم ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً۔ (اور اٹھالیا اس کو انسان نے' وہ ظالم اور جاہل ہے) مطلب یہ کہ آدمی نے امانت کا بار اٹھالیا حالانکہ وہ نادانی اور اندھیرے میں ہے۔ اس نے نتائج (مرادیں مطالب انجام کار) وعواقب (پیچھے آنے والی چیزوں باتوں) سے لاپرواہی برتی۔ لوازم واجبات امانت (امانت لینے سے کن کن شرائط کے ساتھ کیا کیا ضروری امور کرنے ہوں گے) کو نظر میں نہ لایا۔ اس طرف توجہ تک نہ کی۔ امانت کے حوالہ وسپرد کرنے والے پر نظر رکھی۔ جو لاد دیا' لاد لیا۔

(۱۸) مراقبہ پیر : وہ یہ ہے کہ پیر کی اطاعت کرے اس کی اتباع پیروی میں آجائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (جس نے رسول کی پیروی کی اس نے اللہ کی پیروی کی) قاضی عین القضاۃ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مرید کے دل میں پیر خود کو دیکھتا ہے۔ مرید پیر کے دل میں خدا کو دیکھتا ہے۔

(۱۹) مراقبہ مرأت (آئینہ) : وہ یہ ہے کہ اپنے خیال میں اپنا سیدھا مضبوط راستہ رات دن ڈھونڈھتے رہیں کہ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (البتہ میرا پروردگار سیدھے مضبوط راستہ پر ہے) سے اپنی راہ نمائی کریں اسی کو برتیں۔

(۲۰) مراقبہ اشیاء : (چیزیں) وہ یہ کہ اپنے خیال میں یہ جانیں اس خیال کو پکائیں کہ وہی سب چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ جو کچھ کرتا ہے وہی کرتا ہے۔

(۲۱) مراقبہ ھویت : (ہے پن۔ ہوتا پن۔ وحدت) وہ یہ کہ اللہ کی ذات کے سوائے جو بھی ہیں وہ محو ہیں (مٹنے والے۔ گم ہونے والے نابود ہیں) جانیں۔ کونہ وجودہ (اس کی کائنات ہی اس کا ہوتا پن ہے۔ اس کا ہونا ہی اس کا وجود

ہے) یہ بھی اُسی قسم کا مراقبہ ہے۔

(۲۲) **مراقبہ ہیبت** : وہ یہ کہ دل میں اس خیال کو جمائیں، ٹھہرائیں کہ حشر کے میدان میں سب کے سب جمع ہیں۔ اس کی ہیبت سے ڈرے ہوئے۔ لرزے ہوئے پریشان۔ ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے ہیں۔ قضاء اللہ (اللہ کے ارادہ) کا حکم ہر طرح سے ہر طریقہ سے ہر طرف چل رہا ہے۔ لِمَنُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّار (کس کے لئے آج کا دن ہے صرف اللہ ہی کے لئے جو ضابط ہے) سے دل میں یہ ٹھان لیں کہ اب یہ فرمان آرہا ہے کہ آج کی سلطنت حکمرانی کس کے لئے ہے آج کا دن خدا ہی کے لئے ہے، کہ وہ ایک اور تنہا ہے۔ کسی وزیر و شریک کے بغیر تمہارے مقصود کا توڑنے والا ہے۔ اسی حساب و عذاب کے ہر مرحلے میں ڈوب جائیں۔

(۲۳) **مراقبہ وجهه اللّٰه** : وہ یہ کہ "وجود کل" کے تصور کے ساتھ۔ كُلُّ شَئْیُ هَالِكَ اِلَّا وَجْهَهٗ (ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ اس کی ذات کے سوا) کو تسلیم کرلیں یعنی سر جھکائیں مانیں۔ مطلب یہ کہ سب معرض ہلاکت میں ہیں۔ (مٹ مٹا جانے والے ہیں) صرف وہی باقی رہنے والا ہے۔ اسی کے وجود کو بقا ہے) میں خود سے اس میں درو ہو جائیں (اتر جائیں) یعنی اپنے آپ سے اس میں محوگم ہو جائیں اور اسی کی وجہ رہ جائے۔

(۲۴) **مراقبہ خاتم** : وہ یہ کہ بائیں جانب جنت، دائیں جانب دوزخ۔ خداوند تعالیٰ کو حساب لینے والا جانیں۔ یہ مراقبہ نہیں۔ پریشانی ہی پریشانی ہے۔ تشویش ہی تشویش ہے۔ ٹھیک بات یہی ہے۔

(۲۵) **مراقبہ عرش**: وہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اعلیٰ مقام انتہائی درجہ پر، عرش پر تصور کریں۔ یہ جانیں کہ عرش پر ہیں۔ ثُمَّ اسْتَوىٰ عَلَى الْعَرْش (پھر برا جا عرش پر) کو یوں سمجھیں کہ وہ جلدی کر رہا ہے تاکہ اس طرح مربع چوزانو بیٹھے کہ وہ فرماتا ہے کاستوی هذا۔ (چوزانو ہو گیا اس طرح)

(۲۶) **مراقبہ ورئی** : وہ یہ ہے کہ خود کو مقام نسیان (بھول۔ فراموشی) میں لے آئیں ڈال دیں کہ نہ عین ہے نہ شہود۔ نہ وجود ہے نہ بود۔ نہ لذت ہے نہ ذوق ہے نہ شوق۔ نہ فنا ہے نہ بقا۔ نہ ازل ہے نہ ابد۔

(۲۷) **مراقبہ محاسبہ** : وہ یہ کہ اپنے آپ کو حِسَاباً یَّسِیْراً (باریک جانچ) کے مرتبہ میں رکھے رہیں۔ ضمانت (قبولیت و کفالت) کے ساتھ کھڑے رہیں۔

(۲۸) **مراقبہ صور و اشکال** : وہ یہ کہ یہی صورتیں اسی طرح کی شکلیں وجود کے میدان میں آتی ہیں یہی سب کچھ ہیں، جانیں۔ اچھی طرح سے تصدیق کریں اس کی سچائی کو مانیں کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (البتہ پیدا کیا ہم نے انسان کو اچھی بناوٹ میں) جو کچھ ہے یہی ہے۔ یہی صورتیں شکلیں سب کچھ ہیں جانیں۔ استغفر اللہ۔ (پناہ طلب کرتا ہوں پناہ میں آتا ہوں اللہ کی) ایسا مراقبہ کرنا۔ گناہ کرنے کے جیسا ہے۔

(۲۹) **مراقبہ کرام**: وہ یہ ہے کہ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ۔ (البتہ بزرگی دی ہم نے آدم کی اولاد کو) کو تصور میں لائیں کہ اسی نے آدمی کو بزرگی دی ہے۔ کرامت اسی کی خصوصیت ہے۔

(۳۰) **مراقبہ نزاھت** : وہ یہ ہے کہ اپنے کو پاکی و نیکی کی تصویر بنائے رہیں تاکہ قدوس (پاک سے پاک) سے پیوند پا جائیں۔ ایک ہو جائیں۔ مل جائیں ایک سے ہو جائیں تاکہ وہ پاکی نیکی کی راہ بتلائے۔ پاک و نیک کر دے۔ تنزیہ ہاتھ آ جائے۔

(۳۱) **مراقبہ خدا** : وہ یہ کہ کسی وجود کو دل میں موجود نہ دیکھیں۔ صفت ہویت کہ لا الہ الاّ ھو (نہیں ہے کوئی بندگی کے لائق مگر وہ) ہے وہ اس کام کو آگے لے جاتی ہے۔ ترقی پر پہنچاتی ہے۔

(۳۲) **مراقبہ فردانیت** : وہ یہ کہ احدٌ۔ فردٌ۔ صمدٌ کا تصور ہے اور عمل اس مراقبہ کا بھی یہی ہے کہ ایک ہے، یکتا ہے، پناہ بندگان ہے۔

(۳۳) مراقبہ صمدیت : وہ یہ ہے کہ صمدیت میں صرف جولانی کریں (انتہائی بے نیازی میں ڈوب جائیں۔ پناہ میں آ جائیں۔ چھلانگ ماریں) کہ لا فصل ولا وصل ولا قرب ولا بعد (نہ جدائی ہے نہ ملاپ نہ نزدیکی ہے نہ دوری) وہی وہ ہے اور ہے۔

(۳۴) مراقبہ عین : وہ یہ ہے کہ اس کی ذات کا اپنی حقیقت بصر (اندرونی روشنی بینائی) کو دیکھنے والا بنائے رہیں۔ سراپا نظر بنے رہیں۔ ناظر منظور نظر کو ایک جانیں۔

(۳۵) مراقبہ وحدت: وہ یہ کہ۔ وہ ایک ہی ایک ہے۔ وہی وہ ہے' میں رہیں کہ علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔ العلم نقطه کثرها الجهل (علم ایک نقطہ ہے جاہلوں نے اس کو پھیلا دیا ہے) اوروں نے بھی علم کو کلمہ۔ حرف اور نقطہ کہا ہے۔

(۳۶) مراقبہ کثرت: وہ یہ کہ اس تصور میں رہیں کہ جاتے ہیں۔ پکڑتے ہیں' وہم کو اعلیٰ علیین کی پرواز میں لے جائیں۔ اس کے اثر کو دیکھیں بلکہ اس سے زیادہ اس کو دیکھیں۔ یہ عجیب با اثر مراقبہ ہے۔ کسی کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی۔ اے محمد حسینی۔ ایسے ہی اسی طرح کے مراقبے بہت ہیں اسی پر ختم کر دو۔ والسلام

تمّت الرسَالہ
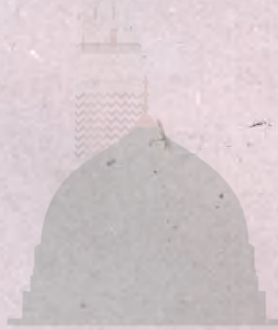
ترجمہ یازدہ رسائل

رسالۂ نہم

شرح بیت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ

از تصنیف

حضرت قطب الاولیاء امام الاصفیا خواجہ صدر الدین ابوالفتح سید محمد حسینی

گیسو دراز بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبد الصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم۔

نہ دریائے شہادت چون نہنگ لا برآرد ھو تیمم فرض گردد نوح را در عین طوفانش

(جب دریائے شہادت سے لا (نہیں) کا مگرمچھ سر اٹھاتا ہے نوح علیہ السلام کے لئے عین طوفان میں تیمم فرض ہو جاتا ہے)

سمجھدار بھائی۔ صحیح و درست عقل رکھنے والے۔ یہ سمجھ لو کہ شہادت کے دریا سے مراد عالم شہادت ہے۔ جس کو عالم ملک اور عالم ناسوت بھی کہتے۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ضرور ہوا کرتا ہے۔ الی تسعة البطن (نو ۹ باطن تک) نوح سے وہ سالک مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے کرم سے سلوک میں آ کر سچائی کے ساتھ اپنا مضبوط قدم باطنی سفر میں بڑھاتا ہے، چلنے لگ جاتا ہے تو اس کا وجود ظاہری ظلمانی جس کو شہادت کا دریا کہا گیا ہے وہ اس کو فانی کر دیتا ہے۔ یعنی وہ اپنے اخلاق کو تبدیل کر کے۔ اپنے آپ کو صاف (ستھرا) شفاف (پاکیزہ) بنا لیتا ہے۔ تو آئینہ کی طرح ہو کر عکس پذیر (صورت کو لینے کے قابل) ہو جاتا ہے تو حبیب یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں اس کے وجود کی کشتی ندامت (شرمندگی) ضلالت (گمراہی) کے بھنور میں آ جانے، گھر جانے سے بچ جاتی۔ جس کسی نے یہ کہا ہے۔ خوب کہا ہے۔

چون ترا از تو پاک بستانند دولت آن دولت است کار آن کار

(جب تجھ کو تجھ سے پورے طور سے لے لیتے ہیں تو دولت وہی ہے اور کام بھی وہی کام ہے)

جب یہ طے ہو جاتا ہے تو عالم ملکوت کہ عالم ظاہر کا باطن ہے۔ ظاہر ہو جاتا ہے تو لاہوت کے وہ اسرار (راز) جس کا اشارہ نہنگ سے کیا گیا اس میں ظاہر اور ظہور پذیر ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ دریا میں غوطہ لگانے والا۔ دریا سے موتی نکال لاتا ہے۔ اسی

طرح اس دریا کا جاننے والا اپنی مراد اپنے میں پا کر اچھی سرفرازی دلربائی کیا کرتا ہے اس کو یگانگی واخلاص (دوستی' بے کھوٹ محبت) کے کانوں سے سن لو۔

رسیدم من بدریائے کہ موجش آدمی خوار است — نہ کشتی اندراں دریا نہ ملاحے عجب کار است
(میں ایسے دریا میں پہنچ گیا جس کی موج آدمی کو کھانے والی ہے۔ — اس دریا میں نہ کشتی ہے نہ کشتی کا کھینے والا۔ عجیب کام ہے اور عجیب بات ہے)

حق سبحانہ' تعالیٰ کے کرم سے جب سچا عاشق۔ صحیح طالب' صحیح سچی طلب سے قدم آگے بڑھاتا ہے۔ یعنی جب یہ چاہتا ہے کہ اس دریا میں "تیرے" پیراکی کرے تو اللہ تعالیٰ کے دبدبہ کے کمال (عظمت کے چھا جانے سے) اس کے دباؤ (غلبہ وزور) سے اس کے وجود کی کشتی کے جوڑ جوڑ الگ ہو جاتے ہیں۔ صبوحی قدوسی کی موجوں کے تھپیڑے لگنے لگتے ہیں۔ جس کی وہ تاب نہیں لا سکتا۔ جس کو طوفان کہا گیا ہے وہ ایک ظہور ہے۔ وہ ایک ایسی تجلی ہے۔ جس میں وہ محو فی محو (گمی میں گمی) طمس فی طمس (ناپید میں ناپید) رمس فی رمس (مٹی میں مٹی) اسی طرح ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ **الحادث اذا قرن بالقديم لم يبق له اثر** (نوپیدا جب قدیم کے نزدیک ومقابل ہو جاتا ہے تو اس کا کوئی وجود یا اس کا نقش نہیں باقی رہتا۔) اُمینی قد س سرہ۔ وحدت کے دریا سے کیا ہی اچھا موتی ہاتھ لا کر جان کا گوشوارہ بنائے ہوئے ہیں۔

عشق است ز عالم الٰہی — معلوم کسے نشد کماہی
(عشق عالم الٰہی سے ہے — کسی کو جیسا کہ وہ ہے معلوم نہ ہوا)
ہر کس کہ رسید گشت خاموش — وانکس کہ چشید گشت مدہوش
(جو پہنچ گیا وہ چپ ہو گیا — جس نے چکھ لیا وہ بے ہوش ہو گیا)

اللہ تعالیٰ کے کرم اور حبیب اللہ محمد رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل میں جب سالک واصل (خدا سے ملا ہوا۔ خدا کا راستہ چلنے والا) اس مرتبہ اس رتبہ کو پہنچ جاتا ہے تو "دربار خدائی" سے عنایت آتی ہے جو سالک کی کشتی کو اخلاص کے جزیرے

میں پہنچادیتی ہے۔فِیْ مَقْعَدَ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِكٍ مُقْتَدِرٍ (سچائی کی بیٹھک پر صاحب اقتدار بادشاہ کے پاس) کے حجرہ بٹھلا کر معشوقی ومحبوبی کے لباس الانسان سری اَنَا سرّہ (انسان میرا راز ہے اور میں اس کا راز) جس کی تعریف کی گئی ہے۔مہربانی و شفقت کی صفت میں لاکر سالک واصل کے وجود کو جو خاک ہے۔جس سے تیمم مراد ہے۔لباس پہنادیتی ہے۔محبوبی کا تاج کس کا وصف یحبھم و یحبونه (وہ محبت کرتا ہے ان سے وہ محبت کرتے ہیں اس سے) ہے اس میں وہ موتی جس کی قیمت ٹھہرائی نہیں جاسکتی جوڑ جما کر اولیای تحت قبائی لا یعرفھم غیری (میرے ولی میری قبا کے نیچے ہیں میرے سوائے کوئی انہیں نہیں جانتا) اس کے سر پر رکھتی ہے۔عاشقی صادقی کی قبا جس کو ازل کے درزی نے فنافی اللہ کی قینچی سے کاٹ کر بقاباللہ کی سوئی' شریعت کے دھاگے' طریقت کے ٹانکے' حقیقت کے سنجاف سے سیا تھا۔اس کو اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواہر سے زر دوزی کے بعد ٹھیک ٹھاک کر کے خوشبو سے بسا کر' عطریات سے معطر کر کے پہنانے کے بعد وحدت کی براق پر' خدائی کی باگ ہاتھ میں دے کر دلربائی کی زین کے رکاب میں پاؤں رکھوا کر برابر کرا کے مراد کی لگام انکساری کا چابک ہاتھ میں دے کر معرفت توفیق الٰہی کی چیز اس کے سر کے اوپر لہرا کر نقیب کی طرح اِلیّ اِلیّ (میری طرف آ۔میری طرف آ) کہتے ہوئے صمدیت کے محل میں جو کہ بارگاہ الوہیت کے معشوقوں محبوبوں کا مقام ہے' اتار دیتی ہے۔کشتی وصال بے مثال میں بٹھلا کر انوار محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھولوں سے اس کے چہرے کو آراستہ کر کے وصال کے گانے گانے ولا ساز ہاتھ میں دے کر جلوہ دیتا ہے کہ الانسان سری وصل بی (انسان میرا راز مجھ سے مل گیا) اس مقام میں پہنچنے کے بعد سالک دیکھتا ہے کہ حضرت سرور پیغمبران۔امام واصلان۔سب محبوبوں معشوقوں کے سرتاج تخت نبوت پر جلوہ آراء ہیں۔موتی نچھاور کر رہے ہیں۔جواہر بکھیر رہے ہیں۔زبان مبارک سے جو کچھ فرمایا جارہا ہے اس کو رشتہ جان میں منسلک کر لیتا ہے کیونکہ آپ کا فرمان ہے کہ لی مع اللّٰہ وقت لا یسعنی فیه ملك مقرب ولا نبی

مرسل (میرا اللہ کے ساتھ ایک وقت ہے جس میں کسی فرشتہ کی جو مقرب ہے کسی نبی و مرسل کی گنجائش و رسائی نہیں ہے) یہ بھی دیکھتا ہے کہ حضرت سرور اولیاء علی مرتضیٰ علیہ السلام کرم اللہ وجہہ بھی اسی مقام میں خلافت کی کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ زبان سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ زبان مبارک سے فرما رہے ہیں۔ لو کشف العطاء ما اذدت یقیناً (اگر پردہ اٹھ جائے تو یقین میں کچھ اور زیادہ نہ ہو) ہائے ہائے بیچارہ نیست نابود (مرمٹا ہوا) مبتلا حیران (عاشق شیفتہ) نے کیا اچھا اشارہ کیا اور کیسا بہتر اس کا نظارہ ہے۔ اس کو استغراق (انہماک کے ساتھ اس میں ڈوب کر) کے کانوں سے سنو۔

درمیان صد ہزاراں گر یکے راشد وصال	زندۂ جاوید گشت او گرچہ حیراں شد چہ شد
(لاکھوں میں اگر ایک کو وصال میسر ہو گیا تو	وہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گیا حیران ہو گیا تو کیا ہوا)

ایک اور عاشق واصل نے کیسی اچھی نظر پیدا کی ہے اس کو بھی معرفت کے کانوں سے سنو۔

اے نسخۂ نامہ الٰہی کہ توئی	وے آئینہ جمال شاہی کہ توئی
(اللہ کے خط کا خلاصہ تو ہے	بادشاہی جمال کا آئینہ تو ہے)
بیروں ز تو نیست انچہ در عالم ہست	در خود بطلب ہرانچہ خواہی کہ توئی
(جو کچھ عالم میں ہے وہ تجھ سے باہر نہیں	اپنے آپ میں طلب کر۔ جو کچھ ہے تو ہے)

اس مقام میں سرور عالمین، امام الواصلین۔ رسول رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ من رانی فقد راء الحق (جس نے مجھ کو دیکھا۔ اس نے حق کو دیکھا) انا احمد بلا میم (میں وہ احمد ہوں جس میں میم نہیں)

سبحان اللہ (پاک ذات اللہ) عاشق مبتلاء اصل منتہیٰ کے لئے لازمی ضروری ہے کہ وہ اس مقام میں قرار لے لے۔ ٹھہر جائے۔ یعنی یہ وہ مقام جو جمع الجمع ہے اس میں اپنا ٹھکانہ بنا لے۔ وطن قرار دے لے کیونکہ یہاں طالب مطلوب، مطلوب طالب ہو گیا ہے۔ اس لحاظ سے سالک واصل کے لئے تیمم فرض ہو جاتا ہے۔ یعنی تجلیات انوار معشوقی محبوبی میں اگرچہ وہ بظاہر خاکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ باقی ہو کر

ظہور کیا ہوا ہے۔ اس کے فیض نے اس کو سنوارا بنایا ہے اس میں رنگ بھر دیا ہے۔ اس لئے اس حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے جمال میں اپنا مبتلا آپ ہونا پڑتا ہے۔ چنانچہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ النهايت رجوع الى البدايت (انتہا ابتدا کی طرف لوٹتی ہے) کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

دانی چہ راز ہاست دریں پردۂ وجود   کیں جلوہ ہائے خویش خدائی کہ خودنمود

(تم کیا کچھ جانتے ہو کہ اس پردہ وجود میں کیا کیا راز ہیں   یہ وہ جلوے ہیں کہ خدا نے خدائی میں خود کئے ہیں)

پاک ذات اللہ بے گنتی تعریف اسی کے لئے۔ اس مقام سے دور کون سا مقام بالا و برتر ہو سکتا ہے۔ انتہائی اعلیٰ مقام ہے۔ فافهم واغتنم (سمجھ لے اور غنیمت جان لے) مَنْ ذَاقَ عَرَفَ مَنْ عَرَفَ وَصَلَ مَنْ وَصَلَ لَا يَرْجِعُ (جو چکھا وہ جان گیا جو جان پہچان لیا وہ مل گیا جو مل گیا وہ واپس نہیں آیا) ایک با خدا دیوانہ خدا کے ساتھ ہو کر اردو زبان میں کیا اچھا دوہرہ کہا ہے۔ اس کو وصال کے کان سے سن لو۔

ہیرت ہیرت اے سکھی ہوں بنی کی ہیرائے   بوند جو پڑی سمندر میں کیوں ہیرے جائے

سبحان اللہ (پاک ذات اللہ) یہ کیا جلوہ گری اور کیسی جلوہ گری کمال کے ساتھ ہے۔ تیرے انتہائی کرم سے اور تیرے حبیب کی محبت کے طفیل میں یہ جلوہ وصال؛ گوہر مثال اس بساط پر انبساط کے ساتھ ہاتھ آ جائے۔ میسر کرا دیا جائے۔ بحرمت محمد واله الا مجاد و تمّم بالخير والصواب واليه المرجع والماب (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی جیدّ آل کے حرمت سے۔ خیر کے ساتھ خاتمہ ہو اور بہتری نصیب ہو۔ اسی کی طرف لوٹنا اور وہی پہنچنے کی جگہ ہے۔ اسی کی طرف ہے۔) والسلام

تَمَّتُ الرِّسَالَةُ وَالتَّرْجَمَةُ

ترجمہ یازدہ رسائل

رسالۂ دہم

عاشق

رسالہ در بیان عشق

مصنفہٗ

قطب الاقطاب حضرت سید محمد حسینی خواجہ گیسودراز بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبدالصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ العزیز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عاشق عشق کے دریا میں ڈوبا ہوا رہتا اور ہوتا ہے۔ اس کے باوجود بھی خود کو عاشق نہیں جانتا۔ عشق سے انکار کرنے والا ہوتا ہے۔ بہت ساری دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ عشق الٹے، سیدھے، ٹیڑھے، بانکے حرف لکھتا اور الٹی سطر پڑھا کرتا ہے۔ نقیض (ہر شے کا ضد۔ توڑنے والا) کہہ کر محمول (خبر) بے موضوع (مبتدا کے بغیر) مراد لیتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عاشق پر عشق غلبہ کرتا ہے تو وہ معشوق کو بھی گم کر دیتا ہے اس سے معشوق گم ہو جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عاشق معشوق کو بغل میں دابے ہوئے بوسہ لیتا، گردن میں ہاتھ ڈالے ہوئے بھی عشق سے فارغ نہیں ہو جاتا۔ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ عین وصال میں عشق کی لہریں زور سے چلنے لگتی ہیں۔ وصال جتنا زیادہ ہوتا جاتا ہے اسی قدر عشق اور شوق غالب آتا جاتا ہے۔ عشق بڑھتا جاتا ہے۔ جتنا ٹھنڈا پانی پیتا جاتا ہے پیاس اور بڑھتی جاتی، دوگنی ہوتی جاتی ہے۔ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ جب عشق میں کمی پاتا ہے تو اور زیادہ ہونے کے لئے روتا چیختا چلاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معشوق عاشق اور عاشق معشوق ہو جاتا ہے۔ لیکن سرافراز معشوق توجہ و شوخی نہ ہونے سے، اپنے روکھے پن سے کسی مراد تک اس کو پہنچنے نہیں دیتا۔ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ عاشق عشق کے بہاؤ میں وَمَنۡ مِّثۡلِی وَ رب العرش محبوبی (اور کون ہے مجھ جیسا اور عرش کا پروردگار میرا معشوق ہے) سر اٹھائے ہوئے رہتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ معمولی آدمی بادشاہ کا عاشق ہو جائے اور یہ بڑھ ہانکے کہ دنیا جہان کا بادشاہ میرا معشوق ہے۔ بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ عاشق خود اپنے اختیار سے جدائی کو پسند کر لیتا ہے اور بعض دفعہ تو وصال ہی سے رونے لگتا ہے۔ بعض دفعہ عاشق معشوق کے شہر سے

چل دیتا' مسافرت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ عاشق معشوق ایک ہی بستر میں ہوتے ہیں لیکن ایک کو دوسرے کی خبر نہیں ہوتی۔ باوجود اس کے بھی ایک ذوق میں ہاتھ سے اس کو خوب مضبوط پکڑا ہوا ہوتا ہے لیکن سبب معلوم نہیں ہوتا۔ اگر معشوق غصہ میں آ جائے تو عاشق کے لئے کیا تدبیر کرنی ضروری ہے۔ جب کہ وہ کسی بات سے راضی نہیں ہوتا اور راضی تھا' نہ ہے۔ وہ یہ کہ عاشق کو اپنی آنکھیں بند کر لینی چاہئیں اور اپنے متخیلہ (قوت خیال۔ نام ایک قوت کا جو دماغ میں ہوتی ہے) میں اس کی صورت کی تصویر بٹھانی چاہئے۔ اتنا خیال باندھنا چاہئے کہ وہ جو تجھ سے بیزار اور خفا تھا وہ اب رات دن تیرے پہلو میں تیرے ساتھ تیری مراد کے موافق ہے۔ کچھ سمجھے کہ کام کس حد تک پہنچ گیا۔ یہی کہ انت مصيطر عليه وليس هو مصيطر عليك (تو اس پر نگہبان ہے وہ تجھ پر نگہبان نہیں) کبھی یہ ہوتا ہے کہ عاشق معشوق کو گالیاں دیتا ہے۔ بکتا ہے برا بھلا کہتا ہے۔ معشوق بدترین گالیاں انتہائی برے کہنے کو مزے لے کر چاہتا ہے کہ کہے اور خوب کہے۔ یہ سب کچھ انتہائی محبت کی وجہ ہے کہ وہ شاباشی دیتا ہے کہ اسی کا چاہا ہوا اس کا چاہا ہوا ہے۔ یہ وہ کہتا ہے جو دوسرا نہیں کہہ سکتا اس کی وجوہات و اسباب بہت ہیں۔ عاشق کی یہی چیز دکھانے کی ہوتی ہے۔ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ معشوق کے احترام اس کی عظمت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے وصال کا منتظر نہیں رہتا مگر وہ ہر دم ہر لحظہ اس کے لئے تڑپتا جلتا ہے۔ ادب کا پاس و لحاظ اس کو مقصود سے روکے ہوئے رہتا ہے۔ انتہا یہ ہوتی ہے کہ وہ محروم رہ جاتا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر عاشق معشوق کے وصال سے لذت پانا چاہتا ہے تو یہی اس کا چاہنا اس کے لئے رَدّ (پھیر دینا۔ نہ ماننا) طرد (دور کرنا۔ ہنکانا) کی وجہ بن جاتا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معشوق دو چیزیں عاشق کے سامنے لاتا ہے جو اعتبار (امتحان کرنا۔ ایک کو دوسرے پر سے قیاس کرنا) ہوتے ہیں۔ اگر ایک اعتبار کی رعایت کرتا ہے تو دوسرے اعتبار کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے۔ دوسرے کو اگر مدعیٰ رکھتا ہے تو پہلے کی وجہ سے الزام دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابلیس علیہ اللعنۃ اور آدم علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ ابلیس کو فرمان ہوا کہ آدم کو سجدہ کر۔ ابلیس کے

پیش نظر دو باتیں ہو گئیں وہ یہ کہ سجدہ کرے یا نہ کرے۔ اگر سجدہ کرتا ہوں تو کہیں یہ نہ پوچھ بیٹھیں کہ تجھ کو ہم سے محبت کا دعویٰ تھا۔ تیرا عشق تیری محبت کیا ہوئی۔ وہ کچھ بھی نہ تھی اس لئے تو ہمارے سامنے غیر کو سجدہ کیا اس کے سامنے اپنی پیشانی رگڑی۔ اگر نہیں کرتا ہوں تو یہ نہ کہیں کہ تو نے ہماری نافرمانی کی' ہمارا حکم نہ مانا۔ اگر تجھ میں ہماری دوستی محبت ہوتی' ہمارا سچا محبت مند ہوتا تو ہمارا کہا ہوا کرتا۔ یہ حالت' ایسی صورت عاشق کے لئے مشکل ترین ہوتی ہے۔

اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ عاشق و معشوق میں جھگڑا۔ بحث۔ سخت باتیں ہوتی ہیں برا بھلا کہنا سننا ہوتا ہے اور عاشق وصال میں ہوتا ہے۔ آپس میں اخلاص خصوصیت محبت ہوتی ہے۔ ایک اپنے آپ کو دوسرے پر فدا کرتا ہے۔ اس کے باوجود بھی ایسی افتاد بڑھ جاتی ہے لیکن ان دونوں میں دوستی' محبت کا دعویٰ ایک ہونے کا ادعا ہوتا ہے۔ دائم اللہ (اللہ کی قسم) انہیں اتنی بیگانگی (دوری) ہے جو مشرق کو مغرب سے ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی دور۔ معشوق عاشق سے وصال (ملنے' ایک ہونے) کا وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرتا ہے لیکن عاشق اس کو ظلم نہیں کہتا۔ ظلم سے نسبت نہیں دیتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ ایسا ہی ہونا تھا' ہوا۔ ہاں معشوق سے یہ ضرور کہتا ہے کہ آپ نے وعدہ کیا' پورا نہ کیا۔ عاشق سوتا ہے تا کہ معشوق کے جمال کو خواب میں دیکھے۔ معشوق اس پر راضی نہیں ہوتا' خواب میں نہیں آتا۔ اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے۔ وہ روتا ہے۔ معشوق اس کے سچے عشق و عاشقی کو کاٹ دیتا ہے۔ عاشق دن بھر سوتا ہے ساری رات سوتے گزار دیتا ہے۔ آنکھ کھولنے کی فرصت نہیں پاتا اس کا دل ایک بات پر ٹھہر گیا۔ ایک خیال نے اس کو گھیر لیا۔ دماغ تر ہو گیا۔ وہ سونے لگ گیا۔ اگر ہلاؤ تو ہوشیار ہوتا ہے۔ عاشق نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ قرار سے رہتا ہے۔ کچھ کھا لیتا۔ کچھ اونگھ لیتا ہے وہ ایسا ہوتا ہے جیسا کہ کسی توے پر دانہ۔ عاشق جینے کو پسند بھی کرتا ہے اور یک دم مر جانا بھی چاہتا ہے۔ عاشق بیمار ہونا چاہتا ہے اور خود کو صحت مند۔ تندرست۔ قوی بنائے رکھنا بھی چاہتا ہے۔ یہ امید رکھتا ہے کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کو مجھ سے تنگ ہونے

کی وجہ نہیں۔ عاشق ہمیشہ جادو، ٹونے، تعویذ، فلیتے میں مشغول رہتا ہے۔ عاشق معشوق کے لوگوں سے میل ملاپ، رعایت مروت کرتا ہے۔ ہر ایک کے ساتھ ایک خصوصیت پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ لوگ اس کو اپنا سمجھیں۔ رنج و خوشی میں اس کا ساتھ دیں۔ عاشق معشوق کی گلی میں بڑی چالیں چلتا ہے۔ مکر و حیلہ بہت کیا کرتا ہے۔ عاشق صلاح و تقویٰ اختیار کرتا ہے (نیک، پرہیزگار بنا ہوا رہتا ہے) تاکہ معشوق اس سے نہ گھبرائے نیک اچھا سمجھ کر تھوڑی دیر کے لئے اس کے ساتھ بیٹھ جائے۔ عاشق کبھی کبھی جھوٹ بھی بول جاتا ہے۔ اپنے عشق اپنے مر مٹنے کو ذریعہ بنایا ہوا رہتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میری مراد ہاتھ نہ آئے تو ابھی مرجاتا ہوں اس کے بغیر جی نہیں سکتا۔ ممکن ہے وہ سالہا سال تک جیتا رہے کیا کرے کہ اس کے لئے کوئی تدبیر اس کے سوائے نہیں۔ عاشق اپنے آپ کو دیوانہ بنالیتا ہے۔ بلا ضرورت۔ معشوق کی گلی کے چکر کاٹتا ہے اگر پوچھیں تو کہتا ہے کہ دیوانہ ہوں گھوما کرتا ہوں۔ عاشق کی علامت صبح سویرے آہ بھرنا۔ دھاڑیں مار مار کر رونا۔ چپکے چپکے رونا، آنسو بہانا ہوا کرتا ہے۔ عاشق بھائی بند اور عزیزوں سے بیگانہ ہوتا ہے لیکن معشوق کے راستہ اور اس سے معاملہ کرنے میں بیگانہ نہیں۔

عاشق عشق کی آگ سے ایسا نہیں جلتا کہ راکھ ہو جائے۔ ہوا میں اڑ جائے بلکہ کلما نصبحت جلودھم بدلنٰھم جلودآ غیرھا (جب چمڑیاں جل جاتی ہیں تو ہم دوسری کھال سے بدل دیتے ہیں) یعنی جلتا جاتا بنتا جاتا ہے۔

اے شمع مپرس از وصالت　　می سوزم و می سوزم
(اے شمع اس سے ملنے کو نہ پوچھ　　جلتا ہوں جلتا ہوں جلتا ہوں)

عاشق میں کھڑے رہنے۔ ٹھہرے رہنے کی قوت نہیں رہتی۔ جیسے ہی عشق کا تیر لگتا ہے فوراً گر پڑتا ہے۔ یہ ایسی افتاد ہے جس میں کھڑے رہ نہیں سکتے۔ عاشق اندھا بہرا ہوتا ہے۔ ایک دین رکھتا۔ ایک مذہب پر چلتا ہے۔ اس کا دین و مذہب معشوق کا راستہ ہے۔ عاشق کے گال زرد (پیلے)، چشم تر (آنکھ بہتی ہوئی) لب خشک (ہونٹ سوکھے ہوئے) آہ سرد (ٹھنڈی سانسیں) سینہ گرم (گرم آہیں) ہوتے ہیں اس کا تن

سوکھ کر کانٹا' اس کا کھانا پینا بہت ہی تھوڑا۔ عشق کے درد سے مرتا رہتا ہے۔ راستہ کے جاننے والے یہ کہتے ہیں کہ افسوس یہ بیچارہ عشق سے پھل نہیں پاتا' فائدہ نہیں اٹھاتا۔ عاشق فاسق (بے حکم نافرمان) نہیں ہوتا۔ اس کا فسق معشوق کی نافرمانی ہے۔ عاشق کاہل (سست) نہیں ہوتا۔ عاشق چالاک' اچھی چال کا ہوتا ہے۔ عاشق بہت ہی غافل ہوتا ہے۔ عاشق بے شرم بے حجاب ہوتا ہے۔ عاشق تنہائی اور گھر کے کسی کونے میں رہا کرتا ہے۔ عاشق سرراہ اور بازار میں بھی بیٹھتا ہے۔ عاشق جنگلوں' بیابانوں' غاروں میں رہا کرتا ہے۔ ذبول (لاغری پژمردگی) خمول (گمنامی) میں رہتا ہے۔ عاشق مرد باآبرو (باعزت شخص) ہوتا ہے۔ عاشق اپنی عزت و آبرو کا پاس رکھتا ہے۔ معشوق کے نہ ہونے کے باوجود معشوق سے مشغول و متوجہ رہتا ہے۔ عاشق نسبت و نسب پر ناز کرتا ہے۔ عاشق سویا ہوا اور اس کا دل معشوق کا نام لیتا رہتا ہے۔ معشوق کا نام اتنی زور سے لیتا ہے کہ مجلس کے سب حاضرین سن لیتے ہیں۔ عاشق بیچارہ ہر ایک کے ساتھ عزت کے ساتھ پیش آتا ہے۔ عزت کرتا ہے اور کبھی بڑی شان کے ساتھ رہتا ہے کسی کو پاس پھٹکنے نہیں دیتا۔ عاشق نے دو جگہ اپنا کمال دیکھا۔ قہر یہیں سے سر نکالا معمولی آدمی بڑے آدمی پر۔ بڑا معمولی پر۔ بادشاہ غلام پر۔ بھٹی جلانے والا بادشاہ پر۔ محمود ایاز پر۔ بھٹی جلانے والا محمود شاہ پر عاشق ہوا۔ عشق اپنے آپ میں ایک کشادگی (پھیلاؤ) وسعت (گنجائش) رکھتا ہے۔ ایک گیند عاشق کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ یوں سمجھو کہ وہ بہت ہی کم وزن بالکل سامنے ہے اس کا کوئی مد مقابل نہیں کہ گیند کو میدان سے لے جانے اور مقصود تک پہنچانے سے روکے۔ وہ شہسوار تنہا میدان میں اتر آتا ہے۔ گیند کھیلنا شروع کرتا ہے تو ہر طرف سے واہ واہ کی آوازیں آنے لگتی ہیں۔ عاشق معشوق کے بغیر جی نہیں سکتا۔ وہ رہے یا اس کا خیال یا اس کی یاد وہ عشق ہی سے غذا لیتا ہے۔ عشق اس میں اس سے کچھ باقی نہیں رہنے دیتا' اس سے اس کو لے لیتا ہے۔ اس کو ایسا کہاں ملتا ہے۔ اس لئے اپنے آپ کو دے دیتا ہے۔ معشوق سے بھی یہی طریقہ برتتا ہے۔ نہ عاشق رہتا ہے نہ معشوق۔ دونوں ہی عشق کے حوصلہ (ہمت) میں مٹ مٹا جاتے' ایک

جان ہو جاتے ہیں۔ حسن نے عشق پر سبقت پیش قدمی کی ہے۔ عشق ثابت قدمی کا دعویٰ رکھتا ہے کہتا ہے کہ اگر میں نہ ہوتا تو تیری خریداری کون کرتا۔ حسن یہ جواب دیتا ہے کہ اگر میں نہ ہوتا تو تو کیسے ابھرتا۔ عاشق باغوں اور جنگلوں میں جاتا ہے۔ درختوں کی بہاروں، پھولوں کو کانٹوں میں دیکھتا ہے۔ جس کسی کو عاشق دیکھتا ہے اس کو معشوق کہتا ہے۔ بادشاہ سلطنت کے تخت پر بیٹھے ہوئے عدل و انصاف سے فیصلے کرتا ہے کسی کو قتل کراتا، کسی کو بدلہ دلاتا۔ کسی کو سرفراز کراتا ہے۔ وزیر عزت کی مسند پر بیٹھا ہوا کاروبار سلطنت چلاتا ہے۔ چوکیدار ہاتھ میں ڈنڈا لئے دروازہ پر کھڑا ہے۔ روکنے جانے دینے میں ہوتا ہے۔ قاضی اجلاس پر بیٹھا ہوا مقدمات کی سماعت کرتا ہے۔ نقصان کی تلافی کرتا، مضرت کی سزائیں دیتا ہے۔ مدرس، منشی سر نیچے کئے ہوئے کتابوں مثلوں میں غور کرتے ہیں۔ ''ہم یہ مانتے۔ یہ نہیں مانتے'' میں ہوتے ہیں۔ قصاب کھال کھینچنے گوشت کے ٹکڑے کرنے تولنے بیچنے میں ہے۔ غلہ بیچنے والا۔ ترکاری فروش اور ایسے ہی اور پیشہ و کام کرنے والے اپنے اپنے کام میں ہیں۔ عاشق کو دیکھو کہ وہ معشوق کے دروازہ پر سر رکھا ہوا ہے۔

در ہر دو جہاں ہر چہ شود گو شو گو — وز دور زمان ہر چہ شود گو شو گو
(دونوں جہاں میں جو کچھ بھی ہو، ہو — زمانہ کے چکر سے جو کچھ بھی ہو، ہو
مشغول بحق باش ببر از دو کون — وز سود و زیان ہر چہ شود گو شو گو
(حق کے ساتھ مشغول اور دونوں جہاں سے الگ رہ — فائدہ نقصان جو کچھ بھی ہو، ہو سو ہو

عاشق کو اگر معشوق سے ملنا مقصود ہو تو یہ کام اسی کے جال سے اور اسی کے کام سے نکلتا ہے۔ تم نے بڑھئی اور بادشاہ زادی کی حکایت سنی ہو گی۔ عاشق جیسا کہ معشوق کو ہنستے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے ویسے ہی اس کو روتے ہوئے بھی دیکھنے کا خواہش مند رہتا ہے تا کہ اس کی آنکھ سے آنسو گرتے ہوئے، ناز سے اس کو صاف کرتے ہوئے۔ چہرہ کی سرخی۔ گالوں کی تمتماہٹ کو دیکھے۔ یہ عاشق کے عشق کے اور زیادہ ہونے کی وجہ ہو جاتے ہیں۔ عاشق یہ چاہتا ہے کہ معشوق غصہ میں آ جائے بھر جائے۔

گالی گلوچ پر آمادہ ہو جائے طعنہ دینے لگ جائے۔ عاشق کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ معشوق حسن کے گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ کمر میں تیر باندھے ہوئے ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے۔ سینہ کو ابھارے ہوئے ناز کا تیر چھوڑ کر اس کے دل کو دو ٹکڑے کر دے تو کیا مزہ ہو۔ عاشق گناہگار کو ایسا معشوق درکار ہے جو اس کی گری ہوئی حالت میں اس کی درخواست پر اس کا ہاتھ تھامے۔ عاشق اسی آرزو میں رہتا ہے کہ معشوق اس کے سینہ پر لات مارے۔ ایسا ہونے کی دعائیں کرتا ہے۔ معشوق کہتا ہے کہ جتنا تو مجھ کو عزیز رکھتا ہے میں تجھ کو اس سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ اگر کسی پھول کی پتی سے بھی تیرے سینہ پر خراش آ جائے تو میری آنکھوں میں اسی پھول کے کانٹوں کے زخم ہوں گے میں کیسے تیرے سینہ پر لات مار سکتا ہوں۔ عاشق اسی آرزو میں مر جاتا اور اپنی مراد کو نہیں پہنچتا۔ عاشق معشوق کے جو پیچھے پڑا ہوا ہوتا ہے وہ درحقیقت اپنے دل کے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ وہ اس کے دل کو لے آیا وہ اپنے دل کے لئے اس کے پیچھے پھرتا ہے۔ اپنے دل کے لئے اس کا پیچھا کئے ہوئے ہے۔ مثلاً اگر کوئی تمہاری ٹوپی لے اڑے تو تم اس کے پیچھے دوڑتے ہو۔ یہ تمہارا دوڑنا اپنی ٹوپی کے لئے ہے نہ کہ ٹوپی اڑا لینے والے کے لئے۔ عاشق معشوق کی باتیں سننے کا ویسا ہی مشتاق ہوتا ہے جیسے کہ اس کے دیکھنے کا۔ آنکھیں دیکھتی ہیں تو دل کو خبر ہو جاتی ہے۔ وہ مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کان سنتا ہے تو بات کو دل تک پہنچا دیتا ہے۔ دل عاشق ہو جاتا ہے۔ عاشق پورے طور سے ایک ہی دفعہ ملنا چاہتا ہے۔ معشوق اگر اس کو فوراً ایک ہی دفعہ میں اپنے آپ کو دے دے تو وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے حکمت والا معشوق ایسے وقت میں الٹی ٹوپی سر پر اور بدلی ہوئی قبا جسم پر پہن کر امن کی جگہ میں آ جاتا ہے آرام سے بے فکر رہتا ہے۔ معشوق کی یہ مرضی نہیں ہوتی۔ عاشق اپنی خواہش و مراد کے لئے شکرے کے جیسا ہے۔ دوسری عجیب بات یہ ہے کہ شکرہ شکار کے لئے اڑتا ہے، ممولا اس کو جھپٹ لے کر نگل جاتا ہے۔ عاشق سے اگر کوئی اس کے معشوق کے گھر کا پتہ پوچھے تو اگر وہ گھر مغرب میں ہو تو وہ مشرق کی طرف بتلا دیتا ہے۔ عاشق معشوق کی ایسی رازداری، نزدیکی پیدا کر لیتا

ہے۔ جس میں جدائی، علیحدگی کا تصور اور ایسی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ معشوق چاہتا ہے کہ عاشق کو مصلحت کے لحاظ سے ایک پیالہ غم و رنج کے خم سے پلائے۔ عاشق کو حاضر لائے اس میں حضوری پیدا کر کے اس سے منہ پلٹائے۔ جمال کی تجلی دوسروں پر ڈالے کچھ سمجھتے ہو، کہ یہ کیسا عذاب ہے۔

ہر چہ خواہی بکن اے دوست، مکن یار دیگر۔

(اے دوست جو چاہے کر مگر دوسرا دوست نہ بنا۔)

ایک تدبیر یہ بھی کی جاتی ہے وہ یہ کہ اس سے باتیں کی جاتی ہیں۔ حالات و واقعات کہے جاتے ہیں یہاں کی بات وہاں لگانی سکھلائی جاتی ہے۔ عیب نکالنے کو کہا جاتا ہے۔ وہ باتیں بھی اس کی کان تک پہنچائی جاتی ہیں جو دوسروں کے ساتھ کی گئیں۔ عاشق معشوق کے دوست کو دشمن سمجھتا ہے۔ عاشق اس آرزو میں رہتا ہے کہ معشوق چند روز غصہ میں رہے۔ چند دن کے بعد میل ملاپ ہو جائے۔ آپس میں صلح ہو جائے۔ عاشق وہم کا مارا ہوا۔ وہم میں مبتلا، وہی شخص ہوتا ہے۔ عاشق جس کسی کا مبتلا ہے جس میں مبتلا ہے، وہ سوائے پریشانی کے اور کچھ نہیں۔ معدومی خرابی ہی خرابی ہے۔ عاشق سے اگر یہ سوال ہو کہ تو کس میں پھنسا ہوا ہے۔ عشق بیکار بیہودہ کام ہے تو عاشق یہی جواب دے گا کہ فلاں کی چال کا مارا ہوں۔ اس کی چال ڈھال پر مر مٹا ہوا ہوں۔ یہ چلن سوائے بکار کام کے اور کیا ہے جو کہتے ہو وہ ایسا نہیں ہے بتاؤ کون ایسا ہے جو کسی نہ کسی چیز میں پھنسا ہوا نہ ہو۔ عاشق پر قدس کی صورت کا سایہ پڑا۔ وہ اپنے آپ میں نہ رہا۔ آمد و رفت کی اس کو خبر نہ رہی۔ ایک خیال رہ گیا صورت وہی رہ گئی۔ اس کو وہاں تک لے گیا۔ یہ اس وقت تک جان سے جاتا نہیں، جب تک جان تن سے نہ لے جائیں۔ یہ جان لیوا ہے۔

عاشق یہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ میرا دل جس کو چاہتا ہے وہ مجھ کو ضرور چاہتا ہے۔ اس کے انکار میں بہت سارے اقرار ہیں۔ اگر غصہ ہوتا ہے تو ملنے کا امیدوار کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے سلام علیک سے زیادہ معاملہ نہ تھا غصہ ختم ہوتے ہی

میل ملاپ پر آ جائے گا۔ یہ رسم و عادت چلی آئی ہے کہ ہاتھ ملانے ہاتھ پاؤں چومنے' بغل میں آنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ کم از کم زمین کو چوم لینا ہی اس غصہ کو ٹھنڈا کر دے گا۔ میل ملاپ پر لے آئے گا۔ دوری نزدیکی سے بدل جائے۔ دوری سے نزدیکی میں آ جائے۔ عاشق جیسا کہ اپنے آپ کو دوست رکھتا ہے۔ کسی کو نہیں رکھتا۔ عاشق خود پرست' خود رائے' خود بین' خود نما ہوتا ہے۔ عاشق کے پر و بال ایسے ہیں (اس کی اڑان ایسی ہے کہ وہ) ستاروں سے بھی آگے نکل جاتا ہے اور ایسا پژمردہ دل ہے کہ زمین کے سات پتال کے اندر چلا جاتا ہے۔ عاشق دوستی کے ایسے دریا میں تیرتا ہے جس کا کنارہ نہیں دکھتا۔ عاشق دریا سے دوستی تو کرتا ہے لیکن دریا کا دوست نہیں ہوتا۔ عاشق کسی کے جال میں نہیں پھنستا۔ عاشق نصیحت کرتا ہے۔ جب کہتا ہے تباہی کی کہتا ہے۔ عاشق نصیحت کر کے دل کو قابو میں کر لیتا ہے۔ عاشق نصیحت کرتا ہے تو ہر بندہ کو بندہ بنا لیتا ہے۔ عاشق نصیحت کرتا ہے تو لوگوں کو رُلا دیتا ہے۔ عاشق نصیحت کرتا ہے تو سب کو ہنسا دیتا ہے۔ عاشق نصیحت کرتا ہے تو لچوں لفنگوں کے دل کو لگتی ہے' آزادوں' قلندروں کو پسند آتی ہے۔ عاشق نصیحت کرتا ہے تو عابد و زاہد کو بانصیب کر دیتا ہے۔ عاشق نصیحت کرتا ہے تو عارف و مقرب کو اپنے آپ سے' بھائی بندوں سے الگ کر دیتا ہے۔ عاشق نصیحت کرتا ہے تو مردہ کو زندہ' زندہ کو مردہ کر دیتا ہے۔ عاشق نصیحت کرتا ہے تو ساری دنیا اس پر فدا ہو جاتی ہے۔ عاشق میں یہ بات بھی ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کے ساتھ عشق' میل ملاپ۔ محبت کا اظہار بھی کرتا ہے' دوسرے کے لئے ملامت اٹھاتا ہے تاکہ معشوق کو طعنہ نہ دیا جائے۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ یہ سب جان لیں کہ اسی ایک ہی کو دل دیا ہے۔ معشوق کے دل میں اگر آ جائے کہ وہ کیسا شخص ہے تو عاشق کے لئے یہ مار ڈالنے والا زہر ہے۔ ہو سکتا اور اکثر ایسا ہوتا بھی ہے کہ مالک اپنی باندی پر عاشق ہو جائے۔ یہ کوئی تعجب کی بات یا ندرت نہیں۔ اس کو جس سے چاہو پوچھ لو۔ جنہیں پوجنے کو کہتے ہیں۔ انہیں پاؤں پڑنے کا حکم دیتے ہیں۔ پانی کی مشک سب کے سامنے ڈلوانا عاشق سے روا نہیں رکھتے۔ عاشق چور ہوتا ہے رات میں نگہبانی کرنے والا ہوتا ہے۔ عاشق دنیا کا

طالب، خواہشمند، دنیا کو چھوڑا ہوا بھی ہوتا ہے۔ عاشق کو خوبصورت خوب سیرت ہونا چاہئے عاشق کو خوب بولنے والا۔ شیریں زبان ہونا چاہئے۔ عاشق چکنی چپڑی باتیں خوب کرتا ہے۔ عاشق خدا کا شکر بجالاتا رہتا ہے۔ عاشق رنج و غم۔ دکھ۔ درد میں بے انتہا صبر کرتا ہے۔ عاشق سلوک کے مقامات کو خوب سمجھتا ہے۔ عاشق کہتا ہے کہ وہ شخص عشق میں سچا نہیں جو معشوق کی جفا پر صبر نہ کرے اور یہ بھی کہتا ہے کہ کسی کا صدق عشق کے مرتبہ میں ٹھیک نہیں ہوتا، جب تک کہ معشوق کے ظلم و ستم و آزمائش میں وہ شکر نہ کرے۔ معشوق یہ کہتا ہے کہ جو ایسا نہ ہو۔ اس کا نام عاشقوں کی فہرست سے نکال دیا جاتا ہے۔ اس کو چاہئے کہ وہ معشوق کی جفا، اس کے جور و ستم سے لذت لیا کرے تاکہ میدان عشق میں پورا اترے۔ کسی محقق کا کہنا یہ ہے۔ سچائی کی ٹکسال میں ایسے کے وجود کے نام کا سکہ ڈھالا نہیں جاتا۔ جس میں معشوق کے ظلم و ستم کا شعور ہو۔ احساس پایا جائے۔ عشق نامور انسان، قوم کے سردار، ذی عزت مرد کو۔ زمین پر پٹخ دیتا ہے ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ معمولی آدمی کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے جب کہ وہ کسی بلند و اعلیٰ مرتبہ والے کے عشق میں پھنس جائے۔ وہ آوارہ ہو جاتا ہے۔ جنگلوں بیابانوں میں بھٹکتا ہے۔ وہ کیا ہوتا ہے اس کو کچھ بیان نہیں کر سکتے۔ یہاں اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں کہ۔

من مات عشقا فلیمت فکذا	لا خیر فی اموات غیر عشق
(جو مرا عشق میں ایسا مرا	عشق کی موت کے سوائے مرنے میں بہتری نہیں)

عاشق بے نیاز بھی ہوتا ہے اور با نیاز بھی۔ عاشق چغلخور۔ ناز نخرے والا آنکھوں سے اشارہ کرنے والا ہوتا ہے۔ عاشق۔ دلال کے جیسا بھی ہوتا ہے۔ ہر ایک سے اسی صفت کے ساتھ معشوق کا بیان کرتا ہے جس سے دو ایک کے دل میں طلب و خواہش اس کے دیکھنے پانے کا کھٹکا پیدا ہو جاتا ہے۔ عاشق یہ بھی کرتا ہے۔ اس کی آرزو یہ بھی ہوتی ہے کہ معشوق پریشان (آوارہ) اور فاحشہ ہو جائے۔ چند ہوا پرستوں میں کا وہ بھی ایک رہے۔ اپنی مراد پوری ہونے کے بعد وہ اس خواہش میں رہتا ہے کہ

سب سے اول وہ رہے۔ اسی میں وہ موت کا نوالہ ہو جاتا ہے تو اس کے بعد وہ کوئی راحت اپنے آپ میں نہیں پاتا۔ عاشق یکتا یعنی آپ اپنا جواب ہوتا ہے۔ عاشق اپنے جیسا نہیں رکھتا اس کا کوئی مثل و مانند و برابر نہیں ہوتا۔ عاشق کبھی کبھی اپنے آپ کو مست کے جیسا بنا لیتا ہے۔ معشوق پر ہاتھ چلا دیتا ہے۔ وہ راضی رہے تو مراد مل گئی اگر خفا ہو گیا تو دیوانہ و مست ہونے کا عذر لئے ہوئے ہوتا ہے کہ میں مست ہوں۔ مجھ کو اپنی ہی خبر نہیں کہ کیا ہوں تو آپ کی کیا خبر پاؤں' کیسے جانوں کہ آپ کے ساتھ یہ بے ادبی ہوئی۔ معشوق کے سامنے اس طرح ادب کے ساتھ بے حس و حرکت کھڑا رہتا ہے جیسے کہ کوئی پرند اس کے سر پر بیٹھا ہوا ہو۔ انتہائی قرار و سکون کے ساتھ کھڑا رہتا ہے۔ اسی طرح سے کھڑا رہتا ہے' جیسے کھڑا ہونا چاہئے۔ عاشق مقامر (قمار بازی جوئے بازی میں حصہ لینے والا۔) ہوتا ہے لیکن ہر وقت اور ہمیشہ دغا بازی کرتا ہے۔ حیلہ باز دغا باز ہوتا ہے۔ اگر عاشق کو معشوق کے ساتھ جوا بازی لگانے کا موقعہ مل جائے تو نہایت نزاکت کے ساتھ ہنستے بولتے' دھوکہ دے جاتا اور بہترین دغا بازی کر جاتا ہے۔ جیت جاتا۔ ہار جاتا ہے تاکہ ہر حالت سے ایک مزہ لے۔ جیت کے دھوکے میں رکھ کر اس کو ایسا ہرا دے کہ وہ اپنی ہار مان کر اس کا ہی ہو جائے۔ اسی سے اسی کے ساتھ کھیلے۔ اسی سے وہی کھیلے۔ عاشق بھیک مانگنے کا پیشہ بھی اختیار کرتا ہے۔ وقت بے وقت جب جی میں آیا معشوق کے دروازہ پر جاتا۔ بھیک مانگتا ہے بلند آواز سے اچھی لے میں اس کی تعریف و توصیف اس کے لئے دعا کرتا ہے۔ دعائیہ جملے کہتا ہے۔ اگر وہ پوچھ لے کہ تو کون ہے تو اپنا حال احوال کہہ کر مطلب عرض کر دیتا ہے اگر تم نے ایسی بات کی ہو تو اس کی لذت پاؤ گے۔ عاشق تماشہ بتانے۔ شعبدہ دکھانے والا بھی ہوتا ہے۔ وہ کھیل تماشے دکھلاتا ہے شعبدے کرتا ہے۔ سب لوگ اس کے دیکھنے میں لگ جاتے ہیں۔ وہ اس کو کرتے ہوئے اپنی مراد و مقصود پر نظر جمائے رکھتا ہے تو اس کو اپنی مراد کی خوشخبری یا اشارہ اچھی طرح سے ہاتھ آ جاتا ہے۔ عاشق معشوق کے سامنے اس مردہ کے جیسا رہتا ہے۔ جو نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ایسا عاشق معشوق سے مقصد و مطلب

نہیں پاتا بلکہ اس کا ہی اس کے لئے ہو کر رہ جاتا ہے۔ عاشق ظلم ڈھانے والا۔ سخت روش، سخت مزاج کا بھی ہوتا ہے کبھی کبھی سختی ظلم سے بھی کام بن جانے کی صورت ہو جاتی ہے۔ عاشق معشوق کو ڈراتا بھی ہے۔ اس سے کہتا ہے کہ اگر تو میرا مقصود پورا نہ کرے تو میں تجھ کو بدنام کر دوں گا۔ سر بازار رسوا کر دوں گا۔ اس کے جواب میں وہ فرماتا ہے کہ میں وہ نہیں ہوں کہ کوئی مجھ کو بدنام و رسوا کر سکے۔ تجھ جیسے کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا اگر ہم کہہ دیں تو لوگ تجھ کو پتھروں ڈھیلوں سے مار کر مار ڈالیں گے۔ جو عاشق ہوتا ہے وہ نام اثر گمان ہی سے راضی ہو جاتا ہے۔ اسی پر ایسا ٹھہر جاتا، قرار پاتا ہے جیسا کہ اس سے محروم رہ گیا ہوا ہوتا ہے۔ یہ وہ ہے جو عین وصال میں لذت وصال سے محروم ہو جاتا ہے۔ عاشق سب سے کمتر ہوتا ہے تمہاری سمجھ میں یہ نہیں آ سکتا۔ تمہارا ذہن وہاں تک نہیں پہنچ سکتا کہ عاشق معشوق سے ملنے کے لئے کیا کیا تدبیریں، کیا کیا کھیل، کیا کیا ڈھونگ مچاتا، کیسی کیسی کڑیاں ملاتا اور کیا کیا کرتا ہے سنو وہ کچھ کرتا ہے جو انتہائی سمجھدار انسانوں کے دل میں یا ان کی سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ بلکہ وہ عاجز آ جاتے ہیں۔ اس کی معمولی، سب سے کمتر، چال یہ ہوتی ہے کہ وہ معشوق کی نظر میں خود کو ایسا دکھلاتا ہے کہ اس کی کوئی غرض نہیں جس سے وہ سمجھتا ہے کہ یہ بے غرض ملتا ہے اور کچھ کہنے کا کوئی موقعہ نہیں۔ عجیب نادر حکایتیں ہی نہیں بلکہ دکھلاوے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے انبیاء و علیہم السلام سے عقلمند اور سارے حکیموں سے سمجھدار ہیں۔ آپ نے کیا فرمایا اس کو سمجھ لو آپ جیسے عقلمند، محبت مند کو کیا دکھایا۔ وہ بھی جان لو۔ عاشق کی نظر میں معشوق کی راستی (سیدھا ہونا) نہیں وہ اس میں کثری (ٹیڑھا ہونا) ہی پاتا ہے۔ معشوق کو اور معشوق کی معشوقیت کو ٹیڑھی چال کے سوائے مطلب نہیں کہ یہی اس کی چالیں ہیں۔ وہ یہی کھیل کھیلتا ہے کسی بیچارے موزوں طبع نے اس بھید کو اچھی طرح سے پا کر الفاظ میں ڈھال دیا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے۔

ہرگز نگار طرہ بہنجار بشکند   تا بار عشق پشت خرد زار بشکند

(معشوق کبھی کسی وضع سے طرہ نہیں توڑتا   تاکہ عشق کے بوجھ سے عقل کی پیٹھ توڑ دے)

عاشق، کھلاپن، کشادگی نہیں رکھتا۔ عاشق ایک ایسی تنگی میں آ پھنسا ہے کہ حرکت کرنے، ہلنے کی بھی جہاں گنجائش نہیں پاتا۔ عاشق ابتدائی حال میں جو کچھ اس سے ہوسکتا ہے اس کی تدبیر کرنے سے باز نہیں رہتا۔ مقصود کے حاصل کرنے کی ہر صورت کرتا رہتا ہے ذرا سی بھی کمی نہیں کرتا۔ جب حاصل ہونے ملنے کی کسی قسم کی امید باقی نہیں رہتی اور یہ دیکھتا ہے کہ مقصد نہیں مل سکتا تو دو باتوں میں سے کوئی ایک بات اس کے سامنے آتی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی صورت اس کو نظر نہیں آتی۔ وہ جنگلوں، پہاڑوں، بیابانوں میں گھومتا، روتا، چلاتا، آوارہ و پریشان پھرتا ہے یا کسی حجرہ، غار میں سب سے دور اپنا چہرہ سیاہ کر کے روتا چلاتا رہتا ہے۔ کسی کا منہ دیکھنا نہیں چاہتا۔ درد بڑھتا جاتا ہے۔ اسی جلن اسی کڑھن میں گزارتا رہتا ہے۔ یہی اس کی غذا ہو جاتی ہے۔ ایک عاشق وہ ہوتا ہے جو طلب میں رنج و مشقت اٹھا کر راستہ طے کر کے بغل میں پہنچ گیا ہے وہ خوش ہی خوش۔ دل اس کا باغ باغ ہے۔ جنگل، باغ آج اس کی نظروں میں برابر ہیں۔ دونوں میں جدائی نہ رہی۔ وہ کسی دالان یا حجرہ یا تہہ خانے میں دروازہ بند کئے ہوئے آپس میں ملے ہوئے ایک ہو کر یکسانیت کے ساتھ ہوں۔ رقیب دلال کا پتہ نہ ہو تو دنیا میں جو بھی ہو جائے اس کی پرواہ نہیں ہوتی۔ دونوں بے فکر رہتے ہیں۔ اگر حکیم ان دونوں میں عقلی جدائی ثابت کرنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش نہیں۔ عاشق معشوق کو زیور، لباس زینت، چمک دمک میں دیکھتا ہے تو آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا، منہ پر غازہ ملا ہوا، پان کھایا ہر طرح کی سجاوٹ و سنگار میں دیکھنے کا متمنی ہو جاتا ہے۔ اس کے سوا جو لباس ہوتا ہے وہ اس کی برہنگی کو چھپاتا ہے۔ دونوں صورت میں اس کو دیکھتا ہی رہتا ہے۔ عاشق بہت ہنستا ہے۔ اس کا ہنسا رونا اور رونا ہنسا ہوا کرتا ہے۔ عاشق معشوق کو لاپرواہ، شاندار بڑے مرتبے والا دیکھنا چاہتا ہے۔ اپنے آپ کو عاجز، روتا، گرا ہوا رکھنا مناسب جانتا ہے۔ تم نے سنا ہوگا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا کہا۔ وہ یہ کہ آپ آزاد ہیں۔ آزادی کی عزت کیا ہے اس کو جانتے ہیں ہم غلام ہیں غلامی کی ذلت کو، غلامی کو جانتے ہیں۔ آپ غلامی کیا ہے کیا جانیں۔ عاشق اس آرزو

میں مرتا ہے کہ معشوق کے ساتھ ایک بستر پر سوئے۔ یہ بھی نہ ہو تو اس کے زانو بزانو رہے۔ اگر اس کو دور کردیں تو دور سے ہی نظارہ کرتا رہے۔ اگر اس کو گھر سے نکال دیں تو دروازہ ہی پر رہ پڑے۔ اگر دروازہ سے بھی بڑھا دیں تو اس کی گلی میں رہے۔ اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو اس کے شہر کا رہنے والا ہو جائے۔ اگر شہر سے بھی نکال دیں تو جہاں کہیں بھی رہے معشوق کے شہر ہی کی طرف رخ کئے ہوئے رہے۔ اگر اس سے بھی روکیں تو دل ہی دل میں اس کو دیکھتا رہے اس کے خیال سے اس کو کون روک سکتا ہے۔

اس تمام گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ معشوق عاشق کے سوا اور عاشق معشوق کے سوا نہیں رہ سکتا۔ عاشق کے لئے دونوں حالتیں مبارک ہیں کہ وہ کبھی وصال میں کبھی فراق میں ہوتا ہے بہر دو صورت ترقی کرتا ہی رہتا ہے۔ گھڑی دو گھڑی کے لئے کیوں نہ ہو۔ یہاں عاشق کے لئے ایک مشکل ہے وہ یہ کہ معشوق عاشق ہو جاتا ہے۔ عاشق میں ہر ہوس ہر آرزو کے بہاؤ کو جو تھا اپنے دباؤ سے دور کر دیا۔ عاشق میں اس کے روکنے کی مجال و طاقت نہیں اور یہ اس سے ممکن بھی نہیں۔ یہاں معاملہ اس نوبت تک پہنچ جاتا ہے کہ اگر عاشق بھاگنا بھی چاہے تو بھاگ نہیں سکتا۔ دل کی دنیا کو معشوق کا جمال گھیرے ہوئے اس میں اترا ہوا شامل ہوتا ہے ایک دم کے لئے بھی اس سے علیٰحدہ یا جدا ہونا ممکن نہیں۔

عاشق راگ، راگنی خوشنوائی گانے تان مارنے سے خالی نہیں ہوتا۔ نظم و نثر سنتا اس کو یاد کر لیتا ہے، اس کو اپنے وقت کا ورد بنائے ہوئے رہتا ہے۔ عاشق یہ بھی کیا کرتا ہے کہ وہ معشوق کی صورت کو ایک کتاب میں اتارتا ہے اس کے شمائل اس کی شکل کو لکھتا ہے۔ اس کی تصویر بناتا ہے۔ مٹی پتھر لکڑی سونے چاندی سے صورتیں شکلیں بنا کر رات دن اس پر نظر جمائے رہتا ہے۔ اس سے اپنے آپ کو تسلی دیتا ہے۔ عاشق رات کو عزیز رکھتا ہے اور اس سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ معشوق کی لٹ کے جیسی کالی ہے عاشق رات کو اس لئے عزیز رکھتا ہے کہ اس میں چھپی چیز چھپی ہوئی ملتی ہے۔ عاشق رات کو اس لئے بھی دوست رکھتا عزیز جانتا ہے کہ دو کے درمیان جو کچھ ہوتا ہے اس سے دونوں کو بھی کوئی شعور نہیں ہوتا۔ ایک کا دوسرے کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ دونوں بھی نہیں

جانتے۔ عاشق ہمیشہ اپنے پسند کیے ہوئے دل کو بھلے لگے ہوئے گلہ کرتا رہتا ہے۔ عاشق نومسلم ہے جو کچھ کرتا ہے اس کے لئے ایک عذر رکھتا ہے کہ یہ سب کچھ نہ جاننے سے ہوا۔ نادانی ہوئی کہ وہ ابھی عشق کی راہ چلنی نہیں سیکھا' دلداری کے مسائل کی تعلیم اس کو نہیں ہوئی۔ ابھی بچہ ہے۔ نیا نیا آیا ہوا ہے۔ جب بالغ ہوگا۔ مردوں کے حال میں پہنچے گا تو سب کچھ ٹھیک طور سے کر لے گا۔ عاشق کی معشوق سے شادی بھی ہو جاتی ہے چھوٹے بڑے بزرگ عزیز' عزیز اقارب جاننے نہ جاننے والے سب جمع ہو جاتے ہیں۔ ہر طرح سے پورے اعزاز کے ساتھ اچھے کپڑے پہنا کر عطر و خوشبو' پھولوں سے معطر کر کے' روشنی کر کے سارے حرکات و سکنات سے اس کو روک کر دلہن بنا کر لاتے اور عاشق کے بغل میں بٹھلا دیتے ہیں اور مزہ کی بات یہ کہ سب خوشی کا اظہار کرتے' تالیاں بجاتے۔ ڈھول پیٹتے ہیں۔ گانا ہوتا ہے مبارک باد دی جاتی ہے۔ ساری چھپاہٹ پردہ کو ترک کر کے اس کے سامنے کر دیتے ہیں۔ آہا آہا ایسا کون ہے۔ یہ کس کو نصیب ہوتا ہے۔ کسی کے سننے میں بھی آیا ہے۔ اے میرے اللہ' اے میرے اللہ۔

عاشق کی زندگی معشوق کے خیال سے ہوتی ہے' اس کے سوا وہ جی نہیں سکتا' عاشق مرتا ہے تو اس کا مرنا' درد' سوز کے سوا نہیں ہوتا۔ ایک عاشق وہ ہوتا ہے جو ''جمال مطلق'' پر مرمٹا ہوا ہوتا ہے یعنی جہاں کہیں بھی خوبی' خوبصورتی' شوخی' ناز نزاکت' باغ' پھول' جنگل' شادابی' صاف ہوا دیکھتا ہے وہاں ٹھہر جاتا ہے۔ غور سے دیکھنے لگتا ہے ہر ایک سے ایک لذت' ایک کیفیت' ایک سرور پاتا ہے۔ ایک نئی قوت اس میں آ جاتی ہے۔ چنانچہ نظر باز کہتے ہیں کہ ایک لحظہ میں چھ ماہ کی قوت پیدا کر لیتا ہے۔ عشق جس کا پیشہ ہو وہ ہمیشہ جوان رہتا ہے بلکہ عنفوان شباب میں ہوتا ہے۔ اگر ''عاشق'' بوڑھے کو دیکھو تو سمجھو کہ اس نے عشق میں' عاشقی میں بڑھاپا پایا ہے جوانوں کا استاد ہے۔ جوانوں ہی میں سے وہ بھی ہے۔ عاشق خوب ناچتا' خوب ہاتھ پاؤں پٹکتا ہے۔ خوب گھومتا چکر کاٹتا' آہیں کرتا (گرم ٹھنڈی سانسیں بھرتا) سینہ پیٹتا ہے۔ اس سے اس کو سکون و تسلی علاج ہاتھ آتا ہے۔ عاشق سماع کا مبتلا' اس پر مرمٹا ہوا ہوتا ہے۔ عاشق و معشوق میں اگر

کچھ معاملہ قصہ چل رہا ہے تو عاشق سماع سنتا ہے۔ سماع عاشق کو ٹھیک ٹھاک درست کر دیتا ہے۔ عاشق کے لئے سماع ایسا ہے جیسے کہ جلے ہوئے کے لئے دوائی، جو جلن کو دور کر کے پوست (کھال) کو ٹھیک کر دے۔ کبھی وہ دن بھی ہوتا ہے کہ عاشق و معشوق میں سلام و پیام، جواب سوال نہیں ہوتا۔ آہ و نالہ کی شنوائی نہیں ہوتی، عاشق کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ اگر معشوق سہارا نہ دے تو وہ فوری جھک جائے۔ عاشق کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ معشوق بے ہوشی کی کوئی چیز استعمال کرے تھوڑی دیر کے لئے ہی خوشی سے مست جھومتا آ جائے۔ ممکن ہے کہ ایسی صورت میں کوئی بات سن لے مطلب نکل آئے۔ عاشق یہ چاہتا ہے کہ معشوق اس کو اس کے سامنے اس کو گالی دے برا بھلا کہے۔ اس کے لئے تدبیریں کرتا ہے تا کہ اس کا دل صبر کر سکے، اس کی جان کو تسلی مل سکے۔ عاشق ہونے کی دلیل "دیکھنا ہے" لوگ تجربہ کی بناء پر یہ کہتے ہیں کہ عاشق کے جسم سے جو خون کا قطرہ زمین پر گرتا ہے وہ معشوق کا نقش بناتا ہے۔ یہ کیا ہے۔ یہی کہ عاشق معشوق کے ساتھ ایک ہو گیا ہے ایک خون ایک پوست ہو گیا ہے۔ اس کا نقش بن گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں فلاں ہوں۔ نام سے نام کو اتحاد ہو گیا۔ پورے طور سے مل گئے ایک ہو گئے ہیں خون سے خون، گوشت سے گوشت مل گیا۔ دونوں ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں۔ عاشق معشوق کے نام کو گنگناتا ہے۔ تال سُر میں کہتا ہے۔ غزل قصیدہ لکھتا ہے۔ یہ بہت ہی اچھی تدبیر ہے اس سے بہت سے معشوق اچھی طبیعت والے رام ہو گئے اور اس دام میں آ گئے عاشق اپنے آپ کو مردہ بنا لیتا، دانت پر دانت داب لیتا، دم روک لیتا ہے گر پڑتا ہے۔ آزمانا چاہتا ہے کہ وہ اس سے کس حد تک تعلق رکھتا ہے اور اس کے دل میں اس کی کتنی جگہ ہے وہ اس کو کتنا چاہتا ہے۔ اس کے مرنے سے کتنا رنجیدہ اور جینے سے کس قدر خوش ہوتا ہے اس کا مرنا اس کو رنجیدہ غمگین کرتا ہے یا نہیں۔ عاشق اپنے آپ کو زبردستی بیمار بناتا ہے، تا کہ معشوق بیمار پرسی کو آئے کیونکہ یہ کہا گیا ہے کہ دوست کا دیکھنا بیمار کے لئے شفا ہے، مگر وہ علت (بیماری) دوستی کی ہوتی ہے۔ عاشق اگر ملنے کا دروازہ بند پاتا ہے تو مسافرت اختیار کر لیتا ہے۔ سفر میں دردِ عشق کم تو نہیں ہوتا لیکن

سفر کی محنتیں تکالیف اس کا کچھ بدل ہو جاتی ہیں۔ اس کو اسی درد و غم میں رہنے نہیں دیتیں۔ بہار کے موسم میں عاشق میں معشوق سے ملنے کا خیال زور پکڑ جاتا ہے۔ روز بروز شوق بڑھتا جاتا ہے۔ بیقراری' بے چینی حد سے بڑھ جاتی ہے۔ موسم بہار میں عاشق مست و دیوانہ' مستی میں چور رہتا ہے۔ بادل چھائے ہوئے ہوں' بارش ہو رہی ہو تو اس میں بھی یہی صورت پیش آ جاتی ہے۔ ولولہ' جوش انتہائی صورت میں زور دکھاتا ہے۔ عشق ان دو فصلوں میں انتہائی عروج کو پہنچ کر عاشق کو الٹ پھیر میں ڈال دیتا ہے۔ عاشق محبت کے قصے' محبت کے نام بہت کہتا اور سنتا ہے۔ عاشق اندھیری راتوں میں ٹھیک ارادہ کر لیتا ہے۔ صحیح بلند ہمتی سے چھپے ہوئے مقامات اور کونوں میں جہاں معشوق ہوتا ہے داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے اور پہنچ جاتا ہے۔ اس کا پہنچنا اپنی ہیئت کو بدلے بغیر نہیں ہوتا۔ وہ سینہ کے بل لیٹ جاتا ہے اور موری کے ذریعہ اندر پہنچ جاتا ہے۔ کوڑا کرکٹ کانٹے کو سینہ اور سر پر لے لیتا ہے تو اندر داخل ہوتا ہے۔ اگر مقصود حاصل ہو گیا تو بڑا کام ہو گیا۔ اگر نہ ہوا تو اسی راستہ سے باہر آتا ہے۔ یہ کس کام کے لائق ہے۔ کیا غرض پوری ہوئی۔ کیا نام ہوا۔ لوگوں میں کیا مشہور ہوا۔ کیسا کام کیا۔ کیا اس کا دوست اس کا ہوا' اسی میں رہتا ہے۔ عشق کے جال کے لئے ایک ملواح (وہ پرندہ جس کو جال میں باندھ دیتے ہیں تاکہ دوسرے پرندے اس کو دیکھ کر آئیں اور گرفتار ہو جائیں) درکار ہوتا ہے۔ عاشق معشوق سے بار بار کہتا ہے کہ میں تیرا وفادار ہوں۔ میرا حسب نسب ایسا ایسا ہے' میرے ماں باپ ایسے ایسے ہیں' میرے باپ دادا یہ یہ تھے۔ میں کم عمر ہوں' بہت سے نوجوانوں سے بہتر و چالاک ہوں۔ خوش روش اور ڈیل ڈول کا اچھا ہوں۔ عاشق معشوق جب آپس میں مل بیٹھتے ہیں تو عاشق معشوق سے کہتا ہے کہ تھوڑا سرمہ آنکھوں میں لگائے تو وہ جواب دیتا ہے کہ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ سلائی آنکھوں میں پھیری جائے اور میں پلک پر پلک رکھوں۔ تیری بات سے یہ ثابت ہوا تو مجھ پر مر مٹا ہوا نہیں بلکہ میرے حسن و زیبائش پر تیری نظر ہے تو صورت پرست انسان ہے۔

عاشق اپنے آپ کو خود ہی تکلیف اور محنت میں ڈالتا ہے۔ خود ہی سینہ پیٹتا ہے۔ قینچی ہاتھ میں لے کر اپنے ہونٹ کاٹتا ہے۔ اس سے پوچھیں کہ اس سے کیا حاصل تو جواب دیتا ہے کہ معشوق کا جلال غلبہ کیا ہوا ہے۔ زوروں پر ہے۔ مجھ کو اس کی تاب نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے میں واپس آؤں مجھ پر اس کی نظر شفقت ہو جائے۔ وہ رحم کر دے۔ مجھ کو مجھ میں چھوڑ دے۔ عاشق کسی امیدواری کی بنا پر اپنے کام کو کم نہیں کرتا۔ اگر ایسا کرے تو اس حدیث سے حادثہ ظاہر ہو جاتا ہے جو اسی کی مراد کے خلاف ہو جائے گا۔ اگر اس سے کوئی امید رکھے تو وہ حسد و غیرت کم نہیں کرتا۔ عاشق کے لئے سخت حجاب اندھیرا پردہ مقصود سے دور رکھنے والا' مرتبہ و منصب ہے۔ چاہے وہ بادشاہی' پیغمبری' مرشدی کیوں نہ ہو۔ یہ تینوں بھی سوز و درد میں جیتے ہیں لیکن ظاہر نہیں کرتے۔ اگر عشق پورے طور سے زور کرے۔ روک رکھنے کی طاقت ان میں نہ ہو تو دیوانہ کی طرح اپنے مطلب کو ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن وہ اس طرح کہ خود اس طلب سے لذت نہیں لیتے۔ یہ تینوں گروہ عشق ہی ہیں یا عشق نے ان کو کھا لیا ہے یا انہوں نے عشق کو کھا لیا ہے۔ عزت وقار تمکین ان کا نقد وقت ہوتا ہے۔ ان کے وجود کی بود عین شہود عشق ہے عاشق معشوق کو شرمندہ' ممنون منت' محتاج دیکھنا چاہتا ہے۔ عاشق شیر مرد (بہادر) ہوتا ہے۔ عاشق شجاع (دلیر) عاشق اپنے مطلب کا ہوتا ہے۔ عاشق کام کے نتیجہ کو نہیں سوچتا۔ عاشق کسی کام کا انجام سوچتا اس کی پے میں رہتا ہے۔ عاشق جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو بہت ہی دل شکستہ رنجیدہ رہتا ہے۔ عشق متعدی ہے لازمی نہیں (ایک سے دوسرے تک پہنچتا ہے ایک ہی پر تمام نہیں ہوتا) یعنی دل ایک شخص کو عزیز رکھتا ہے یعنی اس کے دل کی طرف ایک رغبت و التفات و توجہ ہو جاتی ہے۔ وہ اس سے ٹپک پڑتی ہے۔ یہ اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ انتہائی شوق ہے نیکوں کو مجھ سے ملنے اور دیکھنے کا اور میرا شوق ان سے ملنے ان کو دیکھنے کا ان سے بہت زیادہ ہے۔ اگر عشق کے راستہ میں سچائی کے ساتھ پہلا قدم پڑ جائے تو پہلے ہی قدم میں معشوق پیشوائی و استقبال کے لئے آتا ہے۔ عاشق جادو کیا ہوا جیسا ہوتا ہے۔ جادو کیا ہوا وہی ہوتا ہے کہ جس کو اس کی گرفتاری

معلوم نہ ہو۔ یہ بات اس پر ظاہر نہ ہو۔ عاشق جان باز (جان لڑانے والا۔ جان پر کھیل جانے والا) ہوتا ہے۔ عاشق مرد بااختیار ہوتا ہے۔ عاشق ہر کام کا آدمی ہوتا ہے۔ عاشق میں بدلہ کا ڈر بدنامی رسوائی کا خوف نہیں ہوتا۔ عاشق ہر کام سے گیا ہوا ہوتا ہے۔ عاشق کبوتر باز ہوتا ہے۔ کبوتر کو دل کی ہوا دیتا ہے۔ وہ معشوق کا نشان ہے وہ جانتا ہے یہ کس کے دل کی ہوا ہے' اس میں کون اڑ رہا ہے' اسی تصور میں وہ یہ کھیل کھیلتا ہے کہ دونوں کا یہ ایک امتیازی نشان ہے۔ کیا نہیں جانتے کہ جو کبوتر اڑتا ہے وہ میری جان' میرا ٹوٹا ہوا دل ہے۔ تو نے پر پکو ٹھے کھول دیئے ہیں کیا عجب کہ اسی اڑان میں بال و پر کھو کر گر پڑے۔ کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ کبوتر معشوق کی چھت پر اتر جاتا ہے۔ وہاں دانہ پانی حاصل کرنا چاہے تو عاشق کو ایک موقعہ ہاتھ آجاتا ہے۔ وہ معشوق کے دروازہ پر کھڑے ہو کر چیخنا چلانا شروع کرتا ہے' کہ میرا کبوتر یہاں آ گیا۔ خدا کے لئے واپس دے دو۔ معشوق کی عادت جیسی کہ ہوتی ہے وہ کہتا ہے کہ اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں۔ کبوتر کی یہاں گزر کیسے ہو سکتی ہے میرے گھر سے اس کو کیا نسبت۔ آخرش دونوں میں کبوتر کے لین دین کا معاملہ ہو جاتا ہے۔ بہرحال کسی نہ کسی بہانہ سے آنا جانا' بات چیت کا موقع مل جاتا ہے۔ سیٹیاں بجانا۔ آنکھیں ملانا۔ گھاٹ لینا' چھوڑ دینا۔

اب تم ہی دیکھ لو کہ عشق بازی کے کیا کیا دلی مراد ہوئے۔ اے محمد حسینی! تم نے بہت کہا۔ اب قلم روک لو۔ منہ زور گھوڑے کو بند کر لو۔ اس پر بات کو ختم کر دو۔ عشق کی منتہا یہاں تک لے آتی ہے۔ عاشق راستہ چلنا نہیں جانتا عشق کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ عاشق کسی دین کی گرفت میں نہیں ہوتا۔ عاشق کو کسی سے خوف و امید نہیں ہوتی۔ عاشق جنت دوزخ سے نہیں ڈرتا۔ عاشق خدا کو نہیں پہچانتا۔ عاشق خود کو کھویا ہوا ہوتا ہے۔ اب تم سمجھ لو کہ بقائے وجود کا اگر تصور کیا جا سکتا ہے تو یہ کہہ دو کہ یہ ایک وہم ہے۔

کے بود ما ز ما جدا مانده   من و تو رفته و خدا مانده
(ہم کب ہم سے جدا رہتے ہیں   میں تو چل دیا خدا رہ گیا)

تمت الرسالة

برہان العاشقین

المعروف بہ

قصۂ چہار برادر

ومشہور بہ

شکار نامہ

از افادات

حضرت برہان الکاملین الواصلین سید السادات ولی الاکبر الصادق

ابوالفتح سید محمد حسینی گیسو دراز خواجہ بندہ نواز قدس اللہ سرہ العزیز

و

شروح این مقالہ مستطاب از بزرگان سلف

مترجمہ

حضرت مولانا مولوی قاضی احمد عبدالصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ

بُرہان العاشقین

از تصنیفات حضرت خواجہ بندہ نواز سید السادات سید محمد حسینی گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ۔

الحمد للّٰہ رب الغلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ وآلہ اجمعین۔ قولہ تعالیٰ : وَتِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ۔

بدانکہ ما چہار برادر بودیم از نہ دیہہ۔ سہ جامہ نداشتند و یکے برہنہ بود۔ آن برادر برہنہ درستے زر در آستین داشت۔ بہ بازار رفتیم تا بجہت شکار تیر و کمان بہ خریم۔ قضا رسید، ہر چہار کشتہ شدیم۔ بست و چہار زندہ برخاستیم۔ آنگاہ چہار کمان دیدیم، سہ شکستہ و ناقص بودند، یکے دوخانہ و دو گوشہ نداشت۔ آن برادر زردار برہنہ آن کمان بخانہ و بیگوشہ بہ خرید۔ تیرے می بایست۔ چہار تیر دیدیم، شکستہ بودند و یکے پرو پیکان نداشت۔ آن تیر بے پرو پیکان را بہ خریدیم و بطلب صید بہ صحرا شدیم، چہار آہو دیدیم، سہ مردہ بودند و یکے جان نداشت۔ آن برادر زردار برہنہ کمان کش تیر انداز ازان کمان بخانہ و بیگوشہ آن تیر بے پرو پیکان را بران آہوے بے جان زد۔ کمندے می بایست تا صید را بہ فتراک بندیم۔ چہار کمند دیدیم، سہ پارہ پارہ و یکے دو کرانہ و میانہ نداشت۔ صید را بدان کمند بے کرانہ و بے میان بستیم۔ خانہ می بایست کہ مقام کنیم وصید را پختہ سازیم۔ چہار خانہ دیدیم۔ سہ درہم افتادہ بودند و یکے سقف و دیوار نہ داشت۔ در آن خانہ بے سقف و

بے دیوار در آمدیم۔ بر طاق بلند کہ ہیچ حیلہ دست نمی رسید مغاکے چہار گز زیر پائے کندیدیم۔ دست بہ آن دیگ رسید چون شکار پختہ شد۔ شخصے از بالائے خانہ فرود آمد کہ بخش من بدہید کہ نصیبے مفروض دارم۔ برادر کامل مکمل در کمین نشستہ بود، استخوان شکار را زدیگ بر آورد، بر تارک سروے زد۔ درخت سنجدے از پاشنہ پائے او بیرون آمد۔ بر سر آن درخت زرد آلو رفتیم خربزہ کاشتہ بودند بہ فلاخن آب میدادند ازان درخت باذنجان فرود آوردیم وقلیہ زردکے ساختیم و بہ اہل دنیا گذاشتیم۔ چندان خوردند کہ اماس شدند۔ پند اشتند کہ فربہ شدند بہ درخانہ نتوانستند رفت و درنجاست خود ماندند و ماباآسانی از کید آن خانہ بیرون شدیم و بر درخانہ بہ خفتیم وبسفر رواں شدیم۔ واولوالالباب تعرف این حالات راباز نمایند۔

تمام شد

اُردو ترجمہ

شکار نامہ

ہم چار بھائی تھے نو گاؤں کے۔ تین بھائی کپڑے نہ رکھتے تھے ایک بھائی جو ننگا تھا آستین میں اشرفی رکھتا تھا۔ ہم بازار میں آئے تا کہ شکار کے لئے تیر و کمان خرید لیں۔ قضا آئی اور ہم کشتہ ہو گئے۔ چار مقتول سے چوبیس زندہ ہو کر اٹھے۔ ہم نے چار کمان دیکھے جن میں سے تین ٹوٹے ہوئے اور ناقص تھے۔ ایک کمان دو کونے اور دو خانے نہ رکھتی تھی۔ ایک بھائی جو ننگا تھا اور آستین میں اشرفی رکھتا تھا۔ اس کمان کو خریدا' جو دو کونے اور دو خانے نہ رکھتی تھی۔ ہم نے چار تیر دیکھے تین ٹوٹے ہوئے تھے اور ایک

پر و پیکاں نہ رکھتا تھا۔ اس بے پر اور بے پیکان تیر کو خریدا اور شکار کی تلاش میں جنگل کی طرف چل پڑے۔ ہم نے چار ہرن دیکھے تین مردہ تھے اور ایک جان نہ رکھتا تھا' اس اشرفی والے ننگے بھائی نے کمان کھینچی اور تیر چلایا۔ اس بے خانہ اور بے گوشہ کمان سے اس بے پر و بے پیکان تیر سے اس بے جان ہرن کو مارا۔ ایک کمند کی ضرورت ہوئی تا کہ شکار کو فتراک میں باندھ لیں۔ ہم نے چار کمند دیکھے جن میں سے تین پارہ پارہ تھے' ایک کمند ایسی تھی جو دو کنارے اور درمیانی دھارا نہ رکھتی تھی۔ اس بغیر کنارے اور بغیر دھارے کی کمند نے شکار کو باندھ لیا۔ ایک گھر کی ضرورت تھی جس میں ٹھہریں اس شکار کو پکائیں۔ ہم نے چار گھر دیکھے۔ تین ٹوٹے پھوٹے تھے ایک چھت اور دیواریں نہیں رکھتا تھا اس بے چھت اور بے دیوار گھر میں اترے۔ ایک دیگ دیکھی جو بہت ہی بلند طاق پر رکھی تھی جس تک کسی حیلہ سے بھی ہاتھ نہیں پہنچ رہا تھا۔ اس لئے ہم نے چار گز کا ایک گڑھا کھودا' اس دیگ تک ہمارا ہاتھ پہنچ گیا۔ جب دیگ پک گئی تو ایک مرد اس گھر کے اوپر سے ظاہر ہوا اور کہا کہ میرا حصہ مجھ کو دے دو۔ میں بھی ایک حصہ رکھتا ہوں۔ وہ ننگا بھائی جس کی آستین میں اشرفی تھی تیر چلانے والا جو گھات لگائے تاک میں بیٹھا تھا ایک ہڈی اس دیگ سے نکال کر اس کے سر پر ماری۔ درخت سنجد یعنی زرد آلو کا درخت اس کی ایڑی کے نیچے سے نکل آیا۔ اس درخت پر ہم گئے خربوزے کی کاشت ہو رہی تھی۔ کونپوں سے پانی دیا جا رہا تھا۔ آبیاری ہو رہی تھی۔ اس درخت سے ہم نے بینگن توڑے اس کا ہم نے سالن پکایا اور دنیا والوں کے لئے ہم نے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ دنیا دار اتنا کھائے کہ اماس کر گئے اور سمجھے کہ موٹے ہو گئے۔ وہ گھر سے آسانی کے ساتھ باہر نہیں آ سکتے تھے۔ اپنی نجاست میں آپ رہ گئے۔ ہم آسانی کے ساتھ اس گھر کے مکر سے باہر آ گئے۔ گھر کے دروازے میں سو گئے اور سفر کو روانہ ہو گئے۔ ارباب تعرف ان حالات کو کھولیں۔

ترجمہ

شرح بُرہان العاشقین

شرح

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز قدس سرہ

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبدالصمد صاحب فاروقی قادری چشتی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم۔

ابتدائے سخن بنام یکے در دو عالم یکیست نیست شکے
(بات کی ابتداء ایک کے نام سے دونوں جہاں میں ایک ہی ہے اس میں کچھ شک نہیں)
او یکے و صفات او بسیار لیس فی الدار غیرهٔ دیار
(وہ ایک ہے اس کی صفتیں بہت ہیں گھر میں اس کے سوا کوئی برا جا ہوانہیں)

ایها الاحباب هذا جواب ما قال (اے دوستو۔ جو کچھ کہا اس کا یہ جواب یعنی شرح ہے)

"ہم چار بھائی تھے نو گاؤں کے۔" اللّٰہ اعلم (اللہ جانتا ہے)
۱۔عقل۔۲۔نفس۔۳۔طبیعت۔۴۔ھیولیٰ، یعنی ہم چار ارواح تھے۔۱۔پہلی روح ربانی۔ ۲۔دوسری روح حیوانی۔۳۔تیسری روح جمادی۔۴۔چوتھی روح ملکوتی سمائی (آسمانی) یہ چار بھائی نیلگوں پردۂ افلاک (نیلی آسمانوں کے پردہ) سے خاک آلود زمین (مٹی گردوغبار ملی ہوئی زمین) پر آئے اِهۡبِطُوۡا کا اَمر ہونے (اتر جاؤ کا حکم ہونے) سے معرفت صفات ومحبت ذاتِ احد پاک کے شکار کی طلب میں آسمان سے زمین پر آ گرے۔ قُرب (نزدیکی) سے بُعد (دوری) میں پہنچ گئے جمع (وحدت) سے تفرقہ (کثرت) میں آ گئے۔ کنت کنزاً مخفیاً (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا) کے راز سے وقوف دیئے گئے۔ باخبر کئے گئے تو عشق کی تلوار سے معشوق کی عزت نے عاشقوں کو شہید کر ڈالا تا کہ خزانہ لوٹ لیا جائے۔

"ہم بازار میں آئے تا کہ شکار کے لئے تیر وکمان خریدیں۔ قضا آئی اور ہم کشتہ ہو گئے۔ چار مقتول سے چوبیں زندہ ہو کر اٹھے۔" جنوبی چورستہ کے

سرے (نکڑ) پر قبضہ بے نیازی سے عقل مجازی (ظاہری سمجھ بوجھ) علم لا ینفع (علم جو نفع فائدہ نہ دے) کی طرح لنڈھادے گئے تو اس خاک سے ان کے بدن کیچڑ جیسے ہو گئے۔ جس سے آئینہ دل بنائے۔ پہلے مقتول سے چار قسم کی عقل یعنی ''حسی۔ غریزی۔ طبعی۔ حقیقی'' دوسرے مقتول سے چار قسم کے آدمی ''کافر۔ مومن۔ فاسق۔ منافق'' تیسرے مقتول سے چار عنصر ''آگ۔ پانی۔ ہوا۔ مٹی'' چوتھے مقتول سے چار طبائع ''بلغم۔ صفرا۔ سودا۔ خون'' پیدا ہو گئے۔ چار سے چوبیس زندہ ہو گئے۔

''تین بھائی کپڑے نہ رکھتے تھے۔'' یعنی حیوان۔ نبات۔ جماد کہ وہ کمال پانے کی استعداد کا لباس نہ رکھتے تھے۔ مطلب یہ کہ افراط (بڑھاؤ) تفریط (گھٹاؤ) اختلاف (فرق و تفاوت) میں تھے۔ تری۔ سردی۔ خشکی۔ گرمی کی کشاکش (لڑائی) آپس میں گتھ جانے نے ان کو (دو گروہ) دو جماعت بنایا ہوا تھا۔ چاروں کے چاروں ایک ہی دام (جال) میں پھنس گئے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ آسمان سے زمین پر آ گرے تھے۔ اب وہ زمین سے آسمان پر جا رہے ہیں۔

''ایک بھائی جو ننگا تھا اور آستین میں اشرفی رکھتا تھا۔'' یعنی وہ بھائی جو انسان تھا غرور کے لباس اور شیطانی دھوکے سے بچا ہوا تھا۔ خالی تھا۔ ایمان کی نقد اشرفی عنایت کی ہوئی آستین میں رکھتا تھا کیونکہ "عنایت الازیست کفایت الابدیت۔" (ابتدائی عنایت انتہا تک کافی ہے) ایک مجرد (تنہا شدہ تجرید میں آیا ہوا) عارف مخلص (سچی جان پہچان حقیقی خلوص رکھنے والا) نے اوسط حال میں فاستقم کما امرت (جو حکم کیا گیا اس پر مضبوطی سے قائم رہ) کی ندا سنی۔ لم یسرفوا ولم یقترو او کان بین ذالك قوام (فضول خرچی نہ کرو۔ کنجوسی نہ کرو۔ درمیانی راہ پر قائم رہو) کے خطاب کی اجابت کی یعنی مانا۔ قبول کیا تو لیس للانسان الاما سعی، (نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ کوشش کرے) کے لحاظ سے اجتہاد کرے (سوچ بچار، محنت) میں ڈال دیا گیا۔

''ہم نے چار کمان دیکھے جن میں تین ٹوٹے ہوئے اور ایک ناقص

تھی۔" یعنی تین اعتماد کے قابل (لائق بھروسہ) نہ تھے۔ پہلی ناقص کمان دنیا کے لوگوں کی رسم و عادت (چلن طریقہ) کہ ہر ایک اپنے اپنے اندازے سے کہ جو اندازے ہی نہ تھے بنائے رکھتا تھا۔ جو قدرت عامیانہ (عام لوگوں کی طاقت وسکت) کے جیسی ناقص و بے بنیاد تھی۔ (ادھوری بغیر پایہ کے تھی) ناکارہ تھی۔ دوسری کمان تعصب (بے جا جانب داری) اور ڈھکوسلے کی تھی جو اپنی سمجھ اپنے خیال کی بناء پر گھڑی گئی تھی جیسے کہ بہتر (۷۲) مذاہب اور فرقے کہ سب کے سب دوزخی ہیں۔

تیسری کمان۔ اسناد۔ منقولات۔ معقولات۔ روایات۔ مسائل و رسائل کی تھی جو آپس میں گتھے ہوئے ہونے کی وجہ سے راستہ کو ہیر پھیر والا پریشان کرنے والا بنائے ہوئے تھے۔ چوتھی کمان قرأت۔ شرائع۔ سنن۔ قوس مستقیم (دائرہ قائمہ) کی تھی لیکن یہ کمان ہر کسی کی قوت بازو کے مناسب موافق نہ تھی۔ یعنی اس کمان کے چلے کا کھینچنا ہر کسی کے بس کی بات نہ تھی۔

"ایک کمان دو کونے اور دو خانہ نہ رکھتی تھی۔" یہ قرآن ہے۔ ایسا بحر (سمندر) ہے اس کی تہہ منجدھار اور کنارہ نہیں رکھتی۔ قوله تعالیٰ لنفذا البحر قبل ان تنفد کلمات ربی (ختم ہو جائیں دریا میرے پروردگار کے کلمات ختم ہونے سے پہلے) رب نور۔ قرآن کمان۔ زمانہ کی کمان کے لئے زبان کا تیر۔ دولت کی کمان کے لئے قلم کے تیر کی ضرورت تھی۔

"چار تیر ہم نے دیکھے جن میں تین ٹوٹے ہوئے تھے۔" پہلا تیر بخل کا۔ دوسرا تیر قہر (زور غلبہ دباؤ کا) تیسرا تیر غصہ کا۔ چوتھا تیر کبر (بڑائی شیخی) کا۔ یہ موت کے وقت تباہ ہو جاتے ہیں۔ قولهٗ تعالیٰ فاذا نفخ فی الصور فلا انصاب بینهم (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی آپس کی نسبت ان میں نہ رہے گی۔)

"چار ہرن ہم نے دیکھے تین مردہ تھے ایک جان نہ رکھتی تھی۔" یعنی امارہ، لوامہ، ملہمہ جو حیات حقیقی سے مردہ اور بے خبر تھے۔ مطمئنہ وہ تھی جو جان نہ رکھتی

تھی۔ فرمان کے بغیر حرکت نہیں کرتی۔ فرمان ہو تو حرکت کرتی ہے صدق کے تیر وَمَا توفیقی اِلّا باللّٰہ (نہیں مجھے توفیق مگر اللہ سے) کو ہم نے اخلاص کی کمان میں رکھ لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ (اللہ کے سوا کسی میں حول وقوت نہیں یعنی اللہ ہی میں حول و قوت ہے) کی قوت سے کھینچ کر جیسے ہی چھوڑا اطمئنہ کو شکار کر لیا۔ جو کوئی پیر یعنی مرشد ہو جاتا ہے۔ وہ ایک تیر میں تین شکار مار لیتا ہے۔ یعنی لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کے ایک کلمہ سے تینوں نفوس کو قابو میں کر لیتا ہے۔

''ایک کمند درکار تھی جس سے شکار کو شکار بند پر باندھ لیا جائے۔ یعنی اس شکار کو جو شہید ہو گیا تھا شاہد کے شہود میں لے جائیں۔''

''ہم نے چار کمند دیکھے جن میں تین پارہ پارہ تھے۔'' تین کمندیں ایسی ٹیڑھی تھیں کہ وہ کسی سے سیدھی نہ ہو سکتی تھیں۔ پہلی کمند جہل (نادانی بے علمی) کی جو جہل مرکب (اعتقاد کر لینا کسی چیز کی حقیقت کا برخلاف اس کی حقیقت کے) مثلاً پیتل کو سونا۔ پتھر کو لعل) اور جہل بسیط (نہ جاننا کسی چیز کی حقیقت کا) کی تھی دوسری کمند (غرور۔ اکڑ۔ گھمنڈ۔ فریب) کی جو باری تعالیٰ شانہ کی عبادت' اس کی رحمت کے زعم (زور وقوت) کی تھی۔ تیسری کمند۔ امید رحمت سے دلیری۔ تمنائے خیال نو امیدیٔ کرم کریم کی تھی۔

''ایک کمند ایسی تھی جو دو کنارے اور درمیانی دھارا نہ رکھتی تھی۔'' یعنی عنایت بے نہایت کی کمند تھی۔ جس کی ابتدا ظاہر نہ تھی کہ وہ کب اور کس سے ہے اس کی انتہا ظاہر نہ تھی کب تک اور کہاں تک ہے۔ اس کے درمیان سے کوئی حد یا عدد (کنارہ۔ گنتی) بھی ظاہر نہ تھی یعنی حَبلِ اللّٰہ (اللہ کی رسی) اس کے حلقہ سے شکار کو واعتصموا باللّٰہ (بھروسہ کرو اللہ پر) کے شکار بند پر باندھ کر افوض امری الیٰ اللّٰہ (اللہ کے سپرد کیا اپنا کام) کے راستے سے روانہ ہوئے رضینا بقضا اللّٰہ تعالی، (راضی ہوئے ہم اللہ کے ٹھہرائے ہوئے پر) کے مقام میں ثابت ہو کر توکلت علی اللّٰہ (بھروسہ کیا ہم نے اللہ پر۔ اللہ کو ہم نے اپنا کارساز بنا لیا) کے شوق

(جذبہ) کے ساتھ اس کمند پر جس کا سرا تھا نہ پیچ باندھ لیا۔

"ایک گھر کی ضرورت تھی جس میں ٹھہریں اس شکار کو پکائیں۔ ہم نے چار گھر دیکھے تین ٹوٹ پھوٹے تھے۔" پہلا گھر بدن کا تھا جو معلول (علت لیا ہوا تھا) اور سارے اضداد کا جس میں اجتماع (ایک دوسرے کے خلاف کا جس میں جما وڑا) تھا۔ معانی سے مجہول تھا (مطلب صاف نہیں کھلتا تھا) موت سے نیچے اوپر ہو گیا تھا۔ ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا تھا۔ دوسرا گھر دوستی امید دنیا۔ طول امل (درازی۔ امید) انتہائی غفلت اور موت کی بھول کا تھا۔ تیسرا گھر ظاہری قوت اچھے جوڑ بند۔ وجود کی استواری برداشت کا تھا۔ اس میں شکار کو پکایا تو وہ ندامت (شرمندگی) کی آگ سے پک گیا۔ ہاں یہ ہوا کہ وسوسۂ شیطانی۔ تو ہمّ غرور یعنی بڑائی۔ اپنے آپ کو کچھ سمجھنا۔ خود پسندی۔ خودرائی۔ دماغ کے اوپر کے حصہ سے نکلا۔ خوبیوں کے نکلنے کی جگہ پر آ گرا اور کہا کہ میں بھی ایک مقررہ حصہ رکھتا ہوں۔ مجھ کو میرا حصہ دے دو۔"

"وہ بھائی جو غرور کا لباس نہ رکھتا۔ بری باتوں سے پاک و علیحدہ تھا۔ ایمان کی اشرفی جس کے آستین میں تھی۔ اس کمند میں ایسا قابو میں کر لیا تھا کہ وہ معرفت کے لئے ٹھیک ہو گئی تھی۔" یعنی وہ روح۔ نفس ناطقہ۔ عقل کل۔ علم بالغ۔ قوت توحید اور قوت عمل سے حقیقت کے ساتھ خلیفۂ حق ہو گیا انا جعلنك خليفة فى الارض (ہم نے تجھ کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا۔) کا فرمان اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ جواں مردی، بہادری دکھلائی وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۔ (روکا اپنے آپ کو خواہشات اور شہوات سے) میں رہ کر اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَان (جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا تسلط قابو نہیں) کی آیت کے لحاظ سے وہ نفس۔ ہوا۔ شیطان کی ہڈیاں اکھیڑ پھینک دیا۔ مکر کے درخت کو تخرج فی الاصل الجهيم و طلعها كانه روس الشيطين (نکلتے ہیں تہہ میں سے دوزخ کے نکلنا ان کا جیسے کہ شیطان کے سر) اس میں اس کے پاؤں پھنس جانے سے بچ گئے۔ فبعزتك لاغوينهم اجمعين (تیری عزت کی قسم ان سب کو بھٹکا کر چھوڑوں گا) کے دعویٰ کی بناء پر اس نے اپنا حصہ مانگا تھا۔ قوت ایمانی نے اس کی ضرب کو کمزور کر دیا۔ دل میں جو

کچھ تھا اس کو ظاہر کر دیا کہ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا (البتہ شیطان کا مکر کمزور تھا) اس سے گزر کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ الا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلِصِيْنَ (مگر تیرے وہ بندے جو مخلص ہوں کا جو راز ہے اس سے اپنی اصل سے لامحالہ رجوع ہو گیا کہ کل شیٔ لا یرجع الیٰ اصلہ (ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے) کاش وہ دعویٰ کرنے سے پہلے سوچتا کہ یہ ایک محکم سر (استوار اور مضبوط راز) رکھتا ہے۔ جب عاقبت کی وادی میں اس کا معاملہ پورا ہو گیا تو اس نے پیسہ ٹکا۔ زر و جواہر کو پیسے والے مسخروں کے لئے چھوڑ دیا کہ الدنیا جیفۃ و طالبھا کلاب (دنیا مردار ہے۔ اس کا طالب کتا)

"وہ دنیا دار اتنا کھائے کہ اماس کر گئے اور سمجھے کہ موٹے ہو گئے۔" ہم ان سے ڈر گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی ان ہی کی طرح پریشان ہو جائیں کہ وہ موٹے پن کو جو اماس سوجن ہے اور دبلے پن کو جو بھوک ہے تمیز نہ کر سکتے تھے۔

"وہ گھر سے آسانی کے ساتھ باہر نہیں آ سکتے تھے۔ اپنی نجاست میں آپ رہ گئے۔" یعنی والنازعات کی ضرب سے جان کندنی میں گھر دار کی حسرت میں رہ گئے۔ جن کی جان کو سختی سے باہر لانا پڑا۔ چنانچہ انہیں موت کی بے ہوشی، ایمان سے پھر جانے کی بدمزگیاں دکھائی جاتی ہیں اور علت سبل (آشوب چشم۔ آنکھ کی ایک بیماری) استغراق (ڈوب جانا) درد، تکلیف داغ کا دباؤ۔ جب کہ جان کنی کی تکلیف سے ایک پاؤں کی پنڈلی دوسرے پاؤں کی پنڈلی سے لپٹ جائے گی۔ اس دن[1] اپنے رب کی طرف مجھ کو چلنا ہوگا۔ بہرحال انتہائی تکلیف وہ دوری کی مصیبت میں جان دینا پڑتا ہے۔ اس حالت وصورت کے ساتھ ان کی جان تن سے جدا ہو جاتی ہے اور قیامت تک قبر کے عذاب میں گرفتار رہتے ہیں۔

"ہم آسانی کے ساتھ اس گھر کے مکر سے باہر آ گئے۔" یعنی جوہر انسانی قوت جذبۂ رحمانی ہونے اور "ارجعی الیٰ ربک" (لوٹ آ اپنے رب کی طرف) کا اشارہ پانے سے آسانی کے ساتھ جنت میں پہنچ گئے۔ اھبطو کی چوٹ کے

---

[1] والتفتِ السّاق بالسّاق الیٰ ربّك يَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاق۔

لئے ارجعی کا مرہم پائے۔ فادخلی فی عبادی ادخلی جنتی (داخل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں) کی ندا ہے۔ جیسا کہ مسکہ میں سے بال نکلتا ہے۔ نکل گئے۔ جیسے کہ گلاب میں سے خوشبو کانٹے کے کھٹکے کے بغیر نکل آتی ہے ہم نکل آئے۔ دشوار چیز ہم پر آسان ہو گئی۔

"گھر کے دروازے میں سو گئے اور خوش خوش سفر کے لئے روانہ ہو گئے۔" یعنی قبرستان میں کہ فنائے محض ہے سو گئے اور لوگوں کے لئے اپنا دروازہ بند کر لیا۔ باغ میں بیٹھے رہے۔ سب مسافر یہ گنگنانے کہنے لگ گئے۔

شاہ ما چوں بہ عشق می سازد　　اِھبطو را بہ ارجعی بازد

جب ہمارا بادشاہ عشق کا کھیل کھیلتا ہے　　اترو کو لوٹو سے جتا دیتا ہے

ایں سوال و جواب گشت تمام　　بر محمد ز ما درود و سلام

یہ سوال و جواب پورے ہو گئے　　محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا درود وسلام

ترجمہ

شرح بُرہان العاشقین

شرح

حضرت خواجہ ابو صالح الشیخ محمد چشتی

عرف

شیخ محمد حسن چشتی قدس سرہ العزیز

نبیرۂ

شیخ الاسلام سراج الدین علامہ چشتی قدس سرہٗ

مترجمہ

حضرت مولانا قاضی احمد عبد الصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ
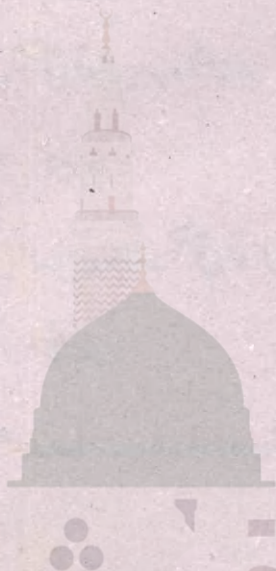
بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم۔

''ہم چار بھائی تھے نو گاؤں کے۔'' یعنی چار عناصر۔ نو آسمانوں سے ظہور پائے تھے۔ ان عناصر کا سوئی (اصل) ایک تھا۔ افلاک آسمانوں کی تاثیر سے یہ چار ہو گئے۔

''تین بھائی کپڑے نہ رکھتے تھے۔'' یعنی ایسا لباس نہ رکھتے تھے کہ اپنی اصلی صورت میں باہر آ جائیں۔ اگرچہ ان میں پورے طور سے اختلاط (ملاپ) ضرور ہو گیا تھا۔ کرہ ارض۔ کرہ آب۔ کرہ ہوا کی خاصیت۔ ہر ایک میں سے جا چکی تھی۔ ان میں ایسا ملاپ پیدا ہو گیا تھا جیسا کہ علم میں حکمت گڈمڈ ہو کر رہ جاتی ہے۔

''ایک بھائی جو ننگا تھا وہ آستین میں اشرفی رکھتا تھا۔'' یہ عنصر آگ تھا وہ کسی سے بھی کسی طرح کا ملاپ نہ رکھتا تھا۔ لباس لینے کے بعد اس کے مزاج کی تاثیر سب سے بڑھ گئی تھی۔ کیونکہ اس کو روح سے نسبت تھی۔

''ہم بازار میں آئے تا کہ شکار کے لئے تیر و کمان خرید لیں۔ قضا آئی اور ہم کشتہ ہو گئے۔ چار مقتول ۔ سے چوبیں زندہ ہو کر اٹھے۔'' یعنی ترکیب میں آئے۔ یعنی مزاج پیدا کئے تا کہ روح کے شکار کے متعلق اسباب اور جو کچھ اس کی ضروریات ہوں مہیا کر لیں۔ ہم آپس میں اس طرح مزاج پائے (امتزاج پائے) گھل مل گئے کہ ہماری وہ اصلی صورت نہ رہی۔ ہر ایک سے چھ چھ ظاہر ہوئے۔ یعنی پانچ حواس اور روح حیوانی (خون) یہ اس لئے ظاہر ہوئے کہ ہر ایک کو اس میں ایک دخل ہے۔

''ہم نے چار کمان دیکھے جس میں تین ٹوٹے ہوئے تھے۔'' یعنی چار

اخلاط۔ صفرا۔ سودا۔ خون۔ بلغم۔ تین ایسے تھے کہ جن میں قبضہ نہ تھا۔ کوئی قابلیت نہ تھی۔

ایک کمان ناقص تھی جو دو کونہ دو خانہ نہ رکھتی تھی۔ اس کو ننگا بھائی جس کے آستین میں اشرفی تھی خرید لیا۔ مطلب یہ کہ آگ نے صفرا سے تعلق کر لیا۔

"ایک تیر کی ضرورت تھی۔" ایسی تیر درکار تھی جس سے روح کو شکار کریں۔

"ہم نے چار تیر دیکھے۔" یہ اخلاط کے قویٰ ہیں۔ "تین ٹوٹے ہوئے" جس سے شکار کرنا ممکن نہیں۔ وہ سودا، بلغم، خون کے قویٰ ہیں۔

ایک تیر پر و پیکان نہ رکھتا تھا۔ ناقص تھا۔ اس کا پورا ہونا ممکن نہ تھا۔ وہ صفرا کی قوت تھی۔

جس تیر میں پر و پیکان نہ تھا اس کو ننگا بھائی، جس کی آستین میں اشرفی تھی کمان کھینچنے والے نے خرید لیا۔ یہ آگ کا عنصر تھا۔

"شکار کی طلب میں صحرا میں پہنچے۔" ظہور کے میدان میں سواری آ گئی۔

ہم نے چار ہرن دیکھے۔ "جمادیہ۔ نباتیہ۔ حیوانیہ۔ انسانیہ۔"

"تین مردہ ایک جان نہ رکھتی تھی۔" جان نہ رکھنے والی روح انسانیہ ہے جب وہ جسم سے تعلق پاتی ہے تو تصرف کرنے لگتی ہے۔

ننگا بھائی آستین میں اشرفی رکھنے والا۔ کمان کھینچنے تیر مارنے والا۔ اس کمان کو جس میں دو کونے دو خانہ نہ تھے۔ پر و پیکان نہ تھے اس ہرن پر چلایا۔ روح گرمی (آگ) سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے ایک کمان کی ضرورت تھی کہ شکار کو شکار بند پر باندھ لیں۔

ہم نے چار کمان دیکھے جس میں تین پارہ پارہ (ٹوٹے ہوئے) گردہ۔ کلیجہ۔ پھیپھڑا۔ دل۔

ایک کمان وہ تھی جو دو کنارے اور درمیانی دھارا نہ رکھتی تھی۔ یہ دل ہے جس

کی شکل صنوبر کی سی ہے دو کنارے دو خانے درمیانی چیز اس لئے اس میں نہیں ہے کہ یہ مُدَوِر (گول دائرہ) ہے۔ایسے میں یہ چیزیں نہیں ہوتی۔

''اس پر اس شکار کو باندھ لیا۔'' یعنی روح انسانی نے اس سے تعلق پیدا کرلیا۔

''ایک گھر درکار تھا کہ ٹھہر جائیں اور شکار کو پکائیں۔'' یعنی روح انسانی اپنے کمال کو پہنچے۔

''ہم نے چار گھر دیکھے۔'' چار کرۂ عناصر۔تین ٹوٹے پھوٹے تھے۔یعنی کرۂ آب۔کرۂ ہوا۔کرۂ آتش کہ جس میں ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ٹھہرنے کی جگہ نہ بنا سکتے تھے۔

''جس کی چھت تھی نہ دیوار اس گھر میں ہم اتر گئے۔'' کرۂ ارض (زمین) پر ہم نے اپنی ٹھہرنے کی جگہ اپنا گھر بنایا۔

''ایک دیگ کی ضرورت تھی۔'' جس میں شکار کو پکائیں وہ پک جائے اپنے کمال کو پہنچ جائے۔

''ہم نے ایک دیگ اونچی طاق پر دیکھی۔'' یہ افلاک (آسمان) ہیں۔ اس شکار کا کمال پانا۔پک جانا ان کی قوت پر موقوف ہے۔

''ہاتھ نہیں پہنچ رہا تھا اس لئے ہم نے چار گز کا گڑھا کھودا۔'' ہر عنصر کو ایک گز کے برابر فرض کر کے اعتبار دیا۔ظاہر ہے کہ قوائے علویہ قوائے سفلیہ کے بغیر تاثیر پیدا نہیں کرتے (آسمانی قوتیں زمینی قوتوں کے بغیر یعنی جب تک دونوں نہ ملیں اثر ظاہر نہیں ہوتا۔) جب دونوں کو ایک دوسرے سے ربط دیا تو اس دیگ تک ہاتھ پہنچ گیا ان میں ربط پیدا ہو گیا تو دیگ پک گئی۔

''جب دیگ پک گئی ایک مرد اس گھر کے اوپر سے ظاہر ہوا اور کہا کہ میرا حصہ مجھ کو دے دو۔میں بھی ایک حصہ رکھتا ہوں۔'' یعنی آسمانی علتیں۔ بلندی کی بیماریاں جو کچھ تھے وہ ظاہر ہوئیں۔

’’وہ ننگا بھائی جس کی آستین میں اشرفی تھی تیر چلانے والا جو کمین میں (اماٹ لگائے ہوئے تاک میں) بیٹھا ہوا تھا۔‘‘ یہ آگ کی گرمی تھی۔

’’ایک ہڈی اس دیگ سے نکال کر اس کے سر پر ماری۔‘‘ اصولاً بیماریاں علتیں روح سے دفع ہوتی ہیں۔ دور ہو جاتی ہیں جو گرمی سے نسبت رکھتی ہیں۔ ہڈی سے مراد قوائے علویہ وسفلیہ ہیں (ملائک سماوی وارضی)

’’درخت زرد آلو یعنی سنجد کا درخت اس کی ایڑی کے نیچے سے نکل آیا۔‘‘ بیماریاں علتیں چلے جانے کے بعد صحت ظاہر ہوئی۔

’’اس درخت پر ہم گئے جہاں خربوزے بوئے گئے تھے ان کو فلاخن سے پانی دیتے تھے۔‘‘ گوپن سے اس کی آبیاری کرتے تھے یعنی غذائیں۔ غلہ۔ ترکاریاں جو زمین پر اُگتی ہے ان کی پرورش ہوا سے ہوتی ہے۔

’’اس درخت سے ہم نے بینگن توڑ لئے۔‘‘ یعنی وہ چیزیں جس سے انسان کو قوت آتی ہے وہ ظاہر ہوئیں۔

’’اس کا ہم نے سالن پکایا۔‘‘ اس کو پوری طرح سے تیار کیا۔ مہیا کر لیا پکا لیا ـــــ تو

’’دنیا والوں کے لئے ہم نے اس کو چھوڑ دیا۔‘‘ جو کوئی خدا کو چاہتا ہے وہ سب سے الگ رہتا ہے۔

دنیا والے (دنیا دار) اس کو اتنا کھائے کہ سوج گئے۔ اماس کر گئے۔ جتنی ضرورت تھی جس کی جو حاجت تھی اس سے زیادہ آگے بڑھ گئے۔ دنیا میں مبتلا ہو گئے۔

’’وہ گھر سے باہر نہ نکل سکے۔ ہم اس کیچڑ۔ سنڈاس سے باہر ہو کر گھر کے دروازے پر دنیا میں سو گئے۔‘‘ یعنی دنیا کو ہم نے چھوڑ دیا۔ سفر آخرت کے لئے روانہ ہو گئے تصرف والے حضرات۔ معرفت والے بزرگ۔ فقیروں کے سردار ان حالات کو جان لیں۔

تَمَّتُ الرِّسَالَة

شرح بُرہان العاشقین

شرح

حضرت مولانا میر سید عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ العزیز

مترجمہ

مولانا قاضی احمد عبد الصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ
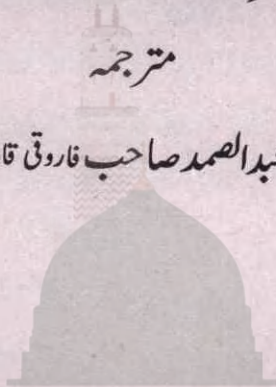
بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم۔

ان کلمات کا موضح (وضاحت کرنے والا۔ شرح لکھنے والا) عبدالواحد ابراہیم بلگرامی کہتا ہے کہ اہل تحقیق کی باتیں اگرچہ وہ ہزل و مزاح (ہنسی دل لگی) ہی کی کیوں نہ ہوں بیہودہ (بے کار) نہیں ہوا کرتیں۔ **الفقراء ہزلھم جدوجھد ھم جد** (فقیروں کی ہنسی دل لگی کی باتیں ان کی کوشش ہے اور ان کی کوشش اہم ہے) مصلحت مناسب وقت منفعت یعنی فائدے سے خالی نہیں ہوتی۔ بزرگوں نے اس کو معمہ کی سی عبارت میں لکھا اور فرمایا ہے تا کہ لوگوں کی سمجھ بوجھ جو سست ہوگئی ہے وہ اس طرف رغبت کرے۔ تعجب میں ڈالنے والی باتیں معنی کی طلب اس کی یافت کا باعث و سبب ہو جائے۔ طبائع اپنی جبلت (طبیعتیں اپنی پیدائشی خصلت) کے لحاظ سے معمہ چیستان کے معنی دریافت کرنے کی دھن میں ہوتی ہیں۔ ایسے کہے ہوئے لکھے ہوئے کے حل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ فقیر نے اپنی چھوٹی سی سمجھ کے لحاظ سے اس کی شرح کی ہے۔ اگر کوئی توجیہہ شرح نامناسب پڑ جائے تو پڑھنے والوں سے اس کی معذرت چاہتا ہے۔

گرہ کشائے ورقہائے غنچہ باد بہار بہوش گر شنوی فیض طبع درویش است

(بہار کی ہوا کلیوں کی پنکھڑیاں کھولنے والی ہے ہوش کے ساتھ اگر سنے تو درویش کی طبع کا فیض ہے)

تو حل عقدۂ اشکال خود زِ دل پرسی کہ بر دوام گرفتار عقدۂ خویش است

(تو اپنی مشکل باتوں کا حل اپنے دل سے ڈھونڈا کرتا ہے، پوچھتا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ اپنی گتھیوں میں آپ ہی الجھا ہوا ہے، گرفتار ہے)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم۔

اَلحمد للّٰہ رَبّ الغلمین والصلوٰۃ وَالسلام علیٰ خیر خلقه محمد وآله اجمعینُ (سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ درود وسلام بہترین مخلوق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی سب آل پر) قوله تعالیٰ تلك الامثال نضربها للنّاس لعلّهم یتفکّرون (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے دیتے ہیں تا کہ وہ سوچیں سمجھیں)

''ہم چار بھائی تھے نو گاؤں کے'' یعنی ہم چار ارواح تھے۔ جمادی۔ نباتی۔ حیوانی۔ انسانی۔ نو آسمانوں کے تھے۔ جو عالم علویات ہے۔

ما ز فلک بودہ ایم' یاز ملک بودہ ایم (ہم آسمانوں سے تھے فرشتوں کے ساتھ تھے)

''تین بھائی کپڑے نہ رکھتے تھے'' تین ارواح۔ جمادی۔ نباتی۔ حیوانی جو کثافت نسبی واضافی کی وجہ سے قابل تجلیات نہ تھے اس لباس سے وہ خالی تھے۔

''ایک بھائی ننگا تھا۔'' یعنی روح انسانی جو اپنی انتہائی لطافت کی وجہ سے لباس عوارض یعنی اسباب وعلت سے عاری تھی۔ اللہ تعالیٰ کے انوار کے عکس قبول کرنے کی قابلیت رکھتی تھی۔

''وہ ننگا بھائی اشرفی اپنی آستین میں رکھتا تھا۔'' یعنی وہ روح انسانی الطف (انتہائی نازک لطیف) گنج مخفی (چھپا ہو خزانہ) اپنے وجود میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ الانسان سروصفتی (انسان میرا راز میری خوبی ہے) سرو صفت سے نسبت دیا گیا ہے۔

''بازار گئے تا کہ شکار کے لئے تیر و کمان خریدیں۔'' ظہور میں آئے (عالم اظہار میں پہنچے۔) مرتبہ احدیت سے مرتبہ وحدت میں پہنچے تا کہ تجلیات ذات و

صفات کے شکار کی قابلیت و استعداد حاصل کریں۔

قضا آ پہنچی یعنی کنتُ کنزاً مخفیاً ما جبت ان اعراف (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پہچانو) کی قضا آ گئی۔

"ہم چاروں کشتہ ہو گئے۔ چار سے چوبیں زندہ اٹھے۔" یعنی ہم چاروں اطلاق صرف (نرے پن) سے تقیدِ اضافی و نسبی (قید و بند میں جو اصلی نہ تھا لگاؤ و نسبت) میں آ گئے۔ مستقر غیب (جائے قرار خفی) سے مستودع فطرت (امانت کی جگہ شہادت) میں پہنچے۔ کشتہ ہو جانے سے مقام اصلی سے جدائی مراد ہے کہ الفتنة اشد من القتل (فتنہ قتل سے بدتر سخت تر ہے) زندہ اٹھنے سے مراد یہ ہے کہ ان میں ایک تقیدِ اضافی و نسبی میں آتے ہی چھ صفات سے متصف ہو گیا۔ چار سے چوبیں ہو گئے۔ سب سے پہلے صفت وجود کا تعین ہو گیا۔ دوسری صفت میں ہر ایک نے اپنے "مرتبۂ وجود" میں ایک نام پایا۔ تیسری صفت میں ہر ایک نے ایک قابلیت پائی۔ چوتھی صفت میں ہر ایک ایک علم کو پہنچا۔ کلٌ قد علم صلوٰته و تسبیحه (ہر ایک نے اپنی صلوٰۃ و تسبیح جان لی) پانچویں صفت میں ہر ایک ایک میں کثافت نسبی پیدا ہو گئی تو اوج لطافت صرف (نری پاک بلندی سے) نیچے آ گیا۔ چھٹی صفت میں خلقیت (پیدائش۔ نو پیدا) ہونے کا دھبہ ہر ایک کی پیشانی سے بالکل ظاہر ہو گیا۔ اسی سے خلق السمٰوٰت والارض فی ستہ ایام (پیدا کیا آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں) کے اشارے تک رسائی پا سکتے ہیں۔

بصحرائے عدم خوش خفتہ بودیم	مرا با نیستیٔ خویش خوش بود
(عدم یعنی نہ ہونے کے میدان میں مزے سے اچھی طرح سویا ہوا تھا	میں اپنے نہ ہونے (گمی) میں بھی اپنے آپ میں خوش اور مگن تھا)
ز خواب خوش مرا بیدار کر دی	ندانم تا ترا زیں چیست مقصود
(مزے دار نیند سے مجھ کو تو نے جگا دیا	مجھے یہ معلوم نہیں کہ اس میں تیرا کیا مقصد تھا)

"ہم نے چار کمانیں دیکھیں" یعنی چار استعداد ہمارے دیکھنے میں آئے۔

''تین ٹوٹے ہوئے ایک ناقص تھی'' یعنی جمادی۔ نباتی۔ حیوانی۔ ان کو ٹوٹے ہوئے اس لئے کہا کہ وہ عرفان کی قابلیت و استعداد نہ رکھتے تھے۔

''ایک کمان وہ تھی کہ دو کونے منجدھار کنارا نہ رکھتی تھی۔'' یعنی چوتھی روح انسانی کہ مظہر ذات و صفات و اسماء ہونے کی استعداد و قابلیت رکھتی تھی۔ کوئی ٹیڑھا پن جھکاؤ' ذرا سا بھی التفات ماسوا کی طرف اس کو نہ تھا۔ حقیقت میں ٹیڑھا پن جھکاؤ' ذات کے سوائے دوسرے کی طرف التفات کا ہونا ہی ہے۔ انسانی استعداد کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ آفتاب جب وہ استوئی (ٹھیک دوپہر) کے وقت ہوتا ہے۔ جب وہ مسطح میدان میں چمکتا ہے تو وہاں کوئی ٹیڑھا پن سایہ یا اندھیرا نہیں ہوتا۔

''وہ ننگا بھائی جس کی آستین میں اشرفی تھی۔'' یعنی وہ روح انسانی الطف (نہایت نازک لطیف) نے گنج مخفی کی آراستگی سے وہ کمان خرید لی۔ یعنی استعداد تھی کوئی ٹیڑھا پن جھکاؤ اس میں نہ تھا' اس کو حاصل کر لیا ما زاغ البصر وما طغیٰ (نہ آنکھ جھپکی نہ بہک گیا) جس کا بیان ہے عبارت میں لایا گیا ہے۔

''ایک تیر کی ضرورت تھی۔'' یعنی ایک قابلیت درکار تھی۔

''ہم نے چار تیر دیکھے تین ٹوٹے ہوئے تھے۔'' یعنی ہم نے چار قابلیت دیکھے تین ٹوٹے ہوئے تھے۔ یعنی امانت کے اٹھانے سے سر جھکا لئے بلکہ منہ پھیر لئے' ڈر گئے۔

''ایک تیر پرو پیکان نہ رکھتا تھا۔'' چوتھا تیر یعنی قابلیت انسانی کہ وہ بار امانت کو اٹھائے ہوئے تھی۔ پرو پیکان یعنی خود بینی (غرور اپنے کو کچھ سمجھنا) خودنمائی (تکبر اپنے کو کچھ دکھانا نہ) رکھتی تھی۔

''شکار کی طلب میں ایک صحرا میں پہنچ گئے۔'' حقیقت کے شکار کی طلب میں اس کے شکار کرنے کے لئے وجود کے میدان میں پہنچ گئے۔

''چار ہرن دیکھے تین مردہ تھے۔'' یعنی عالم کے چار مراتب دیکھے تین مردہ یعنی مرے ہوئے تھے۔ وہ ناسوت۔ ملکوت۔ جبروت ہیں کہ عالم لاہوت سے

نسبت رکھتے ہیں۔ ہالک ہیں۔ کل شی ھالك الاوجه (ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے بجز اس کی وجہ کے)

''ایک جان نہ رکھتی تھی۔'' وہ عالم لاہوت کا عالم تھا جان نہ رکھتا تھا ایسا نہ تھا کہ جس پر حقیقت ظاہر اور منکشف یعنی کھلی ہوئی ہو بلکہ وہ سارے حقائق کی حقیقت خود تھا۔ ایسا بھی نہ تھا کہ وہ اور اس کی حقیقت اور ہو۔

''وہ اشرفی رکھنے۔ کمان کھینچنے تیر چلانے والا بھائی۔'' یعنی وہ روح انسانی، آراستگی، گنج مخفی سے اس کمان بے گوشہ سے یعنی استعداد کامل و الطف کی وجہ سے پوری قابلیت کے ساتھ جس میں کہ کچھ کجی وخمیدگی (ٹیڑھا پن اور جھکاوٹ) نہ تھی۔ اس تیر کو جس میں نہ پر تھا نہ پیکان۔ یعنی جس میں جو قابلیت تھی وہ کسی خودنمائی و خودبینی کے بغیر تھی، اس کو بے جان ہرن پر چلایا۔ یعنی اس کو مقام حقیقت الحقائق کے ساتھ ربط دیا۔ جس کی عبارت ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین و ادنیٰ ہوئی۔ (پھر نزدیک ہوگیا لٹک گیا اور دونوں کمانیں مل گئیں قریب تر ہوگئیں۔

زہے بلند کمانے کہ در صف دعوے ہمہ نشانہ او قلب قاب قوسین است
(کیا ہی بلند اچھی کمان ہے کہ اپنے دعویٰ میں اس کا ہر نشانہ قاب قوسین کا دل ہے)

''ایک کمان کی ضرورت تھی کہ شکار کو شکار بند پر باندھ دیں۔'' ایک رابطہ درکار تھا تا کہ وہ مقام قاب قوسین اَوْ اَدنیٰ سے ربط پا کر ہمیشہ کے لئے برقرار ہو جائے تین پارہ پارہ تھے ایک ایسی تھی جس میں دو کنارے اور درمیانہ دھار نہ تھی۔'' یعنی ہم نے چار رابطے دیکھے۔ پہلی کمان ظاہری عبادت کی۔ دوسری کمان باطن کے سنورنے، آباد ہونے کی تیسری کمان فنا فی التوحید کی (توحید میں مٹ جانے کی) چوتھی کمان فنا الفنا (مٹنے میں مٹ جانے کی) تین پارہ پارہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عبادات جو بھی ہیں اس میں خودی دوئی کی جھلک ہے۔ باطنی طور سے سنور جانے آباد ہو جانے کی بنیاد میں شرک کی جڑ گڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت شبلی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ التوحید شرك لانه صيانت القلب عن الغير ولا غير۔ (توحید شرک ہے کیونکہ اس میں

دل کی نگہبانی کرنی ہوتی ہے غیر سے اور غیر ہے ہی نہیں) ایک اور بزرگ فرماتے ہیں
کہ افنیت عمرك فی عمارت الباطن فاین الفنا فی التوحید۔ (باطن کی
آراستگی اور اس کے ٹھیک کرنے میں تم نے عمر گزار دی تباہ کر دی تمہیں توحید میں مٹ
جانا کب میسر ہو گا۔ ہاتھ آئے گا۔) تیسری کمان توحید میں مٹ جانے کی تھی جس میں
شعور (جاننا دریافت کرنا) باقی تھا۔ جب تک شعور باقی ہے تفرقہ ہے۔ (تمیز و کثرت،
ہیر پھیر ہے) حضرت جنید قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ "آپ اس کے بارے میں کیا
فرماتے ہیں کہ جو ہستی سے تعلق نہیں رکھتا مگر اس قدر کہ جتنی کھجور کی گٹھلی میں لکیر ہوتی
ہے۔ جواب دیا کہ المکاتیب عبد ما بقی علیه درهم۔ مکاتب وہ غلام ہے، غلام
رہتا ہے جس پر ایک درہم بھی باقی ہو۔

تا کہ تو دم می زنی ہمدم نئی — تا کہ موئے ماندۂ محرم نئی
(جب تک تو دم مارتا ہے ہمدم نہیں ہے — بال برابر بھی رہ گیا تو محرم نہیں ہے)

چوتھی کمند جو فنا الفنا کی ہے وہ عین بقا (حقیقت میں باقی سے باقی رہنا) ہے۔
اس لئے دو کنارے درمیانی دھارا نہ رکھتی تھی۔ یعنی ازل ابد اس کے درمیان حدوث
(نو پیدا) و امکان (دنیا کائنات کا قصہ نہ تھا۔)

شکار کو اس کمان سے جس میں دو کنارے درمیانی دھارا نہ تھا ہم نے شکار بند
پر باندھ دیا۔ یعنی اس لاہوت کو جس کو شکار کیا تھا۔ شکار بند پر کس دیا۔

ور تو قرب قاب قوسین انگہ افتد عشق را — کز صفات خود بہ بعد المشرقین افتی جدا
(تجھ کو قاب قوسین کی نزدیکی اس وقت ملتی ہے جب کہ عشق کو — اپنی صفات میں مشرق و مغرب کی دوری ہو جائے)

"ایک گھر کی ضرورت تھی کہ جہاں ٹھہریں شکار کو پکائیں۔" ایک
ضابطہ درکار تھا جو قرار گاہ اور فنا الفنا کا مقام ہو یعنی ایک قاعدہ طریقہ کی ضرورت تھی کہ وہ
ٹھہرنے کی جگہ اور فنا میں فنا جو ہاتھ آئی ہے۔ اس کی منزل و مقام ہو جائے۔

"ہم نے چار گھر دیکھے۔" ایک ذکر لسانی (زبان سے یاد کرنا) دوسرا ذکر
نفسانی (نفس سے یاد کرنا) تیسرا ذکر قلبی (دل سے یاد کرنا) چوتھا ذکر روحانی (روح

سے یاد کرنا)

''تین ٹوٹے ہوئے ایک چھت دیوار نہ رکھتا تھا۔'' یعنی تین اذکار میں ضابطہ طریقہ آپس میں الجھا ہوا تھا۔ کیونکہ زبان سے یاد کرنا ایک رٹ ہوتی ہے۔ نفس سے یاد کرنا ایک وسوسہ و خطرہ ہوتا ہے۔ دل سے یاد کرنا ایک آواز ہوتی ہے۔ چھت دیوار ذکر کی بنیاد کو کہتے ہیں۔ چوتھا ذکر جو تمام اذکار کی جڑ بنیاد ہے' جس میں نہ تو حرف ہے نہ آواز۔ اس لئے ''اس کو چھت دیوار نہ تھی'' فرمایا۔

''ہم ایسے گھر میں اتر پڑے جس کی چھت نہ دیوار۔ ہم نے ایک دیگ ایک طاق میں دیکھی کسی طرح سے بھی اس تک ہاتھ نہ پہنچتا تھا۔'' یعنی عشق و محبت کی ہنڈیا تھی جس میں ہر کچے کو پکایا جا سکتا تھا یا یہ اخلاق کی دیگ تھی جس سے تخلقوا باخلاق اللہ (برتو اللہ کے اخلاق) کے مقام کو حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اس دیگ کو طاقچہ بلند پر جو سعادت ازلی مشکوٰۃ رفیع (بلند طاق) عنایت لم یزلی (ہمیشہ کی مہربانی) پر رکھ دیا گیا تھا۔ آسانی سے وہاں ہاتھ نہیں جاتا تھا۔

''ایک گڑھا چار گز کا پایہ (بنیاد) کے نیچے کھودا تو اس دیگ تک ہاتھ پہنچ گیا۔'' یعنی ہم نے نفس کی زمین میں چار گز کا گڑھا کیا۔ پہلا گز توبۃ النصوح کا۔ دوسرا گز صدق و اخلاص کا۔ تیسرا گز تواضع۔ عجز۔ بیچارگی۔ شکستگی کا۔ چوتھا گز نیستی و فنا کا کھودا تو من تقرب الیٰ شبراً تقربت الیه ذرعا (جب کوئی ایک بالشت میرے نزدیک آتا ہے تو میں ایک گز اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں۔ ومن تقرب الی ذرعاً تقربت الیه باعاً (جب کوئی ایک گز میرے نزدیک آ جاتا ہے تو میں ایک بام اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں) کے فرمان کے لحاظ سے ہمت کا ہاتھ اس دیگ تک پہنچ گیا۔ یہ کہتے ہیں کہ چار طبائع کے صفت جو آدمی میں ظاہر ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک کبر ہے جس کا نتیجہ آگ ہے۔ دوسری شہوت جس کا ثمرہ ہوا ہے تیسری حرص جس کی عادت پانی ہے۔ چوتھی روک رکھنا (امساک) جس کی اصل مٹی ہے۔ ان چاروں ذلیل باتوں کو ہم نے اکھیڑ کر پھینک دیا۔

"جب شکار پک گیا۔" یعنی اتم و اکمل (پورا و کامل) ہو گیا۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً (آج ہم نے پورا کر دیا تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور راضی کر دیا تمہیں دین اسلام کے ساتھ) سے جس کو عبارت میں لایا گیا ہے۔

"ایک شخص گھر کے اوپر کے حصہ سے نیچے اتر آیا کہ میرا حصہ مجھ کو دے دو کہ میں ایک مقررہ حصہ رکھتا ہوں۔" یعنی اس کی تکمیل کے بعد ایسے خطرے ظاہر ہوئے جس کے دور کرنے' اس سے مقابلہ کرنے کے لئے عارف کے کامل ومکمل ہونے اور بصیرت کے تیز تر ہونے (دل کی روشنی بہت تیز تر اور جلد پہنچنے والا) کی ضرورت تھی تا کہ یہ باریک باتیں اس پر ظاہر ہو جائیں اور معلوم کر لے اس کے معلوم سے مفہوم میں یہ آ جائے کہ الشرک فی امتی اخفیٰ من ربیب نملۃٍ تذھب فی لیلۃ مظلمۃ علی الصخرۃ السودا (میری امت میں شرک کا شرک ایسا چھپا ہوا ہے جیسے کہ ایک کالی چیونٹی کالے پتھر پر اندھیری رات میں اندھیری جگہ میں چل رہی ہو۔) اس کے دیکھنے کے لئے کس قدر تیز نظر اور دل کی روشنائی کی ضرورت ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ اس کو اس عبارت میں کہا گیا کہ فکشفنا عنك غطائك فبصرك الیوم حدید (اب ہم نے کھول دیئے تجھ پر سے اندھیرے۔ اس لئے آج تیری نظر بہت ہی تیز ہے۔) یہ بھی ہے کہ وہ حاسد قدیم پرانا دشمن حسد رکھنا والا۔ جو شیطان ہے وہ آسمانوں کی اونچائی سے نیچے آ کر دعوے کر رہا ہے کہ لا تحذن من عبادك نصیباً مفروضا (میں ضرور تیرے بندوں سے ایک مقررہ حصہ لے کر رہوں گا) یا خطرہ نفسانی ہو کہ جس نے لنفسك علیك حق (تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے۔) کا تقاضہ کیا ہو یا یہ ہو کہ مرتبہ کا خطرہ آیا ہو چنانچہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اخرما یخرج من رؤس الصدیقین حب الجاہ (صدیقوں کے سر سے سب سے آخر میں رتبہ و مرتبہ کی محبت نکلتی ہے)

"وہ کامل۔" یعنی جو مقام تمکین میں آفتاب کی طرح روشن و نمایاں تھا۔

چمک رہا تھا جس نے خطرات کے ہجوم اور وساوس کے اژدھام کو نور روحانی سے دریافت کرلیا۔

''وہ مکمل'' یعنی پیشوائے حقانی۔ عالم ربانی تھا جس نے مقام بلند ما ینطق عن الھویٰ (نہیں کہتا اپنے جی سے) میں زبان کھولی تھی اور ما کذب الفواد ما رای (نہیں ملایا ان کے دل نے کچھ اس میں جھوٹ جو دیکھا) کا مسند نشین تھا۔ صدق اخلاق کے پہلو میں قابو کی جگہ اس کی تاک میں ماٹ لگایا ہوا بیٹھا تھا یعنی خطرات کی پے میں ان کی تلاش میں تھا۔

''شکار کی ہڈی کو دیگ سے نکالا۔'' شکار کی ہڈی سے مراد وہ اشارہ شرک خفی سے ہے۔ جب گوشت پک جاتا ہے اور گل جاتا ہے تو اس میں جو ہڈیاں کھانے کے قابل نہیں ہوتیں وہ ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح کامل و مکمل ہونے کے بعد سالک پر یہ چھپے ہوئے جن کو وہ اچھے سمجھتا تھا۔ اچھے ہوتے تو ہیں لیکن راستہ کی روک ہوتے ہیں وہ اس پر کھل جاتے ہیں اس کو دکھ جاتے ہیں۔ (نظر آ جاتے ہیں)

''اس کی کھوپڑی پر دے مارا۔'' یہ اس لئے کہ وہ وساوس و خطرات شیطانی جو اٹھتے رہتے ہیں ان سب کو اس نے زمین پر دے مارا۔

''درخت سنجد یعنی زرد آلو اس کی ایڑی کے نیچے سے باہر نکل آیا۔'' ایڑی سے کھاری زمین مراد ہے۔ ایڑی کے نیچے بال تک نہیں پیدا ہوتے۔ بنجر زمین کی گھاس پھوس کو درخت سنجد کہا کہ یہ بُرے خطرے ہیں۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ ان عارفوں کے دل بلدۂ طیبہ (پاک شہر) کے جیسے ہیں۔ پاک صاف ہو گئے ہیں۔ ایک ٹکڑا کھاری زمین کا بیچ میں تھا۔ جس سے یہ بُرا خطرہ ظاہر ہوا۔ جو ناپاک ہوتا ہے وہ دھونے دھلوانے محنت اور کوشش سے پاک نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ والذی خبث لا یخرج انکد (جو ناپاک ہو وہ نہیں نکلتا مگر مشکل سے)

''ہم زرد آلو کے درخت پر پہنچے۔'' اس مرتاض زار و نزار درخت (جھکے ہوئے پیلے جلے ہوئے درخت) کے قریب پہنچے اس کو پاؤں کے نیچے روند دیا۔

"خربوزہ بوئے تھے جس کو رہٹ سے پانی دیتے تھے۔" ہم نے اس وقت دیکھا کہ دنیا کی حقیقت یعنی خربوزہ کہ نبات حیوان انسان جماد ہیں اس کو نفس و ہوا کے پاؤں کے نیچے بویا کرتے ہیں۔ رجوع و قبول کے رہٹ سے پرورش کیا کرتے ہیں۔

"اس درخت سے اتر آئے اور قلیہ زرد پکائے۔" زرد آلو سے مراد زینت اور خرافات دنیا اور جو کچھ بھی اس درخت سے تعلق رکھتا تھا ان سب سے ہم باز آ گئے' منہ پھیر لئے ان چار حقیقتوں سے کہ جماد۔ نبات۔ حیوان انسان تھے۔ ہم نے قلیہ بنایا۔ یعنی زرد روی (حسرت و افسوس) کو آخرش ہم نے سمجھ لیا۔ جو کچھ اس آیت میں مذکور ہے۔ یعنی زین للناس حب الشهوات من النساء والبنين والقناطير المقنطوة من الذهب والفضة والخيل المسومة والانعام والحرث ذالك متاع الحيات الدنيا (لوگوں کو مرغوب چیزوں کی خواہش بھلی معلوم ہوتی ہے۔ عورتوں کی' اولاد کی' سونے چاندی کی' چنے ہوئے ڈھیر کی' پلے اور سیدھے ہوئے گھوڑوں کی' جانوروں کی' کھیتی کی' یہ سب دنیا کی زندگی کے سامان ہیں۔) جان گئے۔ "اس کو ہم نے دنیا والوں کے لئے چھوڑ دیا۔ انہوں نے اتنا کھایا کہ سوج گئے اماس کر گئے۔"

دنیا کی چیزیں دنیا کے اسباب کو اتنا کام میں لائے کہ ان کے دلوں میں ایک مرض ایسا پیدا ہوا کہ جس کی تصریح فی قلوبھم مرض (ان کے دلوں میں بیماری ہے) سے کی گئی ہے لیکن اس کو انہوں نے بیماری نہ سمجھا بلکہ ان کا یہ خیال رہا۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ دل کی پرورش کر رہے ہیں۔ درآنحالیکہ اس کو وہ بگاڑ رہے تھے' وہ بگڑ چکا تھا۔ وہ یہ سمجھے کہ ہم موٹے ہو گئے۔ وہ یہ سمجھ لئے کہ دین پروری کی سمجھ سے قوی حال ہو گئے۔ یہ نہ سمجھ سکے کہ یہ بالکلیہ نفس پروری ہے۔ سمن کلبك با كلك (موٹا تازہ کر کتے کو اپنے کھانے سے) انہیں کے احوال کا بیان ہے۔

"وہ گھر سے باہر نہ جا سکے۔" طبیعت کے گھر سے باہر نہ آ سکے کیونکہ لا

یلج ملکوت السمآء من لم یولد مرتین (نہیں پہنچتا ملکوت آسمان میں جب تک نہ دوبارہ پیدا نہ ہو) کی شرط لگا دی گئی ہے۔

تو کز سرائے طبیعت نمی روی بیرون کجا بکوئے طریقت گذر توانی کرد
(تو اپنی طبیعت کے ٹھکانے سے باہر نہیں آیا تو طریقت کے کوچہ میں کیسے گزر کر سکے گا)

"اپنی نجاست میں آپ رہ پڑے۔" وہ اس لئے کہ الدنیا جیفة طالبہا کلاب و شر کلاب من وقف علیہا (دنیا مردار ہے اس کا طلب کرنے والا اس کی خواہش مند کتا ہے۔ برا کتا ان کا وہ ہے جو اس پر ٹھہرا رہے) بزرگوں نے کہا ہے اصلی ناپاکی خواہشات، ہوا و ہوس کا پیدا ہونا ہے۔ نفس ناپاکی کے جیسا ہے ناپاک ہے۔ برائی ہی برائی ہے۔

"ہم بہ آسانی اس کے مکر سے باہر آ گئے دروازہ پر سور ہے۔" قافلہ سالار علیہ السلام کے حکم سیروا سبق المفردون قالوا وما المفردون۔ یا رسول اللّٰہ قال المستظھرون بذکر اللّٰہ (سیر کرو تنہاؤں کے ساتھ عرض کیا کہ یا رسول اللہ تنہا رہنے والے کون ہیں؟ فرمایا اللہ کے ذکر کے ساتھ حاضر ہونے والے) کے لحاظ سے الگ تھلگ ہو کر آسانی کے ساتھ طبیعت کی خندقوں کو پھاند گئے۔ مصرعہ۔ جریدہ رو کہ گزرگاہ عاقبت تنگ است (تن تنہا و مجرد ہو کر چل کھڑے ہو جاؤ کہ عاقبت کی گھاٹی کا راستہ بہت ہی تنگ ہے۔)

سفر کے لئے روانہ ہو گئے۔ یعنی فرمان قدیم کے حکم یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللّٰہ اثا قلتم الی الارض ارضیتم بالحیواۃ الدنیا من الاخرۃ (اے ایمان والو جب تم سے کہا گیا کہ کوچ کرو اللہ کے راستے میں تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے آخرت کی بجائے دنیاوی زندگی سے راضی ہو گئے) کی تعمیل میں ہم طبیعت و خواہشات کے گھر میں ٹھہرے نہ دم لئے، سیر معنوی کے لئے روانہ ہو گئے۔ ارباب تصوف اور اولی الارباب نے اس راز کو ان حالات کو اس طرح کھولا ہے۔

چوں بنائے خلقتم ایزد نہاد — آمدم اول بہ اقلیم جماد

(جب خدا نے میری پیدائش کی بنا رکھی — تو میں پہلے پہل جماد کے ملک میں آیا)

وز جمادی مردم و نامی شدم — بعد ازاں حیوان انسامی شدم

(جمات سے مر گیا نبات ہو گیا — اس کے بعد حیوان اور چوپایہ ہوا)

وصف حیوانی رہا کردم چو باز — آمدم در نوع انساں سرفراز

(جب حیوانیت کی صفت سے نکل گیا — تو انسان کی جنس میں سر اٹھایا)

باز بگذشتم ز انسانی صفت — در ملک راندم بُراق معرفت

(پھر جب انسانی صفت سے بھی آگے بڑھ گیا — تو فرشتوں کے عالم میں معرفت کا براق اڑایا)

از ملک چوں گزشتم در علو — کل شی ھالک الا وجہ

(جب اونچائی میں فرشتوں سے بھی آگے بڑھ گیا — سب چیزیں اس کی وجہ کے علاوہ ہلاک ہو گئیں)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ

(اے ہمارے پروردگار ہم درود و سلام بھیجتے ہیں ہمارے آقا سردار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پر)

تَمَّتُ الرِّسَالَه

شرح برہان العاشقین

از

حضرت میر سیّد محمد کالپوی قدس سرّہ العزیز

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبدالصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ العزیز

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم۔

اللہ تعالیٰ کی حمد (تعریف، صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مستعمل ہوتی ہے) اور سید الانبیاء علیہم السلام کی ثناء (تعریف مدح و ستائش اصطلاح میں وصف خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی صفت و خوبی کا بیان کرنا) آل و اصحاب مقتدا کی منقبت (تعریف کرنا ہنر ظاہر کرنا اصطلاح میں تعریف و توصیف و ثنا اہل بیت و صحابہ رضی اللہ عنہم کرنا) کے بعد اللہ تعالیٰ کا راستہ چلنے والے حضرات کے باطن پر واضح ہو جائے کہ ایک دن یہ بندہ بیکارہ سید محمد و آلہ خاکسار تنہا بیٹھا ہوا تھا کہ دو فقراء آئے۔ جن کے پاس ایک پرچہ کاغذ کا تھا۔ جو تمثیل ہائے اسرار پر مشتمل تھا۔ جس کا حل عقل انسانی نہ کر سکتی تھی۔ انہوں نے وہ مجھ کو دکھا کر کہا کہ یہ ورق ملفوظات زبان گوہر فشاں سید محمد حسینی گیسو دراز نور اللہ مرقدہ سے ہم نے پایا ہے۔ جس کو ہم علماء فضلاء کے پاس لے گئے۔ ان کے معنی بتانے اس کے حل کرنے کی ان سے استدعا کی تو انہوں نے اس کو دیکھ کر کہا کہ (یہ کلمات مہملہ (بے کار بے معنی خیالات) بے فائدہ کے ہیں کوئی معنی نہیں رکھتے۔ یہ سید محمد گیسو دراز کا کلام نہ ہوگا۔ اس کے بعد ہم نے فقرائے صاحب ارشاد مشائخ پاک اعتقاد کے پاس لے جا کر ان سے ان رموز کے حل کا معروضہ کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ عبارت اسرار عاشقان مستان جام معرفت مطلق ہے۔ اس کے سوا کسی کو اس کے سمجھنے اس کے مقاصد پانے کا حوصلہ نہیں۔ کوئی اس تک پہنچ نہیں سکتا۔ ہم دونوں جگہوں سے نا امید ہو کر یہ کاغذ آپ کے پاس لائے ہیں تاکہ ہم جان لیں کہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز قدس سرہ نے یہ کلمات بلا وجہ نہیں فرماتے۔ یہ مہمل نہیں ہیں۔ آپ نے اس میں کچھ نہ کچھ اسرار ضرور درج کئے ہوں گے۔" میں نے درویشوں سے کہا۔ یہ لکھا ہوا

ورق مجھے دے دو اور دو تین دن کے بعد تشریف لے آؤ تا کہ ہم اس میں فکر دوڑائیں۔ اگر سمجھ میں آ جائے تو آپ کے لئے اس کی شرح لکھ دی جائے گی۔ چھپی ہوئی باتوں کو صاحبان فطرت پر کھول دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا یہی ہمارا مقصد ہے۔ اس کے بعد میں نے قلم اٹھایا حق سے توفیق چاہی۔ اس بزرگوار کی روح پر فتوح کی امداد سے ان کلمات کی شرح اس طرح لکھنی شروع کی۔

قولہ تعالیٰ و تلک الامثال نضربھا للناس لعلھم یتفکرون (یہ مثالیں ہم اس لئے دیتے ہیں کہ لوگ اپنی سمجھ بوجھ کو کام میں لائیں) اس آیت کو کلمات مقصودہ سے پہلے لانے کا مقصد یہ ہے کہ حقائق کا بیان تمثیلات کے پردہ میں ہونے سے فکر لڑانے اور ان کے مطالب تک پہنچنے کی ترغیب ہو جائے۔ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے لئے مثالیں۔ تمثیلات دیئے جاتے ہیں تا کہ وہ ان میں غور کریں فکر لڑائیں ان سے مدّعا کو پائیں۔ حق تعالیٰ نے ''ناس'' فرمایا انسان نہ کہا۔ سچ ہے ''ناس'' اور انسان اور ہے۔ آدمی چار قسم کے ہوتے ہیں۔ انسان' آدم' بشر' ناس۔ ہر نام کے لئے ایک مقام ہے۔ جس وم مرتبہ میں وہ پہنچتا ہے تو ایک نئی صفت ایک خوبی اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی مناسبت سے اس صفت کے ساتھ موسوم ہوتا' نام پاتا ہے۔ جب روح مجرد تھی' جسم جسمانیت کے ساتھ ملاپ و یکجائی نہ پائی تھی' اس کا نام کچھ اور ہی تھا۔ جیسے ہی اس نے امانت قبول کی اس کو انسان کہا گیا۔ **قولہ تعالیٰ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** (ہم نے انسان کو اچھی ساخت کا پیدا کیا۔) بعدہ جب خاک خمیر پا گئی۔ جسم مرتب ہو گیا' تو اس کو آدم نام دیا گیا۔ **قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کنت بنیاد الادم بین الماء والطین** (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نبی تھا اور آدم مٹی پانی میں تھے) جب نفخ روح ہوا۔ نفخہ روح سے علوی سفلی باہم امتزاج پائے (جب روح پھونکی گئی روح کے پھونکے جانے اعلیٰ ادنیٰ۔ اونچے نیچے میں میل ملاپ کے بعد جب وہ آپس میں ہم مزاج ہوئے) مرکب ہوئے۔ جب لطافت نور روحانی (روح کی پاکیزگی روشنی) اور کثافت ظلمت جسمانی (جسم کی کدورت'

اندھیرا) ہر دو آپس میں ایک ہوئے تو اس صورت میں اس کو بشر کہا گیا۔ قولہ تعالیٰ انی خالق بشراً من طین (میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو مٹی سے) اس کے بعد جب اس میں غفلت (چوک) ونسیان (بھول) کا ظہور ہوا تو اس نے وہ وعدہ اقرار عہد فراموش کر دیا (بھلا دیا) شیطان کی بات سن کر گیہوں کھالیا تو اس کو ناس کہا گیا یعنی نسیان (بھول) میں آنے والا۔ بھول چوک کرنے والا۔ قولہ تعالیٰ وان کثیراً من الناس بلقاء ربھم لکافرون (بہت سارے لوگ اپنے پروردگار سے ملنے کے منکر ہیں) جو شقی اور سراپا بد ہیں جیسے کہ کفار فاسقین یہ ناس ہیں۔ جس میں اچھی عادتیں نیک خصلتیں کم اور بری باتیں عادتیں زیادہ ہوں جیسے کہ یہ شرح کا لکھنے والا اور دوسرے مسلمان یہ بشر ہیں۔ بشریت کی قید میں رہ گئے ہیں۔ جس میں برے اخلاق بہت کم اور اچھی عادتیں نیک باتیں زیادہ ہوں۔ عبادت الٰہی میں سرگرم ہوں۔ لگے ہوئے ہوں جیسے کہ مومنین صالحین عابدین یہ آدم ہیں۔ آدمیت کی نشانیاں ان سے ظاہر ہیں۔ جن کا نفس مطمئنہ ہو گیا ہو۔ بشریت کی کدورتوں سے پاک اور عبودیت ومحبت الٰہی اور اپنی فناء میں درجہ کمال کو پہنچ گئے ہوں جیسے کہ اولیاء علیہ الرحمۃ انبیاء علیہم السلام یہ انسان ہیں۔ ''انسان'' ہونا مشکل ہے بلکہ ''آدمیت'' بھی کم پائی جاتی ہے۔ البتہ دنیا ناس اور بشر سے بھری ہوئی ہے۔ خلاصہ ومقصود یہ لکھنے کا یہ ہے کہ خلقت انسانیت کہ روحانی حقیقت ہے پہلے پہل ہوئی۔ خلقت آدمیت۔ بشریت ناسیت کہ جسمانی حقیقت ہے وہ جسم کے مزاج پانے صورت لینے کے بعد ظاہر و پیدا ہوئی۔ اسی لئے حضرت سید محمد حسینی گیسودراز قدس سرہٗ نے حقیقت روحانی سے ابتدا کی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ ''ہم چار بھائی تھے'' اس سے چار روح مراد ہیں جن کو پہلی نباتی۔ دوسری حیوانی۔ تیسری انسانی ناطق (گویا۔ بولتی) کہ جس کو نفس ناطقہ (بولتی چالتی حقیقت) بھی کہتے ہیں چوتھی انسانی قدسی۔ اگرچہ محققین نے چار ارواح میں روح جمادی کو داخل کیا ہے۔ روح انسانی کو جو سب میں ہے ایک شمار کیا لیکن روح جمادی میں صرف قوت ثقل جسم (زور بھاری پن۔ لمبائی، چوڑائی، گہرائی) ہے یہ دوسری ارواح کی طرح قوت نشوونما (بڑھنے، پھولنے

پھلنے کی قابلیت) نہیں رکھتی۔ اس مقام میں وہ ارواح مقصود ہیں جو استعداد۔ قوت اور قابلیت رکھتی ہیں۔ وہ نباتی۔ حیوانی۔ انسانی ہیں۔ ارواح انسانی ایک سی نہیں' یکساں نہیں۔ عام لوگوں میں کچھ اور طرح سے انبیاء علیہم السلام اولیاء رحمتہ اللہ علیہم میں کچھ اور ہی طرح اور ہی قسم سے ہیں۔ وہ روح جو کامل ہے وہ اور ہی ہے۔ حضرت سید محمد حسینی گیسودراز رحمتہ اللہ علیہ نے چار ارواح میں سے ایک کو کامل مکمل شمار کیا ہے۔ یعنی روح انسانی کہ وہ ہر کسی میں ہوتی تو ہے لیکن کامل نہیں ہوتی اس لئے اس کے بھی دو قسم قرار دیئے گئے ہیں۔ ناطق (بولتی) قدسی (پاک) روح نباتی یعنی درخت گھاس پھوس ہے۔ کہ صرف قوت نباتیت (بڑھنے کی قابلیت) رکھتی ہے کہ نشو و نما۔ صفا۔ طراوت (ٹھنڈک) ہے۔ روح حیوانی یعنی جانداروں کی روح جیسے چوپایہ۔ پرند۔ چرند۔ درند کہ قوت نباتیت کے ساتھ ساتھ قوت حیوانیت بھی رکھتے ہیں جو کھانا۔ پینا۔ سونا۔ جاگنا۔ اولاد کا ہونا یہ نباتی ہیں' کھلے طور سے نہیں۔ روح انسانی ناطق قوت نباتیت و حیوانیت کے ساتھ ساتھ قوت انسانیت بھی رکھتی ہے۔ جو ناطقہ ممیزہ ہے یہ بات نباتی و حیوانی ارواح میں نہیں۔ روح قدسی یعنی انسان کامل کی روح قوت نباتیت' حیوانیت و ناطقہ کے علاوہ ایک قوت قدسیہ بھی رکھتی ہے۔ جن کو صفات ملکی (فرشتوں کی خوبیاں) کشف معاملات غیب (باطن کے کاروبار اور باتوں کا کھلنا) کہتے ہیں۔ یہ بات ان تین ارواح میں نہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ہم چار قسم کے ارواح تھے۔

ده بار بگفتمت کہ نہ یار مگیر   بگریز زہشت و ہفت زنہار مگیر
(میں نے دس دفعہ کہا کہ نو دوست اختیار نہ کر   آٹھ سات سے بھاگ ان کو کبھی اختیار نہ کر)

شش پنج و چہار وسہ وفائے نکند   بگذار دوئی راہ و یکے یار بگیر
چھ پانچ چار تین وفا نہیں کرتے   دو کو چھوڑ ایک ہی کو دوست بنا)

دس شعر کے پورے ہونے کے لئے ہے۔ نو ۹ سے نو آسمان۔ آٹھ سے آٹھ جنت۔ سات سے سات دوزخ۔ چھ سے چھ سمتیں۔ پانچ سے پانچ حواس۔ چار سے چار عنصر۔ تین سے موالید ثلاثہ (جماد نبات حیوان) دو سے دین و دنیا۔ ایک سے اللہ مراد

ہے۔

''نو گاؤں کے'' یعنی نو آسمانوں کے۔ آسمان نو ہیں۔ ارواح سمائی (جانیں آسمان کی) اجسام خاکی (زمین کے جسم) ہیں۔ سات آسمان مشہور ہیں۔

فلک المنازل کو آٹھواں آسمان' فلک البروج کو نواں آسمان کہتے ہیں اسی طرح سے شمار کرتے ہیں نو آسمان قرار دیئے ہیں۔ ارباب عرفان (معرفت رکھنے والے حضرات) جنہوں نے دیدہ باطن (باطنی آنکھوں) سے وجود کے دائرہ کو دیکھا ہے انہوں نے عرش کرسی کو فلک المنازل فلک البروج کے پرے مشاہدہ کیا ہے۔ نو آسمانوں کو عرش کرسی سے جدا پایا ہے۔

''تین بھائی کپڑے نہ رکھتے تھے۔'' یعنی ناقص تھے۔ لباس کمال سے عاری (خالی) تھے یہ روح نباتی۔ روح حیوانی۔ انسانی ناطقہ ہیں کہ وہ درجہ لطافت (پاکیزگی کے مرتبہ) کو نہ پہنچے تھے۔ اوصاف قدسیہ نہ رکھتے تھے۔ روح قدسی کی نسبت کرتے وہ کسی لباس کے بغیر تھے۔

''ایک بھائی ننگا تھا۔'' جسم جسمانیت اس میں نہ تھی۔ یہ روح قدسی ہے یعنی اولیاء قدس سرہم اور انبیاء علیہم السلام کی روح ہے جو جسمانی کدورت (بدن کی آلائش) سے پاک ہے۔ تن کی ثقالت آلودگی سے ملوث نہیں اور وہ تین ارواح اجسام سے (ابدان سے) متعلق ہیں۔ روح قدسی ایک فیض کے ساتھ موصوف ہے جو بارگاہ قدس سے آتا ہے۔ روح انسانی جب مورد فیض قدسی (فیض قدسی کے اترنے کی جگہ) بن جاتی ہے تو وہ بھی قدسی سے موسوم ہو جاتی ہے۔ ان تین ارواح کے نسبت یہ روح کثافت جسمانی سے پاک ہے۔

''وہ بھائی جو ننگا تھا۔ آستین میں اشرفی رکھتا تھا۔'' اشرفی سے مراد چھپا ہوا خزانہ ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ کنت کنزا مخفیاً۔ فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق (میں تھا ایک چھپا ہوا خزانہ۔ میں چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا) تاکہ پہچان لیا جاؤں اور اس خزانہ کی پہچان جو چھپا خزانہ تھا' جیسا کہ اس کو

پہچانئے کا حق‘ جیسا کہ پہچاننا چاہئے‘ پہچانیں۔ روح قدسی سے ہی اس کو پہچاننا چاہئے۔ پہچاننا ضروری ہے وہی پہچانتی ہے۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ روح قدسی ایک فیض موصوف ہے۔ وہ چھپے ہوئے خزانہ سے فیض پاتی۔ چونکہ وہ ایسی ایسی ہے اس لئے اپنی آستین میں اشرفی رکھتی ہے۔

”ہم بازار میں آئے۔“ یعنی کثرت میں آئے تعینات۔ قسم قسم کے ممکنات‘ کہ یہ اسماء وصفات کے تصرف ہیں جو حضرت واحدیت سے وجود کے دائرہ میں ظاہر ہوئے ہیں۔

”کہ شکار کے لئے تیر وکمان خرید لیں۔“ شکار سے مقصد ومراد۔ انوارِ ذات صفات خالق بے ہمتا کا مکاشفہ ہے (امور غیبی کے اسرار کا ظاہر ہو جانا ولی اللہ کے دل میں)

”قضا آ گئی ہم چاروں کشتہ ہو گئے۔“ یعنی معرض خطاب میں آ گئے (باتوں کے ہیر پھیر بات چیت کے چکر میں پڑ گئے) کہ واذا اخذ ربك من بنی أدم من ظهورهم ذریتهم واشهد هم علیٰ انفسهم الست بربکم قالوا بلیٰ شهدنا (جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی نسل کو باہر نکال ان کے مقابلہ میں خود ان ہی کو گواہ بنایا اور اس طرح پر کہ ان سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ سب بولے ہاں۔ ہم سب اس بات کے گواہ ہیں) اسی بارہ میں آئی ہے۔ یوں سمجھو کہ جب سب کے پیدا کرنے والے نے ارواح کو ابدان کے اتصال سے پہلے (جانوں کو جسموں سے ملانے سے پہلے) عہد میثاق (وعدۂ ازل) لینے کے لئے اپنے علم میں جلوہ دیا تو ارواح اس ہیبت سے بے ہوش ہو گئے یعنی کشتہ ہو گئے۔

”چار سے چوبیس زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہو گئے۔“ یعنی الست بربکم (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں) کے خطاب کے بعد ارواح درست وسرفراز ہو گئے تو انہوں نے عرض کیا۔ بلیٰ‚ شهدنا (ہاں۔ ہم اس کی گواہی دیتے‘ ہم اس بات کے گواہ ہیں) جب یہ کہہ چکے تو ایک لذت وراحت اپنے آپ میں پائے انہیں ایسا معلوم ہوا

کہ وہ دوبارہ زندہ ہو گئے' اپنے آپ میں استعداد و قوتیں پائیں' وہ چوبیس تھیں۔ چار قسم کی ارواح نے بیس طرح کی قوتیں پائیں۔ چار کو بیس میں جمع کریں تو چوبیس ہو جاتے ہیں ان چوبیس قوتوں میں سے روح نباتی میں پانچ قوتیں ہیں جن کو جاذبہ۔ ماسکہ۔ نامیہ۔ ہاضمہ۔ مولدہ کہتے ہیں۔ جاذبہ۔ (یعنی نباتات) یہ آب و ہوا کو اپنے میں جذب کرتی (کھینچ لیتی ہے) ماسکہ۔ یہ ان کو اپنے میں ٹھہرا رکھتی ہے۔ ہاضمہ۔ غذا آب و ہوا کو ہضم کرتی ہے۔ نامیہ۔ نشوونما دے کر بڑھاتی ہے۔ مولدہ۔ پھول پتیاں میوے ان میں پیدا کرتی ہیں روح حیوانی میں ان مذکورہ پانچ قوتوں کے علاوہ اور پانچ قوتیں ہیں جن کو ذائقہ۔ شامہ۔ باصرہ۔ سامعہ۔ لامسہ کہتے ہیں۔ ذائقہ کھانے پینے سے متعلق ہے۔ کڑوا کھٹا میٹھا بتلاتی ایک دوسرے میں فرق و تمیز کرتی ہے۔ شامہ سونگھنے سے متعلق ہے خوشبو بدبو کی تمیز کرتی ہے۔ باصرہ دیکھتی ہے۔ سامعہ آواز سنتی ہے۔ لامسہ ہر چیز کو چھونے کے بعد گرمی سردی نرمی سختی پاتی ہے۔ روح انسانی میں ان دس قوتوں کے علاوہ اور پانچ قوتیں ہیں جن کو عقل مدرکہ۔ تخلیہ۔ حافظہ۔ فکر ممیزہ۔ حس مشترک کہتے ہیں۔

عقل مدرکہ وہ ہے کہ جس سے بنی آدم عقل فطری و عملی رکھتے ہیں۔ ہر چیز کو عقل میں لے آتے ہیں۔ تخلیہ وہ ہے جو خیالات دور و دراز رکھتی ہے۔ حافظہ حقائق اشیاء کو یاد رکھ لیتی ہے۔ حافظہ میں محفوظ کر لیتی ہے اس کو بھول نہیں جاتی۔ جیسا کہ حیوانات بھول جاتے ہیں۔ فکر ممیزہ یہ وہ قوت امتیاز ہے جو حقیقت نیک و بد۔ حق و باطل ہے اس کی تمیز کر کے جدا کر کے دکھاتی ہے۔ حس مشترکہ۔ جس طرح حیوانات پانچ حواس ظاہر رکھتے اسی طرح بنی آدم پانچ حواس ظاہر کے علاوہ پانچ حواس باطن بھی رکھتا ہے یہ ان میں مشترک ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی معنوی فرماتے ہیں۔ ؎

پنج حسہا ہست جز ایں پنج حس — آن چو زر سرخ ایں حسہا چو مس
(ان پانچ حواس کے علاوہ اور پانچ حس ہیں — وہ سونے کے جیسے اور یہ تانبے کے جیسے)
حس ابدان قوت و ظلمت می خورند — حس جان از آفتابے می چرند
(جسم کے حواس کی غذا اندھیرا کھاتا ہے — جان کے حواس روشنی سے غذا پاتے ہیں)

یہ ظاہر ہے کہ آدمی کا دیکھنا۔ سننا۔ چکھنا۔ سونگھنا۔ چھونا اور ہے حیوانات کا اور ہے۔

روح قدسی میں ان قوتوں کے علاوہ اور پانچ قوتیں۔ (۱) لطافت (پاکیزگی نرمی) سبک روحی (تیز ہلکی رفتار) صافی (صفائی ستھرائی) (۲) سیرت ملکی (فرشتہ کی خصلت) کہ کھانے پینے سونے لیٹنے کی محتاج نہیں (احتیاج نہیں رکھتی) (۳) کشف قبور و کنوز (قبروں اور خزانوں کا کھل جانا) یعنی مردوں کا حال زمین میں گڑھے ہوئے خزانوں کا دکھ جانا (۴) عالم جبروت کہ عالم صفات ہے اور عالم لاہوت کہ عالم ذات ہے ان کا مکاشفہ ہو جانا (۵) الہام یعنی غیب کی باتیں دل میں ڈالے جانا۔ ملہم غیب ہو جانا۔ پوشیدہ باتیں معلوم کرائی جانا۔ معلوم ہونا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ چار ارواح بیس قوتوں کے ساتھ زندہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اگر کوئی سوال کرے کہ جس مقام سے آپ گفتگو کر رہے ہیں۔ جس کی خبر دے رہے ہیں۔ وہاں یہ چار قسم کے ارواح قید جسمانی میں نہ آئے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہی قوتیں ان کے استعداد ہوئے۔ ان ہی قابلیات کو وہ اپنے آپ میں پائے۔ بات یہ نہیں کہ یہ قوتیں ان ارواح سے ظہور میں آئے۔

''ہم نے چار کمان دیکھے۔'' یعنی ہم نے مجاہدہ۔ مراقبہ۔ مشاہدہ۔ مکاشفہ کی کمانیں دیکھیں۔ (۱) پہلی بڑی لڑائی نفس امارہ کے ساتھ یعنی مجاہدہ سے اس کو زیر کرنا۔ یہ پہلی کمان کا کھینچنا ہے۔ (۲) تصور مرشد وغیرہ سے مراقبہ میں ہو جانا' گردن جھکا دینا دوسری کمان کا کھینچنا ہے۔ (۳) مراقبہ سے اسرار ملکوتی کے مشاہدہ میں دل کا کھینچ لے جانا۔ نرم کر دینا۔ دیکھنے کے قابل بنا دینا تیسری کمان کا کھینچنا ہے۔ (۴) تجلیات کو پالینا۔ ذات وصفات کے انوار کا مکاشفہ ہونا۔ چوتھی کمان کا کھینچنا ہے۔

''تین ٹوٹے ہوئے ناقص تھے۔'' یعنی مجاہدہ۔ مراقبہ۔ مشاہدہ کی کمانیں ناقص تھیں کیونکہ تجلیات اثاری افعالی جو عالم خلق و امر سے مخصوص ہیں ان کا مشاہدہ و مجاہدہ و مراقبہ پر مبنی ہے۔ مشاہدہ خود تجلیات اثاری افعالی پر مشتمل ہے اسی لئے وہ ناقص

ہیں یعنی مکاشفہ کی نسبت کرتے وہ منحصر ہونے سے کمی میں ہیں تجلیات صفاتی ذاتی کے ہونے اور کھلنے کو مکاشفہ کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی وہ ناقص ہیں کہ مکاشفہ عالم جبروت ولاہوت کی خصوصیت اس کے ساتھ مخصوص اور وہ تین عالم ناسوت و ملکوت سے اختصاص پائے ہوئے۔ جبروت سے آ ملنے کے مراتب ہیں۔ اثار و افعال۔ صفات و ذات سے کم اور ناقص ہوا ہی کرتے ہیں۔

''ایک کمان ایسی تھی جو دو کنارے درمیانی دھارا نہ رکھتی تھی۔'' یعنی انوار ذات و صفات کے مکاشفہ کی کمان مسلمہ ہے کہ حق کی ذات۔ مکان۔ زمان۔ موالید ثلاثہ سے کہ وہ طول۔ عرض۔ عمق۔ چھ سمت۔ آگا۔ پیچھا۔ دایاں۔ بایاں۔ اوپر نیچے۔ مغرب۔ مشرق۔ جنوب۔ شمال تحت وفوق (آسمان زمین) سب سے منزہ ومبرا (پاک و بری) ہے اس لئے اس کمان کے دو کنارے دو خانے بیچ کا دھارا نہ تھا کہ مکاشفہ حق کی کمان تھی۔

''وہ ننگا بھائی جو آستین میں اشرفی رکھتا تھا۔'' یعنی روح انسانی قدسی۔ کہ خزانہ کنت کنزاً یعنی گنج مخفی (چھپے ہوئے خزانے) سے کچھ اس کے ہاتھ میں تھا اس کمان کو جس کے دو کنارے درمیانی دھارا نہ تھا خرید لیا۔ یعنی مجاہدہ۔ مراقبہ۔ مشاہدہ سے خود کو مکاشفہ میں لے آیا۔ ان کو ٹھیک کر لیا۔ خوش کر دیا۔

''ایک تیر کی ضرورت تھی۔'' کمان مکاشفہ کے لئے ایک تیر۔ تجلیات ذاتی وصفاتی کے شکار کرنے کے لئے درکار تھی۔

''ہم نے چار تیر دیکھے۔'' چار تیر سے۔ چار قسم کے ذکر مراد ہیں۔ جلی لسانی۔ جلی قلبی۔ خفی قلبی۔ خفی سری کیونکہ مقصود کے شکار کر لینے کے لئے خدا تعالیٰ کا نام اس کی یاد بہترین تیر ہے۔ سنیے جلی لسانی اس ذکر کو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی یاد زبان سے کرتے ہوئے دل کو اس کی تعظیم واجلال اور اس کے نام سے غافل نہ رکھیں۔ جلی قلبی اس ذکر کو کہتے ہیں جس میں دل سے اعتراف اس کی عظمت و جلال کا یعنی حضرت صمدیت کا کرتے ہوئے اس کا نام زبان سے لیتے ہیں یعنی دلِ حاضر کے ساتھ اس کا

ذکر زبان سے کرتے ہیں۔ خفی قلبی اس ذکر کو کہتے ہیں جس میں زبان کو دخل نہ ہو۔ دل ہی دل میں تعظیم واجلال حق کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے حق کا ذکر کرتے' ذکر میں رہتے ہیں۔ خفی سری' اس ذکر کو کہتے ہیں وہ ایسی یاد ہوتی ہے جس میں زبان و دل کو جنبش تک نہ ہو یعنی کوئی تحرک ان میں نہ آئے۔ روح اور سر (روح اس کا باطن) جوش محبت میں نفس وجسم کی فنا کے ساتھ محبوب حقیقی کا ذکر کریں۔ اسی کا ذکر ہوتا رہے۔ اس ذکر میں جسم زبان دل کو دخل نہیں۔ ان کی فنا ہو جاتی ہے۔

''تین ٹوٹے ہوئے تھے۔'' یہ تین ذکر خفی سری کی نسبت کرتے ناقص ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اولیاء قدس سرہم ذکر سری ہی میں ہمیشہ لگے ہوئے رہتے ہیں۔ یہی ان کا مشغلہ ہوتا ہے۔

''ایک تیر پر اور پیکان نہ رکھتا تھا۔'' پر و پیکان کہنے کا مطلب ''زبان و دل کی یکسانیت ساتھ داری مددگاری'' ہے۔ اصلی بات یہ ہے کہ ذکر خفی سری ان دونوں سے بے نیاز ہے۔

''ایک تیر بے پر و پیکان خرید لیا۔'' اس تیر کو چن لیا۔ ٹھیک کر لیا۔ ذکر خفی سری میں ہو گیا۔

''شکار کی طلب میں جنگل میں پہنچ گئے۔'' یعنی تجلیات ذاتی وصفاتی کے لئے دائرہ وجود کے میدان میں آ پہنچے۔

''چار ہرن دیکھے۔'' یعنی چار عالم جو ناسوت۔ ملکوت۔ جبروت۔ لاہوت ہیں دیکھنے میں آئے کیونکہ یہی چار عالم تجلیات کے شکار کرنے کی جگہ ہے۔ عالم ناسوت جو عالم خلق۔ عالم شہادت۔ عالم آثار ہے۔ تجلیات اثاری کے شکار کرنے کی جگہ یہی ہے۔ عالم ملکوت کہ عالم امر۔ عالم غیب۔ عالم افعال ہے۔ تجلیات افعالی کے شکار کرنے کی جگہ یہی ہے۔ عالم جبروت کہ عالم واحدیت۔ تجلی ثانی۔ عالم صفات ہے۔ تجلیات صفاتی کے شکار کرنے کی جگہ یہی ہے۔ اضافتوں نسبتوں کی کثرت۔ اعتبارات کی دوری پر مشتمل ہے۔ ناسوت ملکوت کے افعال آثار ہیں اس سے نسبت واضافت پاتے' یہاں

جمع ہو جاتے نسبت ثبوت پاتے ہیں کہ اعتبار واحدیت ہیں۔ عالم لاہوت کہ عالم احدیت۔ تجلی اول۔ عالم ذات ہے۔ تجلیات ذات کے شکار کرنے کی یہی جگہ ہے اور مخصوص مقام ہے کہ یہ وحدت و یکتائی ذات ہے (یہ اسی کی دو تجلیات ہیں۔ ایک احدیت دوسری واحدیت' جس کا اعتبار وحدت ہے۔ سلب ثبوت۔ حب غنا۔ جلوہ گری۔ پردہ پوشی۔ احدیت کو سلبی' واحدیت کو ثبوتی کہتے ہیں۔ وحدت کے شیون الوہیت کے صفات اجمال سے تفصیل میں آتے ہیں)

"تین مردہ تھے۔" یعنی ناسوت۔ ملکوت۔ جبروت۔ آثار افعال و صفات وجود کے ساتھ مشروط ہیں۔ یہ عالم لاہوت کے نسبت کرتے مردہ ہیں کیونکہ عالم لاہوت ہویت بحت عالم ذات ہے۔

"ایک جان نہ رکھتا تھا۔" یہ عالم لاہوت کہ عالم ذات ہے۔ یہ روشن و ظاہر ہے کہ حیات ذات اس حَیُّ و قَیُّوم کی جان سے وابستہ نہیں بلکہ وہ محی ہے زندہ کرنے والا ہے۔ جان اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔

"وہ ننگا بھائی جس کی آستین میں اشرفی تھی جو کمان کا کھینچنے والا تھا۔" یعنی روح انسانی قدسی نے اس کمان سے جس میں نہ کنارے تھے۔ نہ بیچ کا دھارا' اس تیر سے جس میں نہ پر تھے نہ پیکان یعنی مکاشفہ سے ذکر خفی کا تیر۔ اس بے جان ہرن پر مارا یعنی عالم ہویت سے جو عالم ذات ہے الفت پایا۔

"ایک کمند درکار تھی کہ شکار کو شکار بند پر باندھ دیا جائے۔" یہ فکر لگ گئی کہ یہ شکار ہاتھ سے جاتا نہ رہے "سر اور خفی" روح کے ساتھ مکاشفہ ذات و صفات حق میں لگا رہے' انتہائی مضبوطی کے ساتھ بندھا رہے' کیونکہ شیطان قابو طلب ہے گھات میں ہے۔ ماٹ لگایا ہوا بیٹھا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ما انسینہ اِلّا الشیطن اس کو بھول میں شیطان ہی نے ڈالا۔ جب اسی نے موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر کو بھلاپے میں ڈالا تو دوسروں کا کیا ذکر۔ نعوذ باللہ منھا (ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں اللہ سے پناہ مانگتے اس کے داؤ سے)

""ہم نے چار کمند دیکھے۔" (۱) کمند عزلت (سب کو چھوڑ چھاڑ کر خدا تعالیٰ کی بندگی اس کی عبادت وطاعت میں بیٹھ جانا) (۲) کمند خلوت (سب سے تنہا اور خالی ہو جانا۔ تنہائی۔ خالی ہونا غیر سے) (۳) کمند الفت (محبت میں محبوب ہی کے گرفتار رہنا) کمند وحدت (یکتائی یگانگی میں ایک ہی ایک کے ہو جانا) عزلت سے مراد ایک کونہ سنبھال لینا۔ سب سے علیحدگی تنہائی اختیار کر لینا۔ لوگوں سے میل جول کم رکھنا۔ بہت کم ملنا۔ اکیلے الگ مقام میں حق کی یاد میں مشغول ومنہمک رہنا۔ خلوت میں کسی کو اپنے سامنے آنے نہ دینا۔ کسی خطرہ کو اپنے دل میں جگہ یا راستہ نہ دینا۔ الفت۔ محبت کے جال میں پھنس جانا۔ سراپا محبت ہو جانا محبوب ہی کے خیال اسی کی محبت میں محبوب کے ہو کر رہنا۔ وحدت محبوب کے ساتھ ایک ہو جانا ایک و یکتا کے ساتھ ہو کر اپنے آپ سے بالکلیہ نکل آنا۔ وہی وہ ہے میں رہتا ہے۔

""تین پارہ پارہ تھے۔" عزلت۔ خلوت۔ محبت کی کمندیں الفت حق کے بغیر کام میں نہیں آتیں۔ الفت بھی جب تک محبوب کے ساتھ ایک ہو جانے کے مرتبہ کو نہ پہنچ جائے ناقص ہے کیونکہ یہ عشق کی شان ہے۔ معراج یہ ہے کہ دو کو ایک کر دیں۔ دو ہونے کے نشان کو بھی نہ رہنے دیں دوئی کو ملیامیٹ نیست ونابود کر دیں۔

""ایک کمند وہ تھی جو دو کنارے درمیانی دھارا نہ رکھتی تھی۔" قدیم فارسی میں کنارے کو کرانہ کہتے تھے یعنی کمند وحدت کہ عالم یکتائی ذات ہے' اس لئے یقیناً اس کے نہ کنارے ہو سکتے ہیں نہ درمیان۔ وہ چھ سمتوں۔ تین پیدائشوں آزو' بازو' بیچ سے بالکلیہ پاک ومبرّیٰ ہے۔

""شکار کو اس کمند سے جس میں دو کنارے درمیانی دھارا نہ تھا باندھ دیئے۔" اپنے آپ پر اس کو لازم کر لیا۔ اس کے پابند ہو گئے۔

""ایک گھر کی ضرورت تھی کہ جس میں ٹھہریں مقام کریں شکار کو پکائیں۔" یعنی روح اگرچہ قدسی ہے لیکن اس کے باوجود بھی یہ ضرور ہو گیا کہ اس میں شکار کو پکایا جائے۔ روح کی قوت سے دل کی قوت حاصل ہوتی ہے۔

''ہم نے چار گھر دیکھے۔'' یعنی چار عناصر مٹی۔ ہوا۔ پانی۔ آگ۔

''تین ٹوٹے پھوٹے آپس میں گتھے ہوئے تھے۔'' یعنی مٹی۔ پانی۔ آگ۔ مٹی گر جاتی۔ پانی سوکھ جاتا۔ آگ بجھ جاتی ہے۔

''ایک گھر چھت دیوار نہ رکھتا تھا۔'' یعنی ہوا۔ یہ چھت دیوار نہیں رکھتی حجم بھی نہیں جسم وجسمانیت بھی نہیں رکھتی سبک روح (پاک پاکیزہ تیز رفتار) ہے۔

''جس گھر کے چھت اور دیوار نہ تھی اس میں ہم آ گئے۔'' حق کے عشق کے گھر کی ہوا فضا کہ وہ مقام لطافت (پاکیزگی نرمی) ہے کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ محبت الٰہی کے گھر میں جسم وجسمانیت نہیں ہوتی۔ اس گھر کی ہوا لطیف و سبک روح ہوتی ہے۔

''ہم نے ایک ہنڈیا ایک بلند طاق پر رکھی ہوئی دیکھی۔'' یعنی عشق کی ہنڈیا جو ہمیشہ جوش میں رہتی ہے۔ اس کو سعادت کی طاق پر کہ وہ طاق کمشکوٰۃ فیہا مصباح (جیسے کہ طاق ہو اور اس میں چراغ ہو) کلام مجید میں آیا ہے کہ اللہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح۔ المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانہا کوکب دریٌ یوقد من شجرۃ مبارکۃ (یعنی اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کا نور ہے۔ تمثیل اس کے نور کی مثل طاقچہ کے ہے کہ جس میں چراغ ہو اور وہ چراغ آبگینہ (شیشہ۔ کانچ) وہ کانچ کا فانوس (لباس۔ چراغ) صاف شفاف تارے کے جیسا چمکیلا۔ جلا (روشنی و چمک) دیا ہوا متبرک درخت کا ہے۔) محققین نے یہ کہا کہ مومن کی روح طاقچہ ہے۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم شیشہ ہے اس طاق کا ''نور'' وجہ اللہ چراغ ہے جو اس شیشہ میں ہے۔

''کسی طرح سے بھی اس ہنڈیا تک ہاتھ پہنچ نہ سکتا تھا اس لئے ہم نے چار گز کا گڑھا اس کے پایہ میں کھودا۔'' یعنی چار قسم کی فنا حاصل کی۔ پہلی فنا نفس امارہ کو جڑ پیڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔ اخلاق ذمیمہ (بری عادتیں) نفسانی و شیطانی سے پاک ہو جانا۔ جس کو تزکیہ کہتے ہیں۔ وہ ہاتھ آ گیا۔ دوسری فنا۔ مرشد کامل کے

تصور میں فانی ہو جانا جس کو فنافی الشیخ کہتے ہیں۔ میسر ہو گئی۔ تیسری فنا حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں فانی ہو جانا کہ آپ حقیقت انسانیت کا خلاصہ ہیں۔ جس کو فنافی الرسول کہتے ہیں سرفراز ہو جانا۔ چوتھی فنا انوار ذات وصفات کے مکاشفہ میں فانی ہو جانا۔ موتو قبل ان تموتوا (مرو مرنے سے پہلے) کے راستہ پر قدم استوار ڈالنا جس کو فنا فی اللہ کہتے ہیں امتیاز پا جانا ممتاز ہو جانا ہے۔ جب ہم اس چار قسم کی فنا میں پورے اتر گئے فانی ہو گئے "تو ہاتھ اس ہنڈیا تک پہنچ گئے" کیونکہ اپنی فنا کے بغیر عشق کی نعمت تک ہاتھ نہیں پہنچتے، یعنی رسائی نہیں ہوتی، نعمت ہاتھ نہیں آتی۔

"جب شکار پک گیا۔" یعنی ضابطہ کمال کو پہنچ گیا (سلوک پورا ہو گیا) تو "ایک شخص گھر کے اوپر سے آیا۔" یعنی ابلیس ملعون بالاخانہ سے۔ اس لئے فرمایا کہ ابلیس آگ سے بنایا گیا ہے۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے۔ خلقتنی من نار (مجھ کو تو نے آگ سے بنایا) آگ سرکش (باغی) ہے اوپر کا رخ کرتی ہے۔ اونچی ہونا چاہتی ہے اسی لئے ابلیس نے اوپر سے سر نکالا۔

"کہا کہ میرا حصہ مجھ کو دو کہ میں ایک مقررہ حصہ ونصیبہ رکھتا ہوں۔" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وان یدعون الا شیطان مرید اللعنة اللہ و قال لا تحذك من عبادك نصیباً مفروضا ولا ضلینهم ولا مینهم لا مرنهم (اور نہیں پکارتے بلاتے مگر شیطان کو جو باغی ہے اللہ نے جس پر لعنت کی اور کہا شیطان کہ میں البتہ لوں گا تیرے بندوں سے ایک مقررہ حصہ ونصیبہ اور ان کو بہکاؤں گا۔ امیدیں دلاؤں گا۔ ان پر حکم کروں گا ان کو سکھلاؤں گا) اشقیا (بدبخت) شیطان کو پکارتے اسی کو بلاتے ہیں۔ خدا نے لعنت کی ان پر اور شیطان پر۔ اس نے جناب الٰہی میں کہا کہ میں تیرے بندوں سے نصیبہ فرض کیا ہوا (ایک مقررہ حصہ) لوں گا یعنی گمراہ کروں گا ان کو امیدوں میں یعنی لمبے چوڑے بے انتہا آرزوؤں میں پھنسا دوں گا اور ان کو برے کاموں کا، بدترین حرکتوں کا حکم کروں گا۔ اسی بناء پر شیطان نے چاہا کہ کام میں خلل ڈالوں تو "برادر کامل نے ایک ہڈی اس شکار کی ہنڈیا سے نکال کر اس کے تالو پر

دے ماری۔" یعنی روح انسانی قدسی جو اتنے کمالات کو پہنچی ہوئی تھی گھات میں بیٹھی ہوئی تھی وہ اس ابلیس پُر تلبیس (دھوکہ دغا سے بھرپور) کے مکر دغا بازی دھوکہ سے غافل نہ تھی۔ وہ ہڈی کیا ہے آدمی کیسا ہی مومن صالح ہو جب تک وہ مقام وحدت میں نہ آ جائے اثنیت (دو کا ہونا) کہ دوئی ہے (دو کا قرارداد ہے) یعنی وہم خودی سے نہیں نکلتا' شرک خفی میں مبتلا رہتا ہے۔ پاک روح قدسی وحدت کی خزانہ دار ہے یعنی شرک خفی کی ہڈی کو عشق کی ہنڈیا سے نکال کر اس کے سر پر دے مارا تو "زرد آلو کا درخت اس کی ایڑی کے نیچے سے نکل آیا۔" یعنی شجرہ خبیثہ (بدترین درخت) برائیوں کی جڑ پیڑ جو حب دنیا (دنیا سے محبت اور اس کا عزیز رکھنا) ہے۔ جس کی جڑیں لوگوں کے دل میں گڑی ہوئی ہیں۔ وہ ابلیس ہی کے منحوس قدم کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ سب کے دلوں میں اپنی جڑیں گاڑے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انها شجره تخرج فی اصل الجهيم طلعهما كانه رؤس الشيطين۔ (شجرہ خبیثہ وہ درخت ہے جو دوزخ کے نچلے حصہ سے نکلا ہوا ہے یعنی درک اسفل (سب سے نیچا درجہ) سے باہر آیا ہوا ہے اس کی ابھار شیطانوں کے سر ہیں۔)

"ہم اس درخت کے پاس پہنچے۔" یعنی زرد آلو کے درخت کے نزدیک گئے اور عبرت کی آنکھوں سے اس کو دیکھنے لگے کہ جس کا پھل' نتیجہ دونوں جہاں میں شرمندگی اور زردروی کا باعث ہے۔

"خربوزے بوئے تھے۔" خربوزہ سے مراد و مقصود اہل دنیا ہیں کہ لذت جسمانی کے لئے ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہیں۔

"گوپھن سے پانی دیتے تھے۔" گوپھن سے مراد لوگوں کا آنا اور پسند کرنا۔ رجوع و قبول ہے یعنی دنیا والے لوگوں کے رجوع ہونے' قبول کرنے سے پرورش کر رہے تھے۔

"اس درخت سے زرد آلو ہم نے توڑ لئے۔" یعنی غرور کی ہوا کہ وہ رُو سیاہی کا پتہ و نشان ہے ہم نے نیچا دکھا دیا۔ توڑ تاڑ کر پھینک دیا۔

''قلیہ زردک بنائے۔'' یعنی بینگن کی پیلی کڑی کہ سونا ہے پکائے۔

''اس کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ دیئے۔'' کہ یہ دونوں جہاں کی روسیاہی (دونوں جہاں میں منہ کالا ہونے) کی چیز ان کے چہروں کا پیلا پن تھا۔

''وہ اتنا کھائے کہ اماس کر گئے اور یہ سمجھے کہ موٹے ہو گئے۔'' یعنی اہل دنیا اس قدر حرص سے اس کو کھائے اور اس میں تصرف کئے کہ سوج گئے۔ تن پروردن کا موٹا پن اہل بصیرت کی نظر میں اماس (سوجن) ہے جس کو دنیا والے دھوکے اور مشابہ ہونے سے موٹاپا سمجھے ہوئے ہیں۔

''گھر سے باہر جا نہ سکے۔'' یعنی دنیا سے نکل نہ سکے کیونکہ گزرگاہ عاقبت تنگ ہے اس سے صرف اہل تجرید وتفرید ہی گزر سکتے ہیں۔ حرام مال سے جو موٹے تازے ہوتے ہیں وہ دنیا سے نہیں نکل سکتے۔

''اسی نجاست میں رہ پڑے۔'' دنیا کی نجاست میں پھنس کر رہ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الدنیا جیفۃ و طالبھا کلاب (دنیا مردار ہے اس کا طالب کتا) فرمایا۔

''ہم آسانی سے اس کے مکر سے نکل آئے۔'' یعنی فیض قدسی کی مدد امداد سے شیطان کے پنجہ اور خطرات کے ہجوم سے چھٹکارا پا گئے۔ شیطان کا مکر ہم پر چل نہ سکا کہ ان کید الشیطن کان ضعیفا (البتہ شیطان کا مکر کمزور ہے)

''ہم گھر کے دروازہ پر سو گئے۔'' دنیا سے نکلنے عقبیٰ میں داخل ہونے کا دروازہ کہ قبر ہے۔ جس کو پہلی منزل کہتے ہیں یعنی دنیا سے نکل کر قبر میں کہ دروازہ ہے سو گئے یہ نہ کہا کہ مر گئے کیونکہ دوستان خدا، اختیاری موت حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ فنا فی اللہ سے بقا باللہ کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہمیشہ زندہ ہیں مرتے نہیں۔ ان کا دنیا سے جانا ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جانا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اولیاء اللّٰہ لا یموتون بل ینتقلون من دار الی دار (اللہ کے دوست مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے ہیں)

فرمایا۔ پروردگار عالم نے بھی ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولٰکن لا تشعرون (جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے مارے گئے ان کو مرے ہوئے نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں تمہیں اس کا شعور نہیں) یعنی یہ کہ تم ایسا نہ کہو کہ جو اللہ کے راستہ میں مارے گئے وہ مردہ ہیں۔ ان کو مرے ہوئے نہ کہو۔ مرے ہوئے نہ جانو حقیقت میں وہ زندہ ہیں تم اس کو نہ تو جانتے ہو نہ سمجھتے ہو۔ یہ موت نہیں زندگی ہے۔ اسی لئے فرمارہے ہیں کہ

''ہم سفر کے لئے روانہ ہو گئے۔'' عقبیٰ کا سفر۔ فنافی اللہ سے بقاباللہ کی طرف چل کھڑا ہوتا ہے۔ صاحبان عرفان نے فرمایا کہ السفر سفران سفر الی اللہ وسفر فی اللہ۔ یعنی سفر دو ہیں۔ ایک اللہ کی طرف ایک اللہ میں۔ یہاں تک جو بیان ہوا وہ ہم نے ایسا ویسا یہ وہ کہا۔ پہلا سفر الی اللہ کا پورا ہوا۔ دوسرا سفر جو فی اللہ ہے ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔

''ارباب حقیقت صاحبان معرفت اس راز' ان خیالات کو پائیں۔''

یعنی اہل سلوک باطنی تعرف وشناسائی سے اس راز کی تمثیلیں کہیں' ان کو کھولتے جائیں۔ الحمد للہ کہ اہل محبت پر یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ جو کچھ ہم پر کھلا۔ اس کو ہم نے سمجھداروں کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اگر کوئی اس شرح کو پسند نہ کرے تو ہم آزردہ نہیں ہوتے وہ اس سے بہتر کہیں اور لکھیں۔ والسلام

تمت الرسالہ

شرح بُرہان العاشقین

از

حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلوی قدس سرہ العزیز

مترجمہ

حضرت مولانا مولوی قاضی احمد عبد الصمد صاحب فاروقی قادری چشتی،
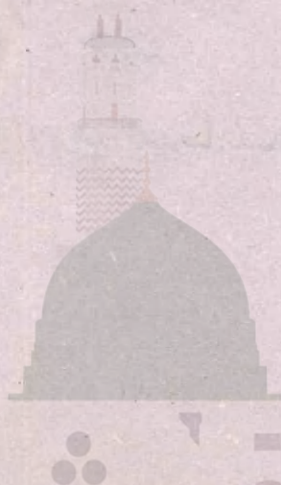
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

حمد حضرت الہٰ درود پیغمبر والا جاہ اور آل و اصحاب دین پناہ کے بعد بندہ مسکین محمد رفیع الدین بن شیخ الاسلام زبدۃ العرفاء باللہ سیدی سندی ولی اللہ ابن الشیخ العظیم مولانا عبدالرحیم اسکنہما اللہ فی العلنین والحقہ بسلفہ الصالحین ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ ہمارے دوستوں میں سے بعض نے اسماء غریب نواز سید محمد حسینی گیسو دراز قدس اللہ سرہ میں سے ایک سر کے حل کرنے کی درخواست کی جو کچھ بلحاظ وقت یافت ہوئی اس کو لکھا جارہا ہے قال العارف المحقق رفعه الله قدره باسمه سبحانه (عارف محقق اللہ تعالیٰ ان کی قدر و منزلت بلند کرے اللہ پاک کے نام سے فرمائے ہیں) الحمد لله رب العلمين والسلام على رسوله محمد وّآله اجمعين۔ قوله تعالیٰ و تلك الامثال نضربها للناس لعلهم يتفكرون (سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو دونوں جہان کا پالنے والا ہے درود و سلام اس کے رسول پر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کی ساری آل پر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے دیتے ہیں تا کہ وہ سوچ بچار کریں)

''ہم چار بھائی تھے نو گاؤں کے۔'' یعنی کون و فساد۔ چار عناصر تھے نو آسمانوں کے۔

''تین بھائی کپڑے نہ رکھتے تھے۔'' یعنی آگ۔ ہوا۔ پانی۔ سطح ملون کہ جو نفوذ نظر کے حائل ہو (رنگین میدان جو نظر کے گھسنے دھسنے پہنچنے کی روک ہو) نہ رکھتے۔ شفاف تھے (ایسے صاف تھے کہ نظر اس کے پار چلی جاتی تھی)

''ایک بھائی ننگا تھا۔'' یعنی خاک۔ زمین کہ ظاہری آنکھوں سے دیکھی

جاتی ہے۔

''وہ ننگا بھائی آستین میں اشرفی رکھتا تھا۔'' یعنی زمین۔ جو بہت ساری صورتیں ہیات عرضیہ (عرض کی شکلیں ذرائع اسباب) کے استعداد۔ اپنے آپ میں رکھتی تھی (مادہ۔ طاقت علمی سے آراستہ تھی)

''ہم بازار میں آئے تا کہ شکار کرنے کے لئے تیر کمان خریدیں۔'' یعنی سب کے سب عالم ترکیب میں داخل ہو گئے تا کہ وہبی (دیا ہوا) کسبی (حاصل کیا ہوا) استعداد حاصل کریں تا کہ عالم تجرد کی تحصیل ہو جائے۔ (تنہائی۔ علیحدگی ہاتھ آ جائے)

''قضا آ پہنچی ہم چاروں کشتہ ہو گئے۔'' یعنی قوائے ملکی (زور غلبہ فرشتگی۔ قوت حصول شے جو طبیعت میں ہوتی ہے) روحانی (متعلق بہ روح) ارباب الانواع (قسم قسم کے ضروری اسباب) کے استیلا (چھا جانے) سے کھلی ہوئی صورتوں سے چھپ گئے ان میں گم ہو گئے تو چار سے۔

''چوبیس زندہ ہو کر اٹھے۔'' فعل انفعال (ترکیب و امتزاج) کے بعد۔ چوبیس قسم کے مزاج پیدا ہو گئے۔ آٹھ مزاج اعتدال۔ آٹھ مزاج غیر اعتدال۔ آٹھ مزاج اختلال اس کی صراحت اس کا بیان یہ ہے کہ حقیقی طور سے آپس میں ملنا۔ برابر ہو جانا حرارت (گرمی) کا برودت (سردی) کے ساتھ اور یبوست (خشکی) کا رطوبت (تری) کے ساتھ معاً (فوراً۔ اسی وقت) محال (ناممکن) ہے۔ البتہ مرکب میں ایک نہ ایک جانب سے انحراف (پھر جانا) ضرور ہو گا۔ اگر ایک ہی کیفیت میں ہوں تو چار مزاج مفرد اور اگر دو کیفیت میں ہوں تو غیر متضاد ہیں۔ یہ چار مزاج مرکب ہیں۔ یہ آٹھ مزاج اگر افعال بینہ (طبائع حقیقی) کے ساتھ مرکب ملائم (ترکیب پائے ہوئے ہم مزاج) ہیں تو مزاج اعتدال ہے اور اگر مخالف ہیں تو مزاج غیر اعتدال ہے۔ اگر منافی ہوں تو مزاج اختلال ہے۔ چار اقسام سے ترکیب مراد ہوتی ہے اس کی صورت یہ کہ مساوات چند جزو غیر مغلوب مرکب میں جو مستدعی انحلال ترکیب (آپس میں مل جانے

کے خواہش مند) ہیں وہ بسبب تساوی (برابری) میول (ملنے والے ملاپ) و جز مغلوب قاصر (دبے ہوئے کمی لیئے ہوئے حصے) اجتماع میں نہیں آ سکتے یعنی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے وہ اس لئے کہ ان میں کوئی ضرور غالب ہوگا۔ پس بلحاظ ترکیب ثنائی (دو کی ملاپ) کے حساب سے بارہ محسوب ہوتے ہیں (گنے جاتے) اس میں لے لئے جاتے ہیں۔ چار ترکیب ثلاثی (تین کے ملاپ) سے بھی بارہ ہوتے ہیں ترکیب رباعی (چار کے ملاپ) سے اٹھائیس ہوتے ہیں۔ دو ثنائی۔ پانی۔ آگ ثلاثی میں ہوا کے ساتھ فاسد (بے کار) ہیں کیونکہ ہوا مغلوب ہونے کے سوائے رقت کے سبب سے قوام سہل الانحراف ہے اور لطیف ہونے کی وجہ سے شریک غالب کا جوہر و رنگ لے لیتی ہے۔ اس طرح تدافع مغلوب ہو کر صرف چوبیس ہی ترکیب صالحہ میں باقی رہتے ہیں۔

''ہم نے چار کمان دیکھے۔'' یعنی استقرار مزاج کے بعد کمال کے چار درجوں میں پہلے پہل طبائع سامنے آئے کہ صدور افعال کے لئے۔ ہر ایک کے لئے یہ آثار کمال (کمال کی نشانیوں) کے جیسے ہیں۔

''تین ناقص تھے۔'' یہ صورت جمادی۔ نباتی۔ حیوانی ہے۔ جو عالم تجرد میں پہنچنے سے قاصر ہیں۔

''ایک دو کنارے بیچ کا دھارا نہ رکھتی تھی۔'' نفس ناطقہ کہ صورت انسانی ہے۔ دو جزو مادہ دو طرف کی صورت کا امتداد نہیں رکھتی کہ مجرد ہے۔ ذات سے بذاتہ مجرد ہے۔

''وہ بھائی جس کی آستین میں اشرفی تھی اس نے یہ کمان خرید لی۔'' بدن ارضی (زمین والا جسم) نے نفس ناطقہ کو قبول کر لیا۔

''ایک تیر درکار تھا۔'' یعنی نفس ناطقہ کو اپنے کام پورا کرنے کے لئے کہ وہ اپنی ہی ذات کے لئے کیوں نہ ہوں اس کو قوت درّاکہ ہی سے پایا کرتے ہیں۔

''ہم نے چار تیر دیکھے۔ جن میں تین ٹوٹے ہوئے تھے۔'' یعنی چار قوئ پائے۔ (۱) حس مشترک جو صور جزیہ کا پانے والا ہے۔ (۲) وہم جو معانی جزیہ کا

پانے والا ہے۔ (۳) عقل جو کلیات کی پانے والی ہے۔ یہ تینوں شکستہ پا ہیں (لنگڑے لولے ہیں) اپنی نظیر (اپنے جیسا۔ جواب) نہیں رکھتے۔ محسوسات سے منترع (علیحدہ الگ) نہیں ہیں۔ اس لئے پہنچ نہیں سکتے۔

''ایک تیر پر و پیکان نہ رکھتا تھا۔'' یعنی چوتھا۔ یہ نور ایمان تھا زوال میں آ جانے شبہات میں پڑ جانے سے بالاتر ہے۔ اس میں ایک معینہ ضابطہ ہے۔ یہ آئین (قاعدہ قانون) کی پناہ میں ہے۔ کیونکہ یقین ہی وہ چیز ہے جس میں کسی طرح کا احتمال خلاف ومخالف ہونے کا ذرہ برابر بھی نہیں۔

''وہ تیر جس میں پر و پیکان نہ تھا۔ ہم نے خرید لیا اور شکار کی طلب میں جنگل میں پہنچ گئے۔'' ایمان صحیح کے شرف سے مشرف ہو کر اس کی تائید سے کشف حقیقت کے طالب ہو گئے۔ اس نکتہ کی تحقیق یہ ہے کہ ہر نوع علمی کہ بحصول صورت ہو۔ خالی از کیفیت وطلبیت نہیں بے کیف اصل محض کی طرف راستہ نہیں رکھتی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت تک وصول بجز معرفت اجمالی لحاظی صرف کہ جس کو ایمان بالغیب کہا جاتا ہے۔ نہیں ہو سکتا۔

''ہم نے چار ہرن دیکھے۔'' یعنی توجہ دوام کے طفیل میں عالم اطلاق کے چار حقیقت سے مشہود ہوئے۔

''تین مردہ تھے۔'' تین حقیقتیں۔ اصطلاح تصوف میں جن کو ناسوت ملکوت جبروت کہتے ہیں۔ اہل اشراق کی اصطلاح میں برازح مثل انوار اہل حکمت کی اصطلاح میں طبیعت نفس عقل کہتے ہیں۔ یہ اعدام امکانی ہیں۔ قبضہ غیر میں، مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں کے جیسے ہیں۔ ہر ایک کی جان مدبر باطن وخارج ہے۔ ناسوت کی جان ملکوت۔ ملکوت کی جان جبروت، جبروت کی جان لاہوت ہے۔

''ایک جان نہ رکھتا تھا۔'' یعنی چوتھا جو حضرت لاہوت ہے۔ یہ اپنا آپ مدبر باطن ہے۔ یہ خود سب کا قیوم ہے۔ باطن کا باطن ہے۔ اپنی ذات سے زندہ اور سب کی جان ہے۔

''وہ ننگا بھائی جو آستین میں اشرفی رکھتا تھا کمان کھینچتا تھا اس کمان بیخانہ و بے گوشہ سے ایک تیر جس کے پر و پیکان نہ تھے اس بے جان ہرن پر چلایا۔'' یعنی وہ شخص ارضی انسانی صادق الایمان نے ذات مقدس کو ہدف ہمت بنالیا (اپنے تیر کا نشانہ بنالیا۔ آلات (سامان ذرائع) معدات (اسباب۔ وسیلہ) فطری و کسبی کو فراہم لے کر کوشش علمی عملی سے مراحل طے کر کے ارادت کے بعد علم الیقین سے عین الیقین کو پہنچ گیا۔ چونکہ مجذوب سالک تھا۔ اندراج النہایت کے راستہ یومن وراء الحجب (پردے کے ورے پر ایمان رکھتا ہے) سے حضرت لاہوت کا آشنا ہو گیا۔

''ایک کمند کی ضرورت تھی تا کہ شکار کو شکار بند پر باندھ دیں۔'' یعنی معاملہ و علاقہ درکار تھا تا کہ عین الیقین سے حق الیقین میں آ جائیں۔ تعلق سے تخلق کی طرف رجوع ہو جائیں (لگاؤ علاقہ سے خوگر متصف خوشخو ہونے کی طرف لوٹ جائیں)

''ہم نے چار کمند دیکھے۔ تین ٹوٹے ہوئے اور ایک دو کنارے اور بیچ کا دھارا نہ رکھتی تھی۔'' یعنی چار معاملات پیش آئے خوف۔ طمع (لالچ) محبت۔ یہ تینوں میں غرض موجود پائی گئی۔ غرض شامل پائی جانے سے' تعلق رکھنے کے نا قابل بلکہ چھوڑ دینے کے لائق پائے گئے۔ چوتھا معاملہ فنا فی الوحدت (یکتائی میں مٹ مٹا جانا) جس میں دو کی گنجائش نہیں دونوں کو برداشت' ان کا تحمل کئے ہوئے ہے۔ وسط (درمیان) نہیں رکھتی۔

''شکار کو اس کمند سے جس کے دو کنارے بیچ کا دھارا نہ تھا شکار بند پر باندھے۔'' یعنی چوتھے معاملہ واسطہ سے اپنے باطن (اندرون) کو اپنی جان لاہوت کے ہُما کا گھونسلا بنائے۔ بطریق مطالعہ وحدت سے کثرت میں اپنے محبوب کا جمال اپنے آپ میں دیکھے۔ حق الیقین سے نصیبہ پائے۔

''ایک گھر درکار تھا جہاں ٹھہریں شکار کو پائیں۔'' یعنی قانون ضابطہ قاعدہ کی ضرورت تھی۔ جس کی پابندی بجا آوری ملازمت سے' حق الیقین سے حقیقت الیقین کو تخلق سے تحقق کو تخلیق سے تحقیق کو پہنچ جائیں۔ حقیقت الیقین کے ساتھ رجوع

ہو جائیں۔ تخلیق سے تحقیق تک عروج کر کے سارے لطائف سب طبقات کو معرفت کے رنگ میں رنگ کر وجود کے پردوں میں فرق و تمیز کر سکیں۔

''ہم نے چار گھر دیکھے۔ تین آپس میں گتھے ہوئے گرے پڑے ہوئے تھے۔'' یعنی چار قاعدے طریقے پائے۔

(۱) شریعت پر چلنے والوں کا راستہ و طریقہ۔ جن کی روش تصحیح عبادات و اصلاح معاملات۔ تہذیب اخلاق۔ تعمیر اوقات و اورادتھی۔

(۲) عزیمت (بلند ارادہ) کے ساتھ چلنے والوں کی روش بچاؤ کا پاس ولحاظ۔ تقویٰ کی نگہداشت۔ دعوات اسماء و موکلات تھی۔

(۳) طریقت پر چلنے والوں کی روش' نفس کی مخالفت اس کی خواہش کے خلاف عمل کرنا۔ انفاس کی محافظت دم کی نگہبانی۔ ذکر میں بیٹھے رہنا۔ ذکر اور اس کی ضربات کرنا۔ تصور میں رہنا تھی۔ یہ تین روش کے چلنے والے ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا بحث مباحثہ رکھتے ہیں۔ اپنی اپنی دھن میں ہوتے ہیں۔ وجود کے جو پردے اور روک ہیں ان کو پھاڑ دینے' اٹھا دینے سے عاجز ہیں۔

''ایک گھر چھت اور دیوار نہ رکھتا تھا۔ ہم اس میں اتر پڑے۔'' یعنی چوتھی روش جو حقیقت والوں کی تھی وہ دوام شہود (ہمیشہ کا حضور۔ سامنا۔ حاضری) تنزیہہ معبود (اللہ تعالیٰ جو لائق بندگی ہے اس کی پاکی۔ سب سے سوا جاننا) نفی وجود (اپنے نہ ہونے' اس کے ہونے کا تصور) بذل موجود (جو ہے اس کا دے دینا۔ بخشش عطا حاضر کی) جذبۂ ملک ودود محبت والے انتہائی مہربان کی کشش ذوق شوق) یہ ایسی روش ہے جس میں تقلید کی چھت' رسوم و قیود کی دیوار کا پتہ نہیں۔ بلند و بالا روش ہے وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى (تجھ کو عشق میں کھویا ہوا پایا تو راہ سمجھا دی) کے اشارے سے اپنے آپ کو تربیت الٰہی میں لا کر اس کے حوالہ کر دے کو' اس طریق و روش کو' اپنے آپ پر لازم کر لیا۔ اس دوران اس اثناء میں اسماء و صفات سے ترقی پاتے اور کرتے رہے۔

''ہم نے ایک دیگ اونچی طاق پر رکھی ہوئی دیکھی جہاں کسی طرح

سے بھی ہاتھ نہیں پہنچ رہا تھا۔'' یعنی تجلیات ذات تک کہ اسماء و صفات کا منبع اور روحانی جسمانی رزقوں کا معدن ہے' رسائی نہیں ہو رہی تھی۔ کیونکہ یہاں بشر کی ساری قوتیں عاجز آ جاتی بے کار ہو جاتی ہیں۔ یہاں انتہائی انکساری عاجزی' آثار و اعیان کی نفی کے سوائے چارہ نہ تھا۔ اس کے سوائے اور کوئی اس بارگاہ پہنچنے کا راستہ نہیں کہ اقرب ما یکون العبد الا ربه وهو ساجداً (سجدہ کرنے والے سے زیادہ کوئی بندہ اپنے پروردگار سے قریب نہیں) کا یہی رمز ہے۔

''چار گز کا گڑھا اس کے پایہ میں ہم نے کھودا۔'' یعنی باطن کے چوتھے درجہ تک پہنچ گئے۔ چار درجوں میں اتر گئے اور چار طبقات کو اپنے مالوفات (پسندیدگی) سے تھے اکھیڑ پھینکے۔ بدن کو ریاضت میں۔ نفس کو مجاہدہ میں' قلب کو مشاہدہ میں۔ روح کو شعاع احدیت میں۔ تلاش کے لئے محو کر دیئے' تا آنکہ عدم اصلی (حقیقی فنا) سے مل گئے تو کان والله ولم یکن معه شی وهو الان کما کان (تھا اللہ اور نہ تھی اس کے ساتھ کوئی چیز اور وہ اب بھی جیسا کہ تھا ویسا ہی ہے ویسا ہی رہے گا) کا مقام حاصل ہو گیا۔ اگر چاہو تو بدن و نفس کو ایک شمار کر لو۔ چوتھا عین ثانیہ کو سمجھ لو۔ چنانچہ محققین میں بھی جو بہترین محقق ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ان کا مسلمہ ہے کہ جب تک عین اس اسم سے کہ مبدائے یقین اس کا ہے عین ثانیہ سے گزر نہ جائے۔ استعداد جزی کے پٹے کو نکال کر نہ پھینک دے توڑ پھوڑ نہ ڈالے' ذات کے شیون تک نہیں پہنچ سکتے اور حقیقت تجلی ذات تک آئینوں کے رنگ ملے بغیر' تجلی کئے ہوئے کے پانے کی استعداد کے بغیر' واصل نہیں ہوتے۔

''ہاتھ اس دیگ تک پہنچ گیا۔'' یعنی ذات کی حقیقی تجلی میسر ہو گئی۔ مرات وحدت (یکتائی کے آئینہ) میں کثرت کا مشاہدہ (بہتات کا دیکھنا) ہاتھ آ گیا۔ اسماء و صفات الٰہی (اللہ کے نام اس کی خوبیاں) تعینات و اعتبارات کیانی (مدارج و مراتب ہونے ہو جانے بننے' بن جانے۔ دکھے دکھ جانے' روحانی و جسمانی کے) حاصل ہو گئے۔

نفس سے روح ہوائی، قلب سے نفس ناطقہ مراد ہے۔ روح سے وہ وجود مراد ہے جو بوقت میثاق (وعدہ ازل اللہ تعالیٰ نے الست بربکم جب کہا ارواح نے بلیٰ کہا تھا) عین امتیازی (فرق وتمیز کا سرچشمہ۔ ممتاز آنکھ) عالم الٰہی میں ذات کی شاخیں۔ ذات کا ذات کے ساتھ جو اندراج واتحاد تھا، وہ تمیز علمی وعملی کے ساری ہونے سے پہلے تھا۔

"جب شکار پک گیا تو گھر کے اوپر سے ایک شخص نیچے آیا کہ میرا حصہ ونصیبہ مجھ کو دے دو کہ میں ایک مقررہ حصہ رکھتا ہوں۔" یعنی جب عارف انتہا کو پہنچا ہوا۔ جائے ظہور۔ کمالات کا جامع۔ تمام شانوں سے ثبوت پایا ہوا۔ صفات سے موصوف ہوتا ہے تو ہر اعتبار، ہر شان، ہر تجلی سے ذوق پاتا، مزے لیتا ہے تو اس پر تجلی شان مضل کہ ابلیس ہے ظہور کر کے سامنے آتا ہے تاکہ لا تحذن من عبادك نصيباً مفروضه (البتہ میں لوں گا ترے بندوں سے ایک مقررہ حصہ) کی تصدیق ہو جائے۔ اس لئے اس نے کہا کہ میں ایک مقررہ حصہ رکھتا ہوں۔

"وہ بھائی جو کامل مکمل ہو چکا تھا۔ تاک میں بیٹھا ہوا تھا۔" یعنی فیض قدسی یعنی روح القدس کا فیض کہ ایدناہ بروح القدس (مدد کی ہم نے اس کی پاک روح سے) کا مصداق (وہ چیز جو موافق دوسری چیز کے ہو) ہے۔ مدد وحفاظت کے لئے آجاتا ہے۔ فانه يسلك من بين يديه و من خلفه رصداً (وہ لے چلتا ہے آگے پیچھے گھات لگائے ہوئے، نگہبانی کرتے ہوئے) کی اقتضاء کے لحاظ سے یہ اس کا حال ہو جاتا ہے۔

"اس بھائی نے ایک ہڈی اس دیگ سے جس میں شکار پک گیا تھا نکال کر حصہ مانگنے والے کی کھوپڑی پر دے مارا۔" یعنی وہ عقدۂ لاینحل (وہ گتھی جو سلجھتی ہی نہیں) کہ ذوبینی (دور دیکھنے کی) ہے وہ اسماء کی کثرت (ناموں کی بہتات) کی اقتضاء ہے۔ جس کو غیریت کہا گیا ہے۔ سارے پردوں میں بڑا پردہ اور روک ہے۔ وہی لوگوں کی نظر میں علم ہوا۔ چونکہ ہڈی نہیں گلتی۔ بدن کو کھڑا رکھتی ہے۔ یہ گرہ بھی نہیں

کھلتی کہ اسی پر بڑھنے پھیلنے کا دارومدار ہے۔ ہڈی جو کہا گیا' اعتبار دیا گیا وہ بہت درست ہے۔

''زرد آلو کا درخت اس کی ایڑی کے نیچے سے نکل آیا۔'' وجود کے نچلے درجے طبائع ہیں۔ ان کو شخص اکبر کا قدم کہتے ہیں۔ یہ ہیولائے اجسام سے موسوم ہے۔ وحدت ذات کا نمونہ ہے۔ اس کو نظر سے مخفی رکھا گیا ہے۔ جواہر و اعراض کی کثرت صوری کہ اس کے صفحہ (ورق کے ایک رخ) پر کھلے ہوئے ہیں۔ ڈالی اور پھل لائے ہیں ان ہی کو دیکھنے والوں کے لئے حیرت کا سبب بنا دیا۔ اس سے سبھوں کو اس طرح اور اس وضع سے ایسا ہوش باختہ کر دیا گیا کہ وہ اپنی حقیقت ہی سے غافل نہیں بلکہ منکر ہو گئے۔ اس میں ایسے مست مدہوش ہو گئے کہ اپنی حقیقت کو فراموش کر دیا۔ اس کے ہونے سے بھی انکار کر دیا۔ زرد آلو کا درخت نشہ میں لاتا' مست مدہوش کر دیتا ہے۔ اس لئے یہ اعتبار انتہائی مناسب تعبیر ہے۔

''ہم زرد آلو کے درخت پر پہنچ گئے۔'' یعنی ہم دوبارہ موافق و مخالف طبع کے تقاضے سے مرغوب کی طلب میں نا مرغوب سے بھاگ کھڑے ہو گئے' پریشان سرگرداں ہو گئے۔ صفراء فاقع لونها تسر النا ظرين (زرد رنگ بھلا لگتا ہے دیکھنے والوں کو) چونکہ یہ رنگ دل کو بھاتا ہے۔ اس لئے زرد آلو سے اس کی مناسبت دی گئی۔ جو نہایت مناسب ہے۔

''خربوزے بوئے تھے۔'' پھر لذت۔ حلاوت۔ دھوکے۔ بے کار کاموں باتوں میں آ گئے۔ اس میں پھنس گئے۔ خربوزے کا جو نتیجہ ہوتا ہے وہ ہو گیا۔

''گوپھن سے پانی دیتے تھے۔'' نفس کو اس کی آرزوؤں کو عقائد باطلہ کی پریشانی کی وجہ سے خواہشوں امیدوں کو کہ رجماً بالغیب (غیب کا پتھر) ہے۔ پرورش کر رہے تھے۔

''اس درخت سے پھر گھر میں اتر آئے۔'' یعنی کاملوں نے اپنے باطن میں غور و فکر کر کے حضرت عزت میں عاجزی کے ساتھ معروضہ کیا کہ عام لوگوں کو مشتبہ

باتوں کاموں سے روک رکھنا ناممکن۔ خلق کے ساتھ صحبت اور ان کے دلوں کی تالیف کرنا' روپیہ پیسہ کے بغیر بہت ہی مشکل ہے۔ اس کی وسعت (زیادہ ہونا) لوگوں کے لئے ضروری ہے۔ ظاہری فتوح منظور ہے۔

"قلیہ زردک (پیلا سالن) دنیا والوں کے لئے چھوڑ دیئے۔" فتوح ظاہر (آمدنی روپیہ پیسہ) کو لوگوں کے لئے فائدہ مند بنا دیا گیا اور بہت ساری لذتوں کو ان کے لئے جائز کر دیا گیا۔ سونے کا رنگ پیلا ہے۔ زردک سے مناسبت رکھتا ہے۔

"وہ اس قدر کھائے کہ اماس کر گئے اور سمجھ لئے کہ موٹے ہو گئے۔" دنیا والے طلب دنیا رکھنے والے انتہائی حرص کے ساتھ فائدہ اٹھائے اور گمان کر لیا کہ ہم سعادت پا گئے۔ گھر سے باہر نکل نہ سکے۔ اپنی نجاست میں آپ رہ پڑے۔ یعنی دنیا کی محبت۔ اندرون کی خرابی۔ باطن کا دھندلا پن۔ شہوتوں میں مبتلا رہنا۔ بری عادتیں۔ چھوچھے۔ بیکار عقیدے ان کے دلوں میں جگہ کر لئے۔ یہی وجہ ہے کہ زہد و طاعت پرہیزگاری' عبادت ان کے لئے مشکل دشوار۔ موت بہت ہی نامناسب' بھیانک جان لینے والی ہوتی ہے۔ ان کے دل اسی پلیدی نجاست کے پابند و عادی ہو گئے۔ اسی میں رہ گئے۔ وہ اسی قید خانہ میں گرفتار ہیں۔

"ہم آسانی کے ساتھ اس گھر کے مکر سے چھٹکارا پا گئے۔" یعنی جیسے ہی توفیق' ہماری رفیق ہوئی۔ جذبۂ الٰہی ہماری گردنوں کا طوق و زیور ہو گیا۔ ہم نہایت آسانی سے دنیا کے غرور و فریب دھوکہ سے پٹے تڑا کر' پیچھا چھڑا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ واملی لهم ان کیدی متین (اور ہم نے انہیں امل یعنی لمبی امیدوں آرزوؤں میں ڈال دیا' ہمارا داؤ بہترین باوقار ہے) اور زین لهم الشیطٰن (زینت دی ان کے اعمال کو شیطان نے) کے اعمال سے ہم نجات پا گئے فقد استمسك عروة الوثقیٰ (البتہ پکڑ لئے مضبوط حلقہ) میں لٹک گئے اس میں مل ملا گئے۔ فی مقعد صدق عند ملیك المقتدر (سچائی کی بیٹھک میں صاحب اقتدار بادشاہ کے پاس) کی جائے قرار میں جگہ و قرار پا گئے تو انتہا' مقصود و مقصد کو پہنچ گئے۔

''ارباب تعرف ان حالات کو کھولیں۔'' یعنی معرفت والے ان جھگڑوں میں نہیں پڑتے کہ هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون (کیا برابر ہیں وہ جو جانتے ہیں اور وہ جو نہیں جانتے۔)

انما يتذكر اولوالاباب (یہ ایک نصیحت ہے سمجھداروں' راہ پانے والوں کے لئے۔) اس فقرہ میں یہ اشارہ ہے کہ وسیلہ نجات تباہی کے بھنور سے بہتر ہے۔ علم حقیقت سے صحبت اہل حقیقت بہتر ہے۔ یہی تھا جس تک یہ شرمسار پہنچا۔ مصنف کی مراد کیا ہے' اس کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ اس کا نام برہان العاشقین دیکھنے میں آیا۔ چونکہ یہ سرگذشت طالب پر مشتمل ہے۔ جو مرتبہ جمادیہ سے اعلیٰ مراتب کمال تک پہنچا ہے لہٰذا یہ نام بہت ہی موزوں ہے۔ والحمد لله الذى عندہٗ علم الخفيات و من جودينل الطلبات والصلوٰة والسلام على محمد صاحب الايات المحكمات والمتشابهات و على اٰله وصحبه نجم الهدايات ونسئل الله العفو والهدايت فى جميع حالات (سب تعریف اللہ ہی کی ذات کے لئے ہے جس کے پاس چھپی ہوئی چیزوں کا علم اور اس کی سخاوت وعنایات ان کے لئے' جو اس کی طلب میں ہیں۔ درود وسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ محکمات ومتشابہات کی نشانی والے ہیں۔ آپ کی آل آپ کے اصحاب پر جو کہ ہدایت کے ستارے ہیں۔ اے اللہ ہم چاہتے ہیں تیری درگزر' معافی اور تمام حالات میں ہدایت) بتاریخ ۱۷ جمادی الثانی ۱۲۲۰ھ تالیف ختم ہوئی۔

دیگر کُتب

اسوۂ حسنہ

تذکرہ
حسین بن منصور حلاج

کبریتِ احمر

خاتمہ

نظم التوحید

فوائد حضرت بندہ نواز